بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصۃ التفسیر القرآن

جلد ۹

الجہاد الاسلامیہ

استاذ التفسیر مفتی حبیب الرحمن عباسی رحمہ اللہ

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ گیٹ لاہور

مکتبۃ الحسن

۳۳ - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوا (القرآن)

DATA ENTERED

خلاصہ تفسیر القرآن

الجہاد الاسلامیہ

جلد تاسع

تالیف

استاذ تفسیر حمید الرحمٰن عباسی

مدرسہ قاسم العلوم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

پبلشرز، بک سیلرز

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ
اُردو بازار لاہور

خلاصہ تفسیر کی دیگر مطبوعہ جلدیں

جلد اول عقیدہ توحید باری تعالیٰ : اس جلد میں صرف عقیدہ توحید پر بحث کی گئی ہے اور اس کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

جلد دوم : اللہ تعالیٰ کی بندگی کا پہلا شعبہ نماز۔ یہ جلد صرف نماز کے مسائل پر مشتمل ہے۔ پہلے ایک عنوان قائم کیا گیا ہے پھر اس کے متعلق جتنی آیات قرآنی ہیں وہ نقل کی ہیں ساتھ ساتھ ترجمہ اور مختصر اور سرسری تفسیر نقل کی ہے۔ پھر اس کے متعلق جو احادیث ملی ہیں وہ نقل کی ہیں اور ترجمہ بھی نقل کیا اور تشریح بھی لکھ دی ہے اور ساتھ یہ بھی لکھدیا ہے کہ اس کا ماخذ فلاں آیات ہے یا آیت کا فلاں جملہ ہے۔ ماشاء اللہ یہ لاجواب تفسیر ہے۔

جلد سوم : اللہ تعالیٰ کی بندگی دوسرا شعبہ روزہ۔ اس کا طریقہ کار وہی ہے جو جلد دوم کا ہے اس میں روزے کے متعلق تمام مسائل آگئے ہیں اور اس میں روزے کی اہمیت بھی واضح ہو گئی ہے۔

جلد چہارم اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تیسرا شعبہ حج بیت اللہ۔ اس کا طریقہ کار بھی سابقہ جلدوں جیسا ہی ہے اور اس میں مسلمانوں کی اس عالمی کانگرنس کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہونے کی حیثیت بیان کی گئی ہے کہ حج بیت اللہ کا مقصد پتھروں کی پوجا کرنا نہیں بلکہ اسلامی شوکت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

جلد پنجم حقوق نسواں۔ اس کا طریقہ کار سابقہ جیسا ہی ہے اور قرآن وحدیث میں عورتوں کے جو حقوق ہیں وہ تفصیلاً اس میں آگئے ہیں اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو اعلیٰ حقوق دیئے ہیں وہ دنیا کے کسی نظام میں نہیں ہیں۔

(بقیہ اندرونی ٹائٹل پر)

جلد ششم و ہفتم : یہ دونوں جلدیں اسلامی طرز معیشت پر مشتمل ہیں۔ ان کا طریقہ کار پہلی جلدوں جیسا ہے۔ ان میں اسلامی طرز معیشیت اپنانے کی دنیاوی اور اخروی برکات بھی نقل کی گئی ہیں اور ان میں یہ بتادیا گیا ہے کہ دنیا سے اقتصادی بحران حل کرنے کا ذریعہ صرف اسلامی معیشت ہے۔

جلد ہفتم۔ اللہ تعالی کا نظام عدل۔ سابقہ طریقہ کے مطابق اس جلد میں اللہ تعالی کے نظام عدل کو تفسیر بیان کیا گیا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عملی نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں اور عدل وانصاف کی دنیاوی اور اخروی برکات بھی ذکر کردی گئی ہیں اور اس میں یہ بتادیا گیا ہے کہ دنیا میں عدل وانصاف کا علمبردار صرف اسلام ہے باقی نظام سب ظالمانہ ہیں۔

قرآنی خاندانی نظام اور مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں۔ اس کو تفسیر کا نام نہیں دیا لیکن یہ تفسیر ہی ہے کیونکہ اس کا طریق سابقہ جلدوں جیسا ہی ہے۔ اس میں یہ بتادیا گیا ہے کہ مغربی تہذیب اپنانے سے معاشرہ میں بے اور دشمنی پھیلتی ہے جیسا کہ مغربی ممالک والے چونکہ اسی بدکاری اور بے حیائی کی پیداوار ہیں، اس لئے وہ باقی اقوام کو لڑا رہے ہیں اور قرآنی خاندانی کو اپنانے سے معاشرہ میں اخوت اور محبت پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ جو خلاصہ تفسیر لکھی گئی ہے بحمدہ تعالی اپنی نوعیت کی مثال آپ ہے۔ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے۔ اور ابھی اس کی تالیف کا سلسلہ شروع ہے کیونکہ بہت سے مضامین باقی ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

297.16
ح 75 خ
٩٢١١٢
جلد ٩

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
تعارف و خصوصیات جلد ہذا	۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جہاد فرض تھا بنی اسرائیل نے اس سے روگردانی کی تو عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے	۵
ارض مقدسہ سے کون سی زمین مراد ہے	۱۱
قوم کی انتہائی بے وفائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتہائی عزم استقلال	۱۸
حضرت موسیٰ جہادی مشن کو ناکام بنانے والے ولی اللہ کی سزا کا بیان	۲۴
عالم مقتدا کی گمراہی کا عبرتناک واقعہ	۲۶
حضرت طالوت کی قیادت میں ایمان والوں کی قلیل جماعت نے جہاد کیا تو انہیں عظیم فتح ہوئی	۳۲
جہاد کا کارنامہ دکھانے کے صلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑی مضبوط اور وسیع خلافت ارضی نصیب ہوئی	۳۶
صلوٰۃ الضحیٰ	۳۸
طبعی خوف نبوت یا ولایت کے منافی نہیں ہے	۴۷
بے قاعدگی پر حقیقت حال کے منکشف ہونے تک صبر کرنا چاہئے	۴۷
بڑے آدمی کو چاہئے کہ اہل حاجت کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے	۴۸
کسی قسم کے دباؤ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ بھی طلب کرنا غصب ہے	۴۹
معاملات کی شرکت میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے	۵۰
رکوع سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے	۵۱
سجدہ تلاوت کے بعض مسائل	۵۲
غلطی پر تنبیہ میں حکمت کی رعایت	۵۲
اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت	۵۴
عدلیہ اور انتظامیہ کا رشتہ	۵۴
ذمہ داری کے عہدوں میں سب سے پہلے دیکھنے کی چیز انسان کا کردار ہے	۵۶
صنعت و حرفت کی بڑی فضیلت ہے	۵۹
صنعت پیشہ لوگوں کو حقیر سمجھنا گناہ ہے	۵۹
حضرت داؤد علیہ السلام کو صنعت زرہ سکھانے کی حکمت	۶۰
جہاد کی بدولت حضرت داؤد کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عالمگیر خلافت نصیب ہوئی کہ ہوا اور جنات بھی ان کے تابع فرمان تھے	۶۲
کیا فیصلہ دینے کے بعد کسی قاضی کا فیصلہ توڑا اور بدلا جا سکتا ہے	۶۴
دو مجتہد اگر اپنے اپنے اجتہاد سے دو متضاد فیصلے کریں تو کیا ان میں سے ہر ایک صواب اور درست ہے یا کسی ایک کو غلط کہا جائے	۶۶
یہ مسئلہ فقہیہ کہ اگر کسی کے جانور دوسرے آدمی کے جان یا مال کو نقصان پہنچا دیں تو فیصلہ کیا ہونا چاہئے	۶۸
پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح	۶۹
زرہ سازی کی صنعت حضرت داؤد علیہ السلام کو منجانب اللہ عطا کی گئی	۷۰
ایسی صنعت جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے مطلوب اور فعل انبیاءؑ ہے	۷۱
حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تسخیر اور اس کے متعلقہ مسائل	۷۲
سلیمان علیہ السلام کے لئے تسخیر جنات و شیاطین	۷۴
ایک لطیفہ	۷۵
چرند و پرند بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے اور وہ ان کی بولی جانتے تھے	۷۵
انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی	۷۷
اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبرانہ ہو	۷۸
پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل و شعور ہے	۷۸
عمل صالح اور مقبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا بغیر فضل خداوندی کے نہیں ہوگا	۸۰
حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمن کی حکمران بلقیس کو معہ اپنی قوم کے اسلام کی دعوت دی اور خلاف ورزی پر جہاد کی دھمکی دی تو وہ معہ اپنے اراکین دولت کے مسلمان ہو گئی	۸۱
معارف و مسائل	۸۲
حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری ضروری ہے	۸۳
اپنے نفس کا محاسبہ	۸۳
طیور میں سے ہدہد کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت	۸۴
جانور کام میں سستی کرے اس کو معتدل سزا دینا جائز ہے	۸۵
انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے	۸۶
کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے یہ کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے	۸۶
کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے	۸۷
کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر	

صفحہ	مضامین
۸۸	و امام ہونا جائز ہے
۹۰	تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے
۹۰	مشرکین کو خط لکھنا اور ان کے پاس بھیجنا جائز ہے
۹۰	انسانی اخلاق کی رعایت ہر مجلس میں چاہئے اگرچہ وہ مجلس کفار ہی کی ہو
۹۲	تفسیر
۹۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا
۹۳	خط نویسی کے چند آداب
۹۳	کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا
۹۵	خط کا جواب دینا بھی سنت انبیاء ہے
۹۵	خطوط میں بسم اللہ لکھنا
۹۶	ایسی تحریر جس میں کوئی آیت قرآنی لکھی ہو یا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے
۹۷	خط مختصر، جامع، بلیغ اور موثر انداز میں لکھنا چاہئے
۹۷	امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے
۹۸	مکتوب سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا رد عمل
۹۹	بلقیس کے قاصدوں کی دربار سلیمانی میں حاضری
۱۰۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہدیہ بلقیس کی واپسی
۱۰۰	کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں اس کی تفصیل و تحقیق
۱۰۲	تفسیر بلقیس کی حاضری دربار سلیمانی میں
۱۰۵	معجزہ اور کرامت میں فرق
۱۰۶	تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف
۱۰۷	کیا بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئی تھی
۱۱۱	تسخیر جنات کا مسئلہ
۱۱۴	مساجد میں محراب کے لئے مستقل مکان بنانے کا حکم
۱۱۵	شرع اسلام میں جاندار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت
۱۱۶	حرمت تصویر پر ایک عام شبہ اور اس کا جواب
۱۱۹	فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے
۱۲۰	شکر کی حقیقت اور اس کے احکام
۱۲۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا عجیب واقعہ
۱۲۶	حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کو اتنی وسعت اور استحکام دعاؤں کی بدولت نصیب ہوا تھا
۱۲۹	سورج کی واپسی کا قصہ
۱۳۰	خدا کی یاد میں غفلت ہو تو اپنے اوپر سزا مقرر کرنا دینی غیرت کا تقاضا ہے

صفحہ	مضامین
۱۳۱	امیر کو بذات خود ریاست کے کاموں کی نگرانی کرنی چاہئے
۱۳۱	ایک عبادت کے وقت دوسری عبادت میں مشغول ہونا غلطی ہے
۱۳۷	حکومت اور اقتدار کی دعا
۱۳۸	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حکم جہاد اور دنیاوی اور اخروی کامیابیوں کی بشارت اور جہاد میں سستی دکھانے والے منافقین کی سرزنش
۱۶۹	جہاد کا مقصد اول عقیدہ توحید کا تعارف ہے اور اس کا طریقہ
۱۷۰	جہاد میں لڑنے کا تفصیلی بیان
۱۸۰	جہاد میں صرف رضاالٰہی کے لئے مال و جان قربان کرنے کے فضائل
۲۱۰	فضائل شہداء
۲۲۱	جہاد کا مقصد دوم فتنوں کا انسداد ہے
۲۲۶	جہاد کا مقصد سوم عقیدہ توحید کی شہادۃ
۲۲۹	جہاد کی برکت سے مٹھی بھر مسلمانوں کو غزوہ بدر میں عظیم فتح ہوئی
۲۳۲	قانون جہاد کی دفعات اور مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہونے کی وجوہات
۱۴۰	لوگوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کی بنیاد تقویٰ اور خوف خدا ہے
۲۴۱	مومن کی مخصوص صفات
۲۴۳	پہلی صفت خوف خدا
۲۴۳	دوسری صفت ایمان میں ترقی
۲۴۳	تیسری صفت اللہ پر توکل
۲۴۳	چوتھی صفت اقامت صلوۃ
۲۴۵	پانچویں صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا
۲۴۶	مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہونے کی پہلی وجہ
۲۵۷	مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہونے کی تیسری وجہ
۲۶۴	چوتھی اور پانچویں وجہ کہ مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہے
۲۷۰	دفعہ اول صف جہاد میں استقامت
۲۷۸	دفعہ دوم میدان جہاد میں اللہ اور اس کے رسول
۲۸۷	دفعہ چہارم اللہ سے ڈرو اور رائے فرض میں خیانت نہ کرو
۲۸۷	تفسیر
۲۹۳	دفعہ پنجم میدان جہاد میں حصول فرقان کے لئے التزام تقویٰ اور چھٹی اور ساتویں وجہ کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے
۳۱۴	دفعہ ہشتم فتنوں کی سرکوبی تک جہاد جاری رہے
۳۲۰	دفعہ ہفتم قانون تقسیم غنائم
۳۲۸	تقسیم خمس بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مضامین	صفحہ
خمس ذوی القربیٰ	۳۲۸
غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا گیا	۳۳۰
مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت کرنے کا بیان	۳۳۱
دفعہ ہشتم و نہم میدان جہاد میں ذکر الٰہی کا تحفظ رہے اور تلقین ترک منازعت	۳۷۰
تفسیر جنگ و جہاد میں کامیابی کے لئے قرآنی ہدایات	۳۷۱
شیطانی دجل و فریب اور اس سے بچنے کا طریقہ	۳۸۱
کامیابی کے لئے صرف اخلاص نیت ہی کافی نہیں اس سے پہلے راستہ سیدھا ہونا ضروری ہے	۳۸۲
اسلامی سیاست کا پہلا قدم اسلامی قومیت	۳۹۳
دوسرا قدم معاہدہ یہود	۳۹۳
صلح معاہدہ کو ختم کرنے کی صورت	۳۶۹
ایفائے عہد کا ایک واقعہ عجیبہ	۳۹۷
دفعہ دہم و یازدہم آلات جہاد کی تیاری اور اسلام مصالحت کے لئے ہر وقت تیار ہے	۳۹۸
جہاد کے لئے اسلحہ اور سامان حرب کی تیاری فرض ہے	۳۹۹
سامان جہاد کی تیاری کی فضیلت	۴۰۳
دفعہ دوازدہم جہاد کے لئے مجاہدین کی بھرتی اور دوران جہاد ترغیب کا سلسلہ جاری ہے	۴۱۷
مسلمانوں کا آپس میں حقیقی اور پائدار اتفاق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری پر موقوف ہے	۴۱۹
کافروں کی قوت توڑنے تک انہیں قیدی نہ بنایا جائے بلکہ انہیں قتل کیا جائے	۴۲۳
دفعہ سیزدہم مقاصد سیاسیہ میں مسلمانوں میں سے فقط ان قوموں اور جماعتوں کا خیال رکھا جائے گا جو مرکز سے وابستہ ہیں	۴۵۴

مضامین	صفحہ
غزوہ احد کا بیان	۴۶۷
غزوہ احد کا پس منظر	۴۶۹
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جنگی ترتیب غیروں کی نظر میں	۴۷۱
جنگ کا آغاز	۴۷۲
احد کے واقعہ سے چند سبق	۴۷۳
بدر کی اہمیت اور اس کا محل وقوع	۴۷۹
فرشتوں کی امداد بھیجنے کی حکمت اور اصل مقصد اور تعداد ملائکہ میں مختلف عدد بیان کرنے کی حکمت	۴۸۱
رسولؐ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ سے الگ کر کے بیان کرنے کی حکمت	۴۸۷
انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ضروری نہیں کہ مال ہی خرچ کیا جائے	۵۰۰
تنگی اور فراخی کے ذکر میں ایک اور حکمت	۵۰۱
بعض لغات کی تشریح	۵۱۵
اپنے کسی نیک عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر حال میں اللہ سے مغفرت اور عمل پر قائم رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے	۵۱۶
اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا مقام بلند اور اس کی رعائتیں	۵۱۹
بعض صحابہ کرامؓ کے ارادہ دنیا کا مطلب	۵۲۰
احد کے مصائب سزا نہیں بلکہ آزمائش تھے اور جو لغزش بعض صحابہ کرام سے ہوئی وہ معاف کر دی گئی	۵۲۳
واقعہ احد میں مسلمانوں پر مصائب کے اسباب کیا تھے	۵۲۳
ایک گناہ دوسرے گناہ کا بھی سبب ہو جاتا ہے	۵۲۴
اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحابہ کرام کا مقام بلند اور ان کی خطاؤں پر عفو و درگذر کا بے مثال معاملہ	۵۲۵

مف
وا
تہ
مز
از
اگ
تہ
د
خ
کا
خ
خ
اد
یا
خ
ا
ت
کی
بلکہ
بلجہ
کی
تفہ
تفہ
معجز
تخن
کیا
میں
تنجہ
مسا
شر
کر
حرم
فونو
شکر
حضر
حضر
اور
سور
محمد
دینی

تعارف وخصوصیات جلد ہذا

یہ خلاصہ تفسیر القرآن کی جلد تاسع (۹) ہے۔ اس میں صرف جہاد کے موضوع پر بحث کی گئی ہے اور حسب معمول طریقہ بھی وہی اپنایا ہے کہ پہلے ایک عنوان قائم کیا ہے اور پھر اس کے متعلق جو آیات قرآنیہ ہیں وہ نقل کی ہیں اور پھر ان کا ترجمہ نقل کیا ہے اور پھر اسی موضوع کے متعلق جو احادیث ہیں وہ اکثر مشکوۃ المصابیح سے نقل کی ہیں اور ساتھ ترجمہ بھی دے دیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں احادیث کی روشنی میں جو تفسیر بیان فرمائی ہے وہ بھی نقل کی ہے اور نیز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہ نے ترجمہ قرآن عزیز کے حاشیہ پر جو خلاصہ نقل کیے ہیں بعض مقامات پر ان سے بھی استفادہ کیا ہے۔ بہر حال خصوصیات کے لحاظ سے یہ ایک منفرد اور انیق تفسیر ہے علماء خطباء۔ طلباء اور پڑھے لکھے عوام کے لئے یکساں مفید ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے دربار عالیہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور لوگوں کے دلوں میں اس کی پذیرائی پیدا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی اجتبی المجاہدین لاعلاء کلماتہ و رفع درجاتھم بقولہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ط بل احیاء و لکن لا تشعرون o ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ط بل احیاء عند ربھم یرزقون o فضل اللہ المجاہدین باموالھم و انفسھم علی القاعدین درجۃً

وکلاً و عد اللہ الحسنٰی ط و فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیماO و بشرھم بالجنۃ بقولہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ط یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون قف وعدا علیہ حقاً فی التورات والانجیل والقرآن ط و من اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببعیکم الذی بایعتم بہ و ذالک ھوالفوز العظیم O

والصلوۃ والسلام علی سید الرسل والمجاھدین الذی قال اللہ تعالیٰ فی شانہ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ط وکفی باللہ شھیدا O وعلی آلہ و اصحابہ الذین جاھدوا باموالھم و انفسھم و قال اللہ فی شانھم محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ترھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطئہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفارط وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصالحات منھم مغفرۃ و اجرا عظیماO

امابعد اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق و مالک اور مربی ہے اور اس نے اپنے تعارف کے لئے انبیاء اور رسل علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان پر اپنی طرف سے کتابیں اتاری ہیں اور ان میں عقیدہ توحید پر عقلی اور نقلی دلائل بیان فرمائے ہیں اور بعض انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کو معجزات۔ جہاد (یعنی پریکٹیکل بھی بتائے ہیں) کیونکہ بعض انسان زبانی وعظ مان جائیں گے اور بعض نہیں مانیں گے ان کے سامنے ان معبودان باطلہ کو اور ان اسباب کو توڑنا ضروری ہے جنہیں وہ نفع و نقصان کا مالک اور خدا مانتے ہیں تب ان کا ان سے اعتماد اٹھے گا اور اللہ پر یقین آئے گا ورنہ نہیں آئے گا۔ طوفان نوحؑ اور حضرت

ابراہیمؑ کا آتش نمرود والا واقعہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یدبیضا اور عصا کا اژدھا بن جانا وغیرہ ذالک اور ان کے باطل معبود پتھروں کو توڑ پھوڑ کر اور جلا کر اور راکھ بنا کر دریا میں بہانے کا بھی یہی مقصد تھا اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت اسی لئے توڑے تھے اور اپنی انگشت مبارک سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے اسی لئے دکھائے تھے تاکہ لوگوں کا اللہ پر یقین آئے اور ان معبودوں کی پرستش چھوڑیں مگر پھر بھی بعض لوگوں کا ایمان نہیں بنا تھا اور وہ ہادی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے توحید پرست ساتھیوں کے جانی دشمن بن گئے تھے اور بزور طاقت آپ کو اور آپ کے رفقاء کو اور احباب کو اور اس دین برحق کو مٹانے کے لئے تل گئے تھے تب آپ نے ان کے مقابلے کے لئے تلوار اٹھائی اور آٹھ سال میں غلبہ اسلام کر کے دکھادیا اور توحید واضح کر دی اور آپ کے بعد آپ کے ان احباب ورفقاء نے بھی یہ مشن جہاد جاری رکھا تھا تو وہ عالم کفر پر چھا گئے تھے اور آج بھی اس مشن جہاد کی اشد ضرورت ہے کیونکہ مادہ پرستی کا دور دورہ ہے آج کل انسان خدا کا وجود ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہے اور اللہ تعالی اپنا وجود منوانے کے لئے ان اسباب کو ضرور تباہ کریں گے خواہ وہ تباہی قوائے غیبیہ سے ہو یا جہاد کے ذریعہ سے کیونکہ یہ تو سنت اللہ ہے کہ اللہ پاک اپنا وجود منواتے ہیں چنانچہ آج کل یہ خبریں عام آرہی ہیں کہ دنیا کی تمام بڑی بڑی ایٹمی طاقتیں متفق ہو چکی ہیں کہ جتنا بھی ایٹمی اسلحہ تیار ہو چکا ہے اسکو تباہ کر دینا چاہئے مگر ابھی تک تاریخ طے نہیں ہو سکی۔ بہر حال احساس پیدا ہو گیا ہے اور یہ بھی توحید ہی کی ایک جھلک ہے بقول حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ (عرفت ربی بفسخ العزائم) میں نے اپنے رب کو ارادے توڑنے سے پہچانا ہے یعنی ہم رات کو کام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو صبح وہ کام ہم سے نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ارادہ بھی کسی اور کے قبضہ قدرت میں ہے اور آج کل کی یہ طاغوتی طاقتیں

اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ آنے والی تباہی سے وہ بچ جائیں یہ ان کی خام خیالی ہے بلکہ اس آنے والی تباہی سے بچنے کا واحد حل یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کو قبول کرلیں کیونکہ اسلام دنیا اور آخرۃ کی سلامتی کا ضامن ہے ورنہ اس کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔

اسلام کو فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

اقبال

چند ہی دن ہوئے ہیں امریکہ کے سابق کمانڈر ان چیف نے ایک بیان میں کہا ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں ایک لاکھ سے زیادہ تربیت یافتہ جہاد پرست موجود ہیں اور اس وقت دنیا میں بڑے چھوٹے تقریباً چالیس ممالک ہیں۔ پس اس کا مقصد یہ ہوا کہ اس وقت دنیا میں مجاہدین کی تقریباً چالیس لاکھ فوج تیار ہو گئی ہے اور روسی صدر نے بھارت کے ساتھ جدید معاہدہ کرنے کے بعد کہا ہے کہ کشمیر سے لے کر چیچن تک پورا شرق اوسط مجاہدین کی زد میں ہے۔ یہ دراصل ان طاغوتی طاقتوں نے مسلمانوں کو جو طاقت کے بل بوتے پر دبانا شروع کیا ہے یہ اس کا نتیجہ ہے مسلمان دبانے سے دبتا نہیں بلکہ یہ ابھرتا ہے اور اب وقت آگیا ہے مسلمان مجاہدین تمام فرعونوں اور ابوجہلوں کو ختم کر کے ان کے بناوٹی اور جعلی خداؤں کو بھی پاش پاش کریں گے اور دنیا میں توحید کا ڈنکا بجائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جہاد فرض تھا۔ بنی اسرائیل نے اس سے روگردانی کی تو عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے

جہاد، جہد سے بنا ہے اس کے معنی محنت اور کوشش کرنا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دامے، جانے، سخنے جو بھی قدم اٹھایا جائے گا وہ جہاد ہے۔ اس کی خلاف ورزی سنگین جرم ہے اور اللہ تعالےٰ نے ایسے عناصر کے لئے دنیاوی اور اخروی سزائیں رکھی ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی شریعت میں حکم جہاد تھا اور جن لوگوں نے جہاد کیا تھا انہیں سرخ روئی نصیب ہوئی تھی اور جنہوں نے خلاف ورزی کی تھی انہیں کئی طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیا گیا تھا

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ٥ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ٥ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ٥ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ٥ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ

بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ o قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ o

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم میں نبی پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دیا جو جہاں میں کسی کو نہ دیا تھا۔ اے میری قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے مقرر کر دی اور پیچھے نہ ہٹو ورنہ نقصان میں جا پڑو گے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ بے شک وہاں ایک زبردست قوم ہے اور ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں پھر اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو مردوں نے کہا جن پر اللہ کا فضل تھا کہ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں گھس جاؤ پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم ایماندار ہو۔ کہا اے موسیٰ ہم کبھی بھی وہاں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب میرے اختیار میں تو سوائے میری جان اور میرے بھائی کے اور کوئی نہیں سو ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔ فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے۔ اس ملک میں سرگرداں پھریں گے سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر۔

معارف اور مسائل : آیات مذکورہ سے پہلی آیت میں اس میثاق کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کے بارے میں بنی اسرائیل سے لیا گیا

تھا۔ اور اس کے ساتھ ان کی عام عہد شکنی اور میثاق کی خلاف ورزی اور اس پر سزاؤں کا بیان تھا۔ ان آیات مذکورہ میں ان کی عہد شکنی کا ایک خاص واقعہ مذکور ہے۔

وہ یہ کہ جب فرعون اور اس کا لشکر غرق دریا ہو گئے اور موسیٰؑ اور انکی قوم بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے نجات پا کر حکومت مصر کے مالک بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا مزید انعام اور ان کے آبائی وطن ملک شام کو بھی ان کے قبضہ میں واپس دلانے کے لئے بذریعہ موسیٰ علیہ السلام ان کو یہ حکم دیا کہ وہ جہاد کی نیت سے ارض مقدسہ یعنی ملک شام میں داخل ہوں اور ساتھ ہی ان کو یہ خوش خبری بھی سنادی کہ اس جہاد میں فتح ان ہی کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس زمین کو ان کے حصے میں لکھ دیا ہے وہ ضرور ان کو مل کر رہے گی۔ مگر بنی اسرائیل نے اپنی طبعی خصوصیات کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کے انعامات۔ غرق فرعون اور فتح مصر وغیرہ کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے باوجود یہاں بھی عہد میثاق پر پورے نہ اترے اور جہاد شام کے اس حکم الٰہی کے خلاف ضد کر کے بیٹھ گئے جس کی سزا ان کو قدرت کی طرف سے اس طرح ملی کہ چالیس سال تک ایک محدود علاقہ میں محصور و مقید ہو کر رہ گئے کہ بظاہر نہ ان کے گرد کوئی حصار تھا نہ ان کے ہاتھ پاؤں کسی قید میں جکڑے ہوئے تھے بلکہ کھلے میدان میں تھے اور اپنے وطن مصر کی طرف چلے جانے کے لئے ہر روز صبح سے شام تک سفر کرتے تھے مگر شام کو پھر وہیں نظر آتے تھے جہاں سے صبح چلے تھے۔ اسی دوران حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہم السلام کی وفات ہو گئی اور یہ لوگ اسی طرح وادی تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔ ان کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے پیغمبر ان کی ہدایت کے لئے بھیجے۔

چالیس برس اسی طرح پورے ہونے کے بعد پھر ان کی باقی ماندہ نسل نے

اس وقت کے پیغمبر کی قیادت میں جہاد شام وبیت المقدس کا عزم کیا اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ یہ ارض مقدس تمہارے حصہ میں لکھ دی گئی ہے۔ اور یہ اجمالی ہے۔ اس واقعہ کا جو آیات متذکرہ میں بیان ہوا ہے اب اس کی تفصیل قرآنی الفاظ میں دیکھئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ ہدایت ملی کہ اپنی قوم کو بیت المقدس اور ملک شام فتح کرنے کے لئے جہاد کا حکم دیں تو انہوں نے پیغمبرانہ حکمت و موعظت کے پیش نظر یہ حکم سنانے سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات یاد دلائے جو بنی اسرائیل پر اب تک ہو چکے تھے۔ ارشاد فرمایا:

اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ فضل وہ انعام یاد کرو جو تم پر ہوا ہے کہ تمہاری قوم میں بہت سے انبیاء بھیجے اور تم کو صاحب ملک بنا دیا اور تمہیں وہ نعمتیں بخشیں جو دنیا جہان میں کسی کو نہیں ملیں۔

اس میں تین نعمتوں کا بیان ہے جن میں سے پہلی نعمت ایک روحانی اور معنوی نعمت ہے کہ ان کی قوم میں مسلسل انبیاء بکثرت بھیجے گئے۔ جس سے بڑھ کر اخروی اور معنوی اعزاز کوئی نہیں ہو سکتا۔ تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے کہ کسی قوم اور کسی امت میں انبیاء کی کثرت اتنی نہیں ہوئی کہ جتنی بنی اسرائیل میں ہوئی ہے۔

امام حدیث ابن ابی حاتم نے بروایت اعمش نقل کیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کے آخری دور میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہے صرف اس دور میں ایک ہزار انبیاء بنی اسرائیل میں بھیجے گئے۔ دوسری نعمت جس کا ذکر اس آیت میں ہے، جو دنیوی اور ظاہری نعمت ہے کہ اس کو ملوک یعنی صاحب ملک و سلطنت بنا دیا گیا۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل جو مدت سے فرعون

اور قوم فرعون کے غلام بنے ہوئے دن رات ان کے مظالم کا شکار رہتے تھے، آج اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو نیست و نابود کر کے ان کو ان کی حکومت و سلطنت کا مالک بنا دیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ انبیاء کے معاملے میں تو ارشاد ہوا کہ جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَآءَ یعنی تمہاری قوم میں سے بہت سے لوگوں کو انبیاء بنادیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ پوری قوم انبیاء نہیں تھی اور یہی حقیقت بھی ہے کہ انبیاء معدودے چند ہوتے ہیں اور پوری قوم ان کی امت اور متبع ہوتی ہے اور جہاں دنیا کے ملک و سلطنت کا ذکر آیا تو وہاں فرمایا وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا یعنی بنادیا تم کو ملوک جس کا ظاہری مفہوم یہی کہ تم سب کو ملوک بنادیا۔ لفظ ملوک ملک کی جمع ہے جس کے معنی عرف عام میں بادشاہ کے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس طرح پوری قوم نبی اور پیغمبر نہیں ہوتی، اسی طرح کسی ملک میں پوری قوم بادشاہ بھی نہیں ہوتی بلکہ قوم کا ایک فرد یا چند افراد بادشاہ ہوتے ہیں۔ باقی قوم ان کے تابع ہوتی ہے۔ یعنی قرآنی الفاظ میں ان سب کو ملوک قرار دیا۔

اس کی ایک وجہ تو وہ ہے جو بیان القرآن میں بعض اکابر کے حوالے سے بیان کی گئی ہے کہ عرف عام میں جس قوم کا بادشاہ ہوتا ہے اس کی سلطنت حکومت کو اسی پوری قوم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے اسلام کے قرونِ وسطیٰ میں بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت کہلاتی تھی اسی طرح ہندوستان میں غزنوی اور غوریوں کی حکومت پھر مغلوں کی حکومت پھر انگریزوں کی حکومت پوری قوم کے افراد کی طرف منسوب کی جاتی تھی اس لئے جس قوم کا ایک حکمران ہو وہ پوری قوم حکمران اور بادشاہ کہلاتی ہے۔

اس محاورہ کے مطابق پوری قوم بنی اسرائیل کو قرآن کریم نے ملوک قرار دیا۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت در حقیقت عوامی

حکومت ہوتی ہے۔ عوام ہی کو اپنا امیر وامام منتخب کرنے کا حق ہوتا ہے اور عوام ہی اپنی اجتماعی رائے سے اس کو معزول بھی کر سکتے ہیں۔ اس لئے صورتاً اگرچہ فرد واحد حکمران ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ حکومت عوام ہی کی ہوتی ہے۔

دوسری وجہ وہ ہے جو ابن کثیر اور تفسیر مظہری وغیرہ میں بعض سلف سے نقل کی ہیں کہ لفظ ملک بادشاہ کے مفہوم سے زیادہ عام ہے۔ ایسے شخص کو ملک کہہ دیا جاتا ہے جو آسودہ حال ہو، مکان، جائداد، نوکر چاکر رکھتا ہو۔ اس مفہوم کے اعتبار سے اس وقت بنی اسرائیل سے ہر فرد ملک کا مصداق تھا۔ اس لئے ان سب کو ملوک فرمایا گیا۔

تیسری نعمت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ وہ معنوی اور ظاہری دونوں قسم کی نعمتوں کا مجموعہ ہے کہ فرمایا وَ اٰتٰکُمْ مَّالَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تم کو وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو دنیا جہاں میں کسی کو نہیں دی گئیں۔ ان نعمتوں میں معنوی و شرف اور نبوت و رسالت بھی داخل ہے اور ظاہری حکومت و سلطنت اور مال و دولت البتہ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ بنص قرآن امت محمدیہ ساری امتوں سے افضل ہے۔

ارشاد قرآنی کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور کَذٰلِكَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اس پر شاہد ہے اور حدیث نبوی کی بے شمار روایات اس کی تائیدیں ہیں۔ جواب یہ کہ اس آیات میں دنیا کے ان لوگوں کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کے موسوی عہد میں موجود تھے کہ اس وقت پورے عالم میں کسی کو وہ نعمتیں نہیں دی گئی تھیں جو بنی اسرائیل کو ملی تھیں آئندہ زمانہ میں کسی امت کو ان سے بھی زیادہ نعمتیں مل جائیں یہ اس کے منافی نہیں۔

اس پہلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو قول نقل فرمایا گیا ہے یہ تمہید تھی اس حکم کے بیان کرنے کی جو اگلی آیت میں اس طرح ارشاد ہوا ہے۔ یَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ یعنی اے میری قوم تم اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے حصہ میں لکھ رکھی ہے۔

ارض مقدسہ سے کون سی زمین مراد ہے :

ارض مقدسہ سے کون سی زمین مراد ہے۔ اس میں مفسرین کے اقوال بظاہر متعارض ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ بیت المقدس مراد ہے۔ بعض نے شہر القدس اور ایلیا کو ارض مقدسہ کا مصداق بتلایا ہے۔ بعض نے شہر اریحا کو جو نہر اردن اور بیت المقدس کے درمیان دنیا کا قدیم ترین شہر تھا اور آج تک موجود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس کی عظمت و وسعت کے عجیب و غریب حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ اس شہر کے ایک ہزار حصے (وارڈ) تھے۔ ہر حصے میں ایک ایک ہزار باغ تھے اور بعض روایات میں ہے کہ ارض مقدسہ سے مراد دمشق، فلسطین اور بعض کے نزدیک اردن ہے۔ اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ ملک شام پورا ارض مقدس ہے۔ کعب احبارؓ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی کتاب (غالباً توراۃ) میں دیکھا ہے کہ ملک شام پوری زمین میں اللہ کا خاص خزانہ ہے۔ اور اس میں اللہ کے مخصوص مقبول بندے ہیں۔ اس زمین کو مقدس اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ انبیاء علیہ السلام کا وطن اور مستقر رہا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام لبنان کے پہاڑ پر چڑھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم یہاں سے آپ نظر ڈالو، جہاں [illegible]

آپ کی نظر پہنچے گی ہم نے اس کو ارض مقدس بنادیا۔یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری سے نقل کی گئی ہیں۔اور صاف بات یہ ہے کہ ان اقوال میں تعارض کچھ نہیں۔ پورا ملک شام آخری روایات کے مطابق ارض مقدس ہے۔بیان کرنے میں بعض حضرات نے ملک شام کے کسی حصے کو بیان کردیا کسی نے پورے کو۔

قالوا یا موسیٰ اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو بذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم عمالقہ سے جہاد کر کے ملک شام فتح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور ساتھ یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ ملک شام کی زمین اللہ تعالی نے ان کے لئے لکھ دی ہے۔اس لئے ان کی فتح یقینی ہے۔

اس آیت متذکرہ میں اس کا بیان ہے کہ اس کے باوجود بنی اسرائیل نے اپنی معروف سرکشی اور کج طبعی کی وجہ سے اس حکم کو بھی تسلیم نہ کیا۔بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ اس ملک پر تو بڑے زبردست قوی لوگوں کا قبضہ ہے۔ہم تو اس زمین میں اس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں قابض ہیں ہاں وہ کہیں اور چلے جاویں تو بے شک ہم وہاں جاسکتے ہیں۔

واقعہ اس کا جو ائمہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس اور عکرمہ اور علی بن ابی طلحہ وغیرہ سے منقول ہے یہ ہے کہ اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا۔جو قوم عماد کی کوئی شاخ اور بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک قدو قامت کے لوگ تھے، جن سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ملا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے جہاں بیت المقدس تھا۔جب

نہر اردن سے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر اریحا پر پہنچے، تو یہاں قیام فرمایا اور بنی اسرائیل کے انتظام کے لئے انتخاب کرنا قرآن کریم کی پچھلی آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ ان سرداروں کو آگے بھیجا تاکہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں جو بیت المقدس پر قابض ہیں اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔

یہ حضرات بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا۔ اور اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے قصد سے آئے ہیں۔ شاہی دربار میں مشورہ ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسری سزا دی جائے۔ بلآخر رائے اس پر ٹھہری کہ ان کو آزاد کر دیں تاکہ یہ اپنی قوم میں جاکر عمالقہ کی قوت و شوکت کے ایسے عینی گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اس موقع پر اکثر کتب کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کی لمبی چوڑی کہانیاں درج ہیں جن میں ان ملنے والے شخص کا نام عوج بن عنق بتلایا ہے اور اس کی بے پناہ قد و قامت اور قوت و طاقت کو ایسی مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کسی سمجھ دار آدمی کو اس کا نقل کرنا بھی بھاری ہے۔

امام تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ عوج بن عنق کے جو قصے ان اسرائیلی روایات میں مذکور ہیں نہ عقل ان کو قبول کر سکتی ہے اور نہ شرع میں ان کا کوئی جواز ہے۔ بلکہ یہ سب کذب وافترا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ قوم عمالقہ کے لوگ چونکہ قوم عاد کے بقایا ہیں جن کے ہیبت ناک قد و قامت کا خود قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے۔ اس قوم کا ڈیل وڈول اور قوت و طاقت ضرب المثل تھی۔ ان میں کا ایک آدمی قوم بنی اسرائیل کے بارہ آدمیوں کے گرفتار کر کے لے جانے پر قادر ہو گیا۔

بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے

پاس مقام اریحا پر پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب وغریب قوم اور اس کی ناقابل قیاس قوت وشوکت کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر تو ان سب باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح وکامیابی کی بشارت سنادی تھی بقول اکبرؒ

مجھ کو بے دل کردے ایسا کون ہے
یاد مجھ کو اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان کی قوت وشوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے مگر خطرہ یہ ہوگیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریف مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہوگیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے اس لئے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قوم عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں بلکہ راز رکھیں مگر ہوا یہ کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دوستوں سے خفیہ طور پر اس کا تذکرہ کردیا صرف دو آدمی جن میں سے ایک کا نام یوشع بن نون اور دوسرے کا کالب بن یوقنا تھا انہوں نے موسوی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس راز کو کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

اور (ظاہر ہے کہ بارہ میں سے جب دس نے راز فاش کردیا) تو اس کا پھیل جانا قدرتی امر تھا۔ بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو لگے رونے، پیٹنے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا یہی تھا کہ قوم فرعون کی طرح ہم بھی غرق دریا ہوجاتے وہاں سے چلا لاکر ہمیں یہاں مروایا جارہا ہے انہیں حالات میں بنی اسرائیل نے یہ الفاظ کہے:

یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ فِیۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ وَ اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰی یَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا۔ یعنی

اے موسیٰ اس شہر میں تو بڑی زبردست قوم آباد ہے جن کا مقابلہ ہم سے نہیں ہو سکتا اس لئے جب تک وہ لوگ آباد ہیں موجود ہیں ہم وہاں جانے کا نام نہ لیں گے۔ اگلی آیت میں ہے کہ دو شخص جو ڈرنے والے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا انہوں نے بنی اسرائیل کی یہ گفتگو سن کر بطور نصیحت ان کو کہا کہ تم پہلے ہی کیوں ڈرتے مرتے ہو ذرا قدم اٹھا کر شہر بیت المقدس کے دروازہ تک تو چلو ہمیں یقین ہے کہ تمہارا اتنا ہی عمل تمہاری فتح کا سبب بن جائے گا اور دروازہ بیت المقدس میں داخل ہوتے ہی تم غالب ہو جاؤ گے اور دشمن شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ یہ دو شخص جن کا اس آیت میں ذکر ہے اکثر مفسرین کے نزدیک وہ ہی بارہ میں سے دو سردار ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر عمالقہ کا پورا حال بنی اسرائیل کو نہ بتایا تھا یعنی یوشع بن نون، اور کالب بن یوقنا۔

قرآن کریم نے اس جگہ ان دونوں بزرگوں کی دو صفتیں خاص طور پر ذکر فرمائی ہیں ایک اِنَّ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ جو ڈرتے ہیں۔ اس میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس سے ڈرتے ہیں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ڈرنے کے لائق سارے عالم میں صرف ایک ہی ذات ہے یعنی اللہ جل شانہ کیونکہ ساری کائنات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس کی مشیت واذن کے بغیر کوئی نہ کسی کو ادنیٰ نفع پہنچا سکتا ہے نہ ادنی نقصان اور جب ڈرنے کے لائق ایک ہی ذات ہے اور وہ متعین ہے تو پھر اس کے تعین کی ضرورت نہ رہی۔

دوسری صفت ان بزرگوں کی قرآن کریم نے یہ بتلائی کہ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس شخص میں جہاں کوئی خوبی اور بھلائی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا انعام و عطا ہے ورنہ ان بارہ

سرداروں میں قوائی ظاہر ہاتھ، پاؤں آنکھ، کان اور قوی ظاہرہ وباطنہ، عقل و ہوش اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت و معیت یہ ساری ہی چیزیں سبھی کو حاصل تھیں اس کے باوجود اور سب پھسل گئے اور یہی دو اپنی جگہ جمے رہے تو معلوم ہوا کہ اصل ہدایت انسان کے قوائی ظاہرہ وباطنہ اس کی سعی و عمل کے تابع نہیں بلکہ اللہ تعالی کا انعام ہے البتہ اس انعام کے لئے سعی و عمل شرط ضرور ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ تعالی نے عقل و ہوش اور دانائی و ہوشیاری عطا فرمائی ہو وہ اپنی ان طاقتوں پر ناز نہ کرے بلکہ اللہ تعالی ہی سے رشد و ہدایت طلب کرے عارف رومی نے خوب فرمایا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردون نیست راہ
جز شکستہ می نگیرذ فضل شاہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی برادری کو یہ نصیحت فرمائی کہ عمالقہ کی ظاہری قوت و شوکت سے نہ گھبرائیں۔ اللہ پر توکل کر کے بیت المقدس کے دروازہ تک چلے چلیں تو فتح اور غلبہ ان کا ہے ان بزرگوں کا یہ فیصلہ کہ دروازہ تک پہنچنے کے بعد ان کو غلبہ ضرور ہو جائے گا اور دشمن شکست کھا کر بھاگ جائے گا ہو سکتا ہے کہ قوم عمالقہ کے جائزہ لینے کی بنا پر ہو کہ وہ لوگ بڑے ڈیل ڈول اور طاقت و قوت کے باوجود دل کے کچے ہیں جب حملہ کی خبر پائیں گے تو ٹھہر نہ سکیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرمان الہی جو بطور بشارت فتح موسیٰ علیہ السلام سے سن چکے تھے اس پر یقین کامل ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا ہو۔

مگر بنی اسرائیل نے جب اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ سنی تو دونوں بزرگوں کی کیا سنتے پھر وہی جواب اور زیادہ بھونڈے انداز سے دیا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ

رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ یعنی آپ اور آپ کے اللہ میاں ہی جا کر ان سے مقابلہ کر لیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بنی اسرائیل کا یہ کلمہ اگر استہزاء کے طور پر ہوتا تو صریح کفر تھا اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے ساتھ رہنا ان کے لئے میدان تیہ میں دعائیں کرنا جس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے اس کا امکان نہ تھا۔

اس لئے ائمہ مفسرین نے اس کلمہ کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ آپ جایئے اور ان سے مقاتلہ کیجئے آپ کا رب آپ کی مدد کرے گا ہم تو مدد کرنے سے قاصر ہیں اس معنے کے اعتبار سے یہ کلمہ کفر کی حد سے نکل گیا اگرچہ یہ جواب نہایت بھونڈا اور دل آزار ہے یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ کلمہ ضرب المثل بن گیا۔

غزوہ بدر میں نہتے اور بھوکے مسلمانوں کے مقابلہ پر ایک ہزار مسلح نوجوانوں کا لشکر کھڑا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر اپنے رب سے دعائیں فرمانے لگے تو حضرت مقداد بن اسود صحابی آگے بڑھے اور عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم ہے ہم ہرگز وہ بات نہ کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی۔ کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں سے اور سامنے سے اور پیچھے سے مدافعت کریں گے آپ بے فکر ہو کر مقابلہ کی تیاری فرمائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بے حد مسرور ہوئے اور صحابہ کرامؓ میں بھی جوش جہاد کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مقداد بن اسود کے اس کارنامہ پر مجھے بڑا رشک ہے کاش یہ سعادت مجھے بھی حاصل ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ایسے نازک

موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کورا جواب دے کر اپنے سب عہد و میثاق توڑ ڈالے۔

قوم کی انتہائی بے وفائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتہائی عزم استقلال

قال رب انی لا املك الا نفسی

قوم بنی اسرائیل کے سابقہ حالات و واقعات اور ان کے ساتھ اللہ تعالی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملات کا جائزہ لینے والا اگر سرسری طور پر بھی اس کو سامنے رکھے کہ جو قوم بنی اسرائیل صدیوں سے فرعون کی غلامی میں طرح طرح کی ذلتیں اور عذاب برداشت کر رہی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور ان کی برکت سے انکو خدائے عزوجل نے کہاں سے کہاں پہونچایا ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ کے کیسے کیسے مظاہر آئے فرعون اور قوم فرعون کو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے ہاتھوں اپنے قائم کئے ہوئے دربار میں شکست فاش ہوئی، جن ساحروں پر ان کا بھروسہ تھا وہی اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور موسیٰ علیہ السلام کا دم بھرنے لگے پھر اس خدائی کا دعوی کرنے والا فرعون اور شاہی محلات میں بسنے والے آل فرعون کے ساز و سامان کو بیک وقت خالی کرالیا اور کس طرح بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے اسے غرق دریا کر دیا اور جس طرح معجزانہ طور پر بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا اور کس طرح وہ دولت جس پر فرعون یہ کہہ کر فخر کیا کرتا تھا الیس لی ملك مصر و هذه الانهر تجری من تحتی۔ اللہ تعالیٰ نے پورا ملک اور اس کی پوری ملک بغیر کسی قتل و قتال کے بنی اسرائیل کو عطا فرمادی۔

ان تمام واقعات میں اللہ جل شانہ کی قدرت قاہرہ کے مظاہر اس قوم کے سامنے آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کو اول غفلت و جہالت سے پھر فرعون کی غلامی سے نجات دلانے میں کیا کیا روح فرسا مصائب برداشت کی ان سب چیزوں کے بعد جب اسی قوم کو خدائی امداد و انعامات کے وعدوں کے ساتھ ملک شام پر جہاد کرنے کا حکم ملا تو ان لوگوں نے اپنی اس دنائت کا اظہار کیا اور کہنے لگے۔ اَذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مصلح دل میں ہاتھ رکھ کر دیکھے کہ ان حالات اور اس کے بعد قوم کی اس حرکات کا اس پر کیا اثر ہوگا مگر یہاں تو اللہ تعالی کے اولوالعزم رسول ہیں کہ کوہ استقامت بنے ہوئے اپنی دھن میں لگے ہیں۔

قوم کی مسلسل عہد شکنی اور وعدہ فراموشی سے عاجز آکر اپنے رب کے سامنے صرف اتنا عرض کرتے ہیں اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ۔ یعنی مجھے تو اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں قوم عمالقہ پر جہاد کی مہم کو کس طرح سر کیا جائے یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے قوم بنی اسرائیل میں سے کم از کم دو سردار یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا جنہوں نے پوری طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کا ثبوت دیا تھا اور قوم کو سمجھانے اور صحیح راستہ پر لانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مسلسل کوشش کی تھی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا بھی ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اپنا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا اس کا سبب وہی قوم بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور نافرمانی تھی کہ صرف حضرت ہارون علیہ السلام بوجہ نبی و پیغمبر ہونے کے معصوم تھے اور ان کا فریق حق پر قائم رہنا یقینی تھا باقی یہ دونوں سردار معصوم بھی نہ تھے اس انتہائی غم و غصہ کے عالم میں صرف اس کا ذکر کیا جس کا حق پر قائم رہنا یقینی تھا اس اظہار کے ساتھ کہ مجھے تو اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا

کسی پر اختیار نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی فافرق بیننا و بین القوم الفسقین یعنی ہم دونوں اور ہماری قوم کے درمیان آپ ہی فیصلہ فرما دیجئے اس دعا کا حاصل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق یہ تھا کہ یہ لوگ جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دی جائے اور ہم دونوں جس صورت حال کے مستحق ہیں ہم کو وہ عطا فرمایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ ارشاد ہوا کہ فانھا محرمۃ علیھم اربعین سنۃ یتیھون فی الارض۔ یعنی ملک شام کی زمین ان پر چالیس سال کے لئے حرام قرار دے دی گئی اب اگر وہ وہاں جانا بھی چاہیں تو نہ جاسکیں گے اور پھر یہ نہیں کہ ملک شام نہ جاسکیں گے بلکہ وہ اگر اپنے وطن مصر کی طرف لوٹنا چاہیں گے تو وہاں بھی نہ جاسکیں گے بلکہ اس میدان میں ان کو نظر بند دیا جائے گا۔

خدائے عزوجل کی سزاؤں کے لئے نہ پولیس اور نہ ان کی ہتھکڑیاں شرط ہیں اور نہ جیل خانے کی مضبوط دیواریں اور آہنی دروازے۔ بلکہ جب وہ کسی کو محصور و نظر بند کرنا چاہیں تو کھلے میدان میں بھی قید کرسکتے ہیں سبب ظاہر ہے کہ ساری کائنات اسی کی مخلوق اور محکوم ہے جب کائنات کو کسی کی قید کا حکم ہو جاتا ہے تو ساری ہوا اور فضا اور زمین و مکان اس کے لئے جیلر بن جاتے ہیں۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند　با من و تو مردہ با حق زندہ اند

چنانچہ یہ مختصر سا میدان جو مصر اور بیت المقدس کے درمیان ہے جس کی پیمائش حضرت مقاتل کی تفسیر کے مطابق تیس فرسخ لمبائی اور نو فرسخ چوڑائی ہے۔ ایک فرسخ اگر تین میل کا قرار دیا جائے تو نوے میل کے طول اور ستائیس میل کے

عرض کا کل رقبہ ہو جاتا ہے اور بعض روایات کے مطابق صرف تیس میل ضرب اٹھارہ میل کا رقبہ ہے۔ اللہ تعالی نے اس پوری قوم کو جس کی تعداد حضرت مقاتل کے بیان کے موافق چھ لاکھ نفوس تھی اس، مختصر سے کھلے میدانی رقبہ کے اندر اس طرح قید کردیا کہ چالیس سال مسلسل اس تگ ودو میں رہے کہ کسی طرح اس میدان سے نکل کر مصر واپس چلے جائیں یا آگے بڑھ کر بیت المقدس پر پہونچ جائیں مگر ہوتا یہ تھا کہ سارے دن کے سفر کے بعد جب شام ہوتی تو یہ معلوم ہوتا کہ پھر پھرا کر وہ اسی مقام پر پہونچ گئے ہیں جہاں سے صبح چلے تھے۔

علماء تفسیر نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کسی قوم کو جو سزا دیتے ہیں وہ ان کے اعمال بد کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ اس نافرمان قوم نے چونکہ یہ کلمہ بولا تھا کہ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ یعنی ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اللہ تعالی نے انکو اس سزا میں چالیس سال تک کے لئے وہیں قید کردیا۔ تاریخی روایات اس میں مختلف ہیں کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں بنی اسرائیل کی موجودہ نسل جس نے نافرمانی کی تھی سبھی فنا ہو گئے تھے اور ان کی اگلی نسل باقی رہ گئی تھی جو اس چالیس سالہ قید سے نجات پانے کے بعد بیت المقدس میں داخل ہوئی یا ان میں سے بھی کچھ لوگ باقی تھے بہر حال قرآن کریم نے ایک تو یہ وعدہ کیا تھا کہ کَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی ملک شام بنی اسرائیل کے حصہ میں لکھ دیا ہے، وہ وعدہ پورا ہونا ضرور تھا کہ قوم بنی اسرائیل اس ملک پر قابض و مسلط ہو، مگر بنی اسرائیل کے موجودہ افراد نے نافرمانی کر کے اس انعام خداوندی سے اعراض کیا تو انکو یہ سزا مل گئی کہ مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ۔ یعنی چالیس سال تک وہ ارض مقدسہ فتح کرنے سے محروم کردیئے گئے پھر ان کی نسل میں جو لوگ پیدا ہوئے ان کے ہاتھوں یہ ملک فتح ہوا اور اللہ تعالی کا وعدہ پورا ہوا۔

اس وادی تیہ میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام بھی اپنی قوم کے ساتھ تھے مگر یہ وادی ان کے لئے قید اور سزا تھی اور ان دونوں حضرات کے لئے نعمائے آلہیہ کا مظہر۔

یہی وجہ ہے کہ چالیس سالہ دور جو بنی اسرائیل پر معتوب ہوئے گزرا اس میں بھی اللہ تعالی نے انکو حضرت حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی برکت سے طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، کھلے میدان کی دھوپ سے عاجز آئے تو موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالی نے ان پر بادلوں کی چھتری لگادی جس طرف یہ لوگ چلتے تھے بادل ان کے ساتھ ساتھ سایہ فگن ہو کر چلتے تھے پیاس اور پانی کی قلت کی شکایت پیش آئی تو اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسا پتھر عطا فرمادیا کہ وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور جب پانی کی ضرورت ہوتی تھی تو موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا اس پر مارتے تھے تو بارہ چشمے اس میں سے جاری ہو جاتے تھے بھوک کی تکلیف پیش آئی تو آسمانی غذا من وسلوی ان پر نازل کردی گئی۔ رات کو اندھیری کی شکایت ہوتی تو اللہ تعالی نے روشنی کا ایک مینار ان کے لئے کھڑا کردیا جس کی روشنی میں یہ سب کام کاج کرتے تھے۔

غرض اس میدان تیہ میں صرف معتوب لوگ ہی نہ تھے بلکہ اللہ تعالی کے دو محبوب پیغمبر اور ان کے ساتھ دو مقبول بزرگ یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا بھی تھے ان کے طفیل میں اس قید وسزا کے زمانہ میں بھی یہ انعامات ان پر ہوتے رہے اور اللہ تعالی رحیم الرحماء ہیں ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے ان افراد نے بھی ان حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے جرم سے توبہ کرلی ہو اس کے بدلہ میں یہ انعامات ان کو مل رہے ہوں۔

صحیح روایات کے مطابق اسی چالیس سالہ دور میں اول حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور اس کے ایک سال یا چھ مہینے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی ان کے بعد حضرت یوشع بن نون کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مامور فرمایا اور چالیس سالہ قید ختم ہونے کے بعد بنی اسرائیل کی باقی ماندہ قوم حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں جہاد بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئی اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ملک شام ان کے ہاتھوں فتح ہوا اور اس ملک کی ناقابل قیاس دولت ان کے ہاتھ آئی۔

آخر آیت میں جو ارشاد فرمایا کہ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ یعنی اس نافرمان قوم پر آپ ترس نہ کھائیں یہ اس بنا پر کہ انبیاء علیہم السلام اپنی طبیعت اور فطرت سے ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی امت کی تکلیف و پریشانی کو برداشت نہیں کر سکتے اگر انکو سزا ملے تو یہ بھی اس سے مغموم و متاثر ہوا کرتے ہیں اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تسلی دی گئی کہ آپ ان کی سزا سے دل گیر نہ ہوں۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاد کی ضرورت اس لئے در پیش آئی تھی کہ بنی اسرائیل قوم میں سے اکثریت کا عقیدہ توحید و رسالت اور قیامت پر ایمان نہیں بنا تھا اور حضرت موسی علیہ السلام کی مصر میں چالیس سالہ محنت کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ اور وہ آزادی کے نعرہ سے اور قومیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ لگ گئے تھے چنانچہ انہوں نے دریا عبور کرنے کے بعد فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لئے کوئی خدا بناؤ۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سختی سے ڈانٹ دیا تھا اور جب ان کا یہ مطالبہ منظور نہ ہوا تو خود ہی بچھڑا بنا کر اس کی عبادت شروع

کردی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو توڑ ڈالا اور اس کے پرستاروں کو قتل کرادیا تھا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ جب اتنے معجزات و کرامات اور انعامات خدائی دیکھ کر بھی ان کا ایمان نہیں بنا تو جہاد سے انہیں آزمالیتے ہیں شاید کہ اس طرح ان کا ایمان بن جائے مگر مندرجہ بالا واقعات بتا رہے ہیں کہ وہ لوگ میدان جہاد میں گئے بھی نہیں تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشرک ہمیشہ بزدل ہوتا ہے اور جن کا ایمان بن گیا تھا انہوں نے کافروں کو شکست دے کر پورے فلسطین و شام پر قبضہ کر کے بیت المقدس کو ان سے آزاد کرالیا تھا اور آگے چل کر پوری دنیا میں ان کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔

حضرت موسیٰ کے جہادی مشن کو ناکام بنانے والے ولی اللہ کی سزا کا بیان

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ o وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ o سَآءَ مَثَلًا نِالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ o مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.

اور انہیں اس شخص کا حال سنادے جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان سے نکل گیا پھر اس کے پیچھے شیطان لگا تو وہ گمراہوں میں سے

ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی برکت سے اس کا رتبہ بلند کرتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے تابع ہو گیا اس کا تو ایسا حال ہے جیسا کتا اس پر تو سختی کرے تو بھی ہانپے اور اگر اسے چھوڑ دے تو بھی ہانپے یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو یہ حالات بیان کر دے شاید کہ وہ فکر کریں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کی بری مثال ہے اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے جسے اللہ تعالی ہدایت دے وہی راہ پاتا ہے اور جسے گمراہ کر دے پس وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

معارف و مسائل :

مذکورہ آیات میں بنی اسرائیل کا ایک عبرت ناک قصہ مذکور ہے جس میں بنی اسرائیل کے ایک بڑے عالم اور مشہور مقتدا کا علم و معرفت کے اعلی معیار پر ہونے کے بعد دفعۃً گمراہ و مردود ہو جانے کا واقعہ مع اس کے اسباب کے بیان کیا گیا ہے اس میں بہت سی عبرتیں ہیں۔

اور مناسبت اس واقعہ کی پچھلی آیتوں سے یہ ہے کہ ان میں عہد و میثاق کا ذکر تھا جو ازل میں حق تعالی نے تمام بنی آدم سے اور پھر خاص خاص حالات میں خاص خاص اقوام یہود و نصاری وغیرہ سے لئے تھے اور مذکورہ آیات میں اس کا بھی ذکر آیا تھا کہ عہد کرنے والوں میں بہت سے لوگ اس عہد پر قائم نہیں رہے جیسے یہود کہ حضرت خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ کے آنے کا انتظار کرتے اور آپ کی صفات و شمائل لوگوں سے بیان کیا کرتے اور ان کی تصدیق یا کرتے تھے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دنیا کی ذلیل

اغراض کی خاطر آپ پر ایمان لانے اور آپ کا اتباع کرنے سے باز رہے۔

عالم مقتدا کی گمراہی کا عبرتناک واقعہ :

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنی قوم کے سامنے یہ واقعہ پڑھ کر سنایئے جس میں بنی اسرائیل کے ایک بڑے عالم وعارف اور مشہور پیشوا کا ایسا ہی حال عروج کے بعد تنزل اور ہدایت کے بعد گمراہی کا مذکور ہے کہ وسیع علم اور پوری معرفت حاصل ہونے کے باوجود جب نفسانی اغراض اس پر غالب آئیں تو یہ سب علم ومعرفت اور مقبولیت ختم ہو کر گمراہ اور ذلیل وخوار ہو گیا۔

قرآن کریم میں اس شخص کا نام اور کوئی تشخص مذکور نہیں۔ ائمہ تفسیر صحابہؓ وتابعین سے اس کے بارے میں مختلف روایتیں مذکور ہیں جن میں زیادہ مشہور اور جمہور کے نزدیک قابل اعتماد روایت ہے وہ ہے جو حضرت ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ اس شخص کا نام بلعم باعوراء ہے۔ یہ ملک شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بعض کتابوں کا علم اس کو حاصل تھا قرآن کریم میں جو اس کی صفت میں اَلَّذِیٓ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا فرمایا ہے اس سے علم کی طرف اشارہ ہے۔

جب غرق فرعون اور فتح مصر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قوم جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر پہنچے گئے اور ان کے مقابل قوم فرعون کا غرق و غارت ہونا ان کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا تو ان کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر بلعم بن باعوراء کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں اور وہ اس لئے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دیں آپ اللہ تعالیٰ سے

یہ دعا کریں کہ ان کو ہمارے مقابلہ سے واپس کردیں۔ وجہ یہ تھی کہ بلعم بن باعوراء کو اسم اعظم معلوم تھا۔ وہ اس کے ذریعے جو دعا کرتا تھا قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے کہا افسوس ہے تم کیسی بات کہتے ہو وہ اللہ کے نبی ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہیں میں ان کے خلاف بددعا کیسے کرسکتا ہوں حالانکہ ان کا مقام جو اللہ کے نزدیک ہے وہ بھی میں جانتا ہوں اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین دنیا دونوں تباہ ہوجائیں گے۔

ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو اس پر بلعم نے کہا کہ اچھا میں اپنے رب سے اس معاملہ میں معلوم کرلوں کہ ایسی دعا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں اس نے اپنے معمول کے مطابق معلوم کرنے کے لئے استخارہ یا کوئی عمل کیا خواب میں اس کو بتلایا گیا ہے کہ ہرگز ایسا نہ کرے۔ اس نے قوم کو بتلادیا کہ مجھے بددعا کرنے سے منع کردیا گیا ہے۔ اس وقت قوم جبارین نے بلعم کو کوئی بڑا ہدیہ پیش کیا جو در حقیقت رشوت تھی اس نے ہدیہ قبول کرلیا تو پھر اس قوم کے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ ضرور یہ کام کردو اور الحاح و اصرار کی حد نہ رہی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ رشوت قبول کرلیں اور ان کا کام کردیں۔ اس وقت بیوی کی رضاجوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کردیا تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددعا کرنا شروع کی۔

اس وقت قدرت الہیہ کا عجیب کرشمہ ظاہر ہوا کہ وہ جو کلمات بددعا کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظ بددعا خود اپنی قوم جبارین کے لئے نکلے، وہ چلا اٹھے کہ تم تو ہمارے لیے بددعا کررہے ہو، بلعم نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ میری زبان اس کے خلاف پر

قادر نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر بھی تباہی نازل ہوئی اور اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان اس کے سینہ پر لٹک گئی اور اب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دنیا و آخرت تباہ ہو گئی اب دعا تو میری چلتی نہیں لیکن میں تمہیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعہ تم موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر غالب آسکتے ہو۔

وہ یہ ہے کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان کے ساتھ جو کچھ کریں کرنے دیں، رکاوٹ نہ بنیں یہ لوگ مسافر ہیں اپنے گھروں سے مدت کے نکلے ہوئے ہیں۔ اس تدبیر سے ممکن ہے کہ لوگ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں اور اللہ تعالی کے نزدیک حرام کاری انتہائی مبغوض چیز ہے جس قوم میں یہ ہو اس پر ضرور قہر و عذاب نازل ہوتا ہے وہ فاتح و کامران نہیں ہو سکتی۔

بلعم کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آگئی اس پر عمل کیا گیا۔ بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی اس چال کا شکار ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس وبال سے روکا مگر وہ باز نہ آیا اور شیطانی جال میں مبتلا ہو گیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سخت قسم کا طاعون پھیلا جس سے ایک روز میں ستر ہزار اسرائیلی مر گئے یہاں تک کہ جس شخص نے برا کام کیا تھا اس جوڑے کو بنی اسرائیل نے قتل کر کے منظر عام پر ٹانگ دیا کہ سب لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور توبہ کی۔ اس وقت یہ طاعون رفع ہوا۔

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات میں اس کے متعلق فرمایا فَانسَلَخَ مِنْهَا یعنی ہم نے اپنی آیات اور ان کا علم و معرفت اس شخص کو عطا کیا تھا لیکن وہ اس سے نکل گیا

انسلاخ کا لفظ اصل میں جانور کے کھال کے اندر سے یا سانپ کی کیچلی کے اندر سے نکل جانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس جگہ علم آیات کو ایک لباس یا کھال کے ساتھ تشبیہ دے کر یہ بتلایا گیا کہ یہ شخص علم و معرفت سے بالکل جدا ہے فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ یعنی پیچھے لگ گیا اس کے شیطان، مطلب یہ ہے کہ جب تک علم آیات اور ذکر اللہ اس کے ساتھ تھا، شیطان کا قابو اس پر نہ چل سکتا تھا جب وہ جاتا رہا تو شیطان اس پر قابو یافتہ ہو گیا فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ یعنی پھر ہو گیا وہ گمراہوں میں سے، مطلب یہ ہے کہ شیطان کے قابو میں آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا،

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ یعنی اگر ہم چاہتے تو انہی آیات کے ذریعے اس کو بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگا لفظ اَخْلَدَ اِخلاد سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف میلان کے یا کسی جگہ کو لازم پکڑنے کے اور ارض کے اصلی معنی زمین کے ہیں دنیا کی جتنی چیزیں ہیں وہ سب یا خود زمین ہے یا زمین سے متعلق گھر، جائیداد، کھیتی باغ وغیرہ ہیں یا زمین سے ہی پیدا ہونے والی کروڑوں چیزیں ہیں جو انسان کی زندگی اور عیش کا مدار ہیں، اس لئے لفظ ارض بول کر اس جگہ پوری دنیا مراد لی گئی ہے اس آیت میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ آیات الٰہیہ اور ان کا علم ہی اصل میں سربلندی اور ترقی کا سبب ہیں لیکن جو شخص ان آیات کا احترام نہ کرے اور دنیا کی ذلیل خواہشات کو آیات الٰہیہ پر مقدم جانے اس کے لئے یہی علم ایک وبال بن جاتا ہے۔

اسی وبال کا ذکر آیت میں اسطرح کیا گیا ہے فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ لفظ لہث کے اصل معنی یہ ہیں کہ زبان نکال کر

سختی کے ساتھ سانس لیا جائے۔

ہر جاندار اپنی زندگی میں اس کا محتاج ہے کہ اندر کی گرم اور زہریلی ہوا کو باہر پھینکنے اور باہر سے تازہ ہوا حلق اور ناک کے راستہ سے اندر لے جائے اسی پر جاندار کی زندگی کا مدار ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے اس اہم کام کو ایسا آسان کر دیا ہے۔ بلا ارادہ و بلا محنت اس کی ناک کے نتھنوں سے اندر کی ہوا باہر اور باہر کی تازہ ہوا اندر جاتی ہے اس میں نہ اس کو کوئی زور لگانا پڑتا ہے نہ کسی اختیاری عمل کی ضرورت پڑتی ہے قدرتی اور فطری طور پر یہ کام مسلسل خود بخود ہوتا رہتا ہے۔

جانداروں میں صرف کتا ایسا جانور ہے جس کو اپنے سانس کی آمد و رفت میں زبان نکال کر زور لگانا، محنت کرنی پڑتی ہے اور دوسرے جانوروں کی یہ کیفیت صرف اس وقت ہوتی ہے جب کہ ان پر کوئی حملہ کرے یا وہ تھک جائیں یا کوئی اتفاقی محنت ان پر پڑ جائے۔

قرآن کریم نے اس شخص کی کتے کے ساتھ مثال دی۔ وجہ یہ ہے کہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی اس کو یہ سزا ملی تھی کہ زبان منہ سے نکل کر سینہ پر لٹک گئی تھی اور وہ برابر کتے کی طرف ہانپتا تھا خواہ کوئی اس پر حملہ کرے یا نہ کرے وہ ہر حال میں ہانپتا رہتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا یعنی یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مراد اس سے اہل مکہ ہیں جو ہمیشہ سے یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی ہادی اور رہبر آئے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف بلائے اور طاعت کے صحیح طریقے سکھائے پھر جب وہ رہبر آگئے اور ایسی کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے کہ ان کی صدق و حقانیت

میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی تو ان کی تکذیب کرنے اور آیات الٰہیہ سے روگردانی کرنے لگے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو بعثت نبوی سے پہلے آپ کی علامات و خصوصیات تورات میں پڑھ کر لوگوں کو بتلایا کرتے اور آپ کی تشریف آوری کا انتظار کیا کرتے تھے مگر جب آپ تشریف لائے تو سب سے زیادہ دشمنی اور مخالفت انہی لوگوں نے کی اور تورات کے احکام سے ایسے صاف نکل گئے جیسے بلعم بن باعوراء نکل گیا تھا۔

آخر آیت میں فرمایا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ یعنی آپ اس شخص کا واقعہ ان لوگوں کو سنا دیجئے شاید یہ کچھ سوچیں اور اس کے واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ آیات الٰہیہ کو جھٹلانے والوں کا برا حال ہے اور یہ لوگ اپنی ہی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں اور کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے۔

آیات مذکورہ اور ان میں بیان کئے ہوئے واقعہ میں اہل فکر کے لئے بہت سے فوائد اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں :۔

اول یہ کہ کسی شخص کو اپنے علم و فضل اور زہد و عبادت پر ناز نہیں کرنا چاہئے حالات بدلتے اور بگڑتے ہوئے دیر نہیں لگتی جیسے بلعم بن باعوراء کا حشر ہوا اطاعت و عبادت کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور استقامت کی دعا اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ ایسے مواقع اور ان کے مقدمات سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جہاں اس کو اپنے دین کی خرابی کا اندیشہ ہو خصوصاً مال اور اہل و عیال کی محبت میں

اس انجام بد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

تیسرے یہ کہ مفسد اور گمراہ لوگوں کے ساتھ تعلق اور ان کا ہدیہ یا دعوت وغیرہ قبول کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے بلعم اس بلاء میں ان کا ہدیہ قبول کرنے کے سبب مبتلا ہوا۔

چوتھے کہ یہ بے حیائی اور حرام کاری پوری قوم کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان ہوتی ہے جو قوم اپنے آپ کو بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رکھنا چاہے اس پر لازم ہے کہ اپنی قوم کو بے حیائی کے کاموں سے پورے اہتمام کے ساتھ روکے ورنہ خدا تعالی کے عذاب کو دعوت دینا ہوگا۔

پانچویں یہ کہ آیات الٰہیہ کی خلاف ورزی خود بھی ایک عذاب ہے اور اس کی وجہ سے شیطان اس پر غالب آکر ہزاروں خرابیوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اس لئے جس شخص کو اللہ تعالی نے علم دین عطا کیا ہو اس کو چاہئے کہ اس کی قدر کرے اور اصلاح عمل کی فکر سے کسی وقت فارغ نہ ہو۔

حضرت طالوت کی قیادت میں ایمان والوں کی قلیل جماعت نے جہاد کیا تو انہیں عظیم فتح ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ

مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ٥ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٥

کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں پیغمبر نے کہا کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم ہو تو تم اس وقت نہ لڑو انہوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر جب انہیں لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں

کو خوب جانتا ہے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیونکر ہو سکتی ہے اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی کشائش نہیں دی گئی۔ پیغمبر نے کہا بے شک اللہ نے اسے تم پر پسند فرمایا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے اور بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق واپس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھیں۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے۔ بے شک اس میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلا کہا بے شک اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنیوالا ہے جس نے اس نہر کا پانی پیا تو وہ میرا نہیں ہے اور جس نے اسے نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو اسے معاف ہے) پھر ان سے سوائے چند آدمیوں کے سب نے اسکا پانی پی لیا پھر جب طالوت اور ایمان والے اس کے ساتھ پار ہوئے تو کہنے لگے آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں جن لوگوں کو خیال تھا کہ انہیں اللہ سے ملنا ہے وہ کہنے لگے۔ بارہا بڑی جماعت پر چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے غالب ہوئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو کہا اے رب ہمارے ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ

اور اس کافر قوم پر ہماری مدد کر پھر اللہ کے حکم سے مؤمنوں نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے سلطنت اور حکمت داؤد کو دی اور جو چاہا اسے سکھایا اور اگر اللہ کا بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع کرا دینا نہ ہوتا تو زمین فساد سے پر ہو جاتی لیکن اللہ جہاں والوں پر بہت مہربان ہے۔

تفسیر: اس سے پہلے یہ مضمون گزر چکا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ارض مقدس کو آزاد کرانے کے لئے شام کی کافر حکومت کے خلاف جہاد نہ کرنیکی وجہ سے بنی اسرائیل کو چالیس سال تک عذاب میں مبتلا کر دیا گیا تھا اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام بھی فوت ہو گئے تھے اور ان آیات میں بتایا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ایک اور پیغمبر بھیجا اور اس پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ چنا اور پھر اس کی قیادت میں بڑی بہادر فوج تیار کی گئی جس کی تعداد تفاسیر میں اسی ہزار لکھی ہے اور اس بادشاہ نے اس فوج کو دشمن کے علاقے پر چڑھائی کا حکم دی مگر ساتھ امتحان بھی لیا کہ جو فوجی نہر سے پانی پئے گا اسے فوج سے نکال دیا جائے گا چنانچہ تین سو تیرہ کے سوا سب نے نہر سے پانی پیا۔ امیر کے آرڈر کی خلاف ورزی کی تو بزدل ہو گئے اور ہمت ہار بیٹھے اور طالوت نے انہیں فوج سے نکال دیا اور صرف تین سو تیرہ کو (جنھوں نے نہر سے پانی نہیں پیا تھا) لے کر دشمن پر حملہ کر دیا اور حملے کے وقت اللہ تعالیٰ سے صبر و استقامت کی دعائیں کیں۔ اب مٹھی بھر ایمان والوں نے دشمن کی بہت بڑی فوج کو شکست دی اور حضرت داؤد علیہ السلام (جو اس وقت تک نبی نہیں تھے) کے ہاتھ سے دشمن کا بادشاہ بھی قتل ہو گیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اس عظیم کارنامے کی وجہ سے حضرت

طالوت نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دی اور اس کو حکومت میں بھی شامل کیا اور حضرت طالوت کے فوت ہونے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام ہی خلیفہ مقرر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت بھی عطا فرمائی

جہاد کا کارنامہ دکھانے کے صلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑی مضبوط اور وسیع خلافت ارضی نصیب ہوئی

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَاالْاَیْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ o اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ o وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً کُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ o وَشَدَدْنَا مُلْکَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ o

تو تحمل کرتا رہ اس پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو وہ تھا رجوع رہنے والا ہم نے تابع کئے پہاڑ اس کے ساتھ پاکی بولتے تھے شام کو اور صبح کو اور اڑتے جانور جمع ہو کر سب تھے اس کے آگے رجوع رہتے اور قوت دی ہم نے اس کی سلطنت کو اور دی اس کو تدبیر اور فیصلہ کرنا بات کا۔

معارف و مسائل: کفار کی تکذیب واستہزاء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ ہوتا تھا، اسے دور کر کے تسلی دینے کے لئے عموماً اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاء علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی آپ کو صبر کی تلقین فرما کر بعض انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے پہلا واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ۔ (اور یاد کیجئے ہمارے بندے داؤد کو جو قوت والے تھے) تقریباً تمام مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ عبادت میں بڑی قوت وہمت کا ثبوت دیتے تھے اسی لئے اس کے بعد یہ جملہ کہ :۔ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (بلاشبہ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے چنانچہ صحیحین کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہے اور سب سے زیادہ روزے داؤد علیہ السلام کے ہیں۔ وہ آدھی رات سوتے ایک تہائی عبادت کرتے اور پھر رات کے چھٹے حصے میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے تھے اور جب دشمن سے ان کا مقابلہ ہو جاتا تو فرار اختیار نہ فرماتے تھے اور بلاشبہ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔" (تفسیر ابن کثیر)

عبادت کے اس طریقہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ایک تو اس میں مشقت زیادہ ہے ساری عمر روزہ رکھنے سے آدمی روزے کا عادی ہو جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس میں زیادہ مشقت نہیں رہتی لیکن ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے میں تکلیف مسلسل رہتی ہے دوسرے اس طریقہ سے انسان عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے نفس، اہل وعیال اور متعلقین کے حقوق بھی پوری طرح ادا کر سکتا ہے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ الخ۔ اس آیت میں پہاڑوں اور پرندوں کے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ شریک تسبیح ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کی تشریح سورۃ انبیاء اور سورۃ سبا میں گزر چکی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کو باری تعالیٰ نے یہاں اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام پر

ایک خاص انعام تھا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے لئے نعمت کیسے ہوئی؟ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے کیا خاص فائدہ پہنچا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سے حضرت داوٗد علیہ السلام کا ایک معجزہ ظاہر ہوا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا انعام ہے اس کے علاوہ حضرت تھانویؒ نے ایک لطیف توجیہہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں پرندوں کی تسبیح سے ذکر و شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہو گیا تھا جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی و ہمت پیدا ہوتی ہے۔ اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کے یہاں ذکر و شغل کا ایک خاص طریقہ معروف ہے جس میں ذکر کرتے ہوئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ پوری کائنات ذکر کر رہی ہے۔ اصلاح باطن اور شوق عبادت میں اس طریقہ کی عجب تاثیر ہے۔ اس آیت سے اس طریقہ ذکر کی بنیاد بھی مستنبط ہوتی ہے۔ (مسائل السلوک)

صلوۃ الضحی :

بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔ عشی کے معنی ہیں ظہر کے بعد سے اگلے دن صبح تک کا وقت اور اشراق کے معنی صبح کا وہ وقت جس میں دھوپ زمین پر پھیل گئی ہو اس آیت سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صلوۃ الضحی کے شروع ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ صلوۃ الضحی کو صلوۃ الاوابین اور بعض حضرات صلوۃ الاشراق بھی کہتے ہیں اگرچہ بعد میں صلوۃ الاوابین کا نام مغرب کے بعد کی چھ نفلوں کے لئے اور صلوۃ الاشراق طلوع آفتاب کی متصل والی دو یا چار نفلوں کے لئے زیادہ مشہور ہو گیا۔

صلوۃ الضحی میں دو سے لے کر بارہ تک جتنی رکعتیں چاہیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ حدیث میں اس کے بہت سے فوائد وارد ہوئے ہیں۔ جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ

سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا"جو شخص صلوۃ الضحیٰ کی دو رکعتوں کی پابندی کر لے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں خواہ وہ سمندری جھاگ جتنے ہوں" اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص صلوۃ الضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنادے گا۔" (قرطبی)

علماء نے فرمایا ہے کہ یوں تو دو سے لے کر بارہ تک جتنی رکعتیں پڑھی جاسکیں وہ ٹھیک ہیں لیکن تعداد کے لئے کوئی خاص معمول بنالیا جائے تو بہتر ہے اور یہ معمول کم از کم چار رکعت ہو تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ آپ کا عام معمول چار رکعتیں ہی پڑھنے کا تھا۔

وَ اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ۔ (اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی) حکمت سے مراد تو دانائی ہے یعنی ہم نے انہیں عقل و فہم کی دولت بخشی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نبوت مراد ہے۔ اور "فصل الخطاب" کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطابت ہے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اونچے درجے کے خطیب تھے اور خطبوں میں حمد و صلوۃ کے بعد لفظ "امابعد" سب سے پہلے انہوں نے ہی کہنا شروع کیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جھگڑے چکانے اور تنازعات کا فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ در حقیقت ان الفاظ میں بیک وقت دونوں معنی کی پوری گنجائش ہے اور یہ دونوں باتیں ہی مراد ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے جو اس کا ترجمہ فرمایا ہے اس میں بھی دونوں معنے سما سکتے ہیں۔

وَهَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ

فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ o إِنَّ هَٰذَا
أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَ
عَزَّنِي فِي الْخِطَابِ o قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَ
إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَ
خَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ
مَآبٍ o

اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی جب دیوار کود کر آئے عبادت خانے میں جب گھس آئے داؤد کے پاس توان سے گھبرایا وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں زیادتی کی ہے ایک نے دوسرے پر فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتلادے ہم کو سیدھی راہ یہ جو ہے بھائی میرا اس کے یہاں ہیں ننانویں دنبیاں اور میرے یہاں ایک دنبی پھر کہتا ہے حوالے کر دے میرے وہ بھی اور زبردستی کرتا ہے مجھ سے بات میں بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کئے نیک اور تھوڑے لوگ ہیں ایسے اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گر پڑا جھک کر اور رجوع ہوا پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام اور اس کے لئے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔

معارف و مسائل :

ان آیتوں میں باری تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا ہے قرآن کریم میں یہ واقعہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت گاہ میں دو فریقوں کو جھگڑتے ہوئے بھیج کر ان کا کوئی امتحان کیا تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس امتحان پر متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی۔ قرآن کریم کا اصل مقصد چونکہ یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور کبھی ذرا سی لغزش بھی ہو جائے تو فوراً استغفار کی طرف متوجہ ہوتے تھے اس لئے یہاں یہ تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ وہ امتحان کیا تھا؟ حضرت داؤد علیہ السلام سے وہ کون سی لغزش ہوئی تھی جس سے انہوں نے استغفار کیا؟ اور جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

اسی لئے بعض محقق اور محتاط مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش اور امتحان کی تفصیل کو کھول کر بیان نہیں فرمایا اس لئے ہمیں بھی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے اور جتنی بات قرآن کریم میں مذکور ہے صرف اسی بات پر ایمان رکھنا چاہئے۔ حافظ ابن کثیرؒ جیسے محقق مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیلات سے خاموشی اختیار کی ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے زیادہ محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے اسی لئے علماء سلف سے منقول ہے کہ ابھموا ما ابھمہ اللہ یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اس کو مبہم رہنے دو اسی میں حکمت و مصلحت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسے معاملات کا ابہام ہے جن سے ہمارے عمل اور

حلال و حرام کا تعلق نہ ہو اور جن معاملات سے مسلمانوں کے عمل کا تعلق ہو اس ابہام کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے رفع کر دیا ہے۔

البتہ دوسرے مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان اور آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اس سلسلہ میں ایک عامیانہ روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر ایک مرتبہ اپنے ایک فوجی افسر اوریا کی بیوی پر پڑ گئی تھی جس سے ان کے دل میں اس کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور انہوں نے اوریا کو قتل کرانے کی غرض سے اسے خطرناک ترین مشن سونپ دیا جس میں وہ شہید ہو گیا اور بعد میں آپ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اس عمل پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایت بلاشبہ ان خرافات میں سے ہے جو یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں میں بھی پھیل گئی تھیں۔ یہ روایت دراصل بائبل کی کتاب سموئیل دوم باب ۱۱ سے ماخوذ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ اوریا کی بیوی سے نکاح سے قبل ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا اور ان تفسیری روایتوں میں زنا کے جز کو حذف کر دیا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس اسرائیلی روایت کو دیکھا اور اس میں سے زنا کے قصے کو نکال کر اسے قرآن کریم کی مذکورہ آیتوں پر چسپاں کر دیا حالانکہ یہ کتاب سموئیل ہی سرے سے بے اصل ہے اور یہ روایت قطعی کذب و افتراء کی حیثیت رکھتی ہے اسی وجہ سے تمام محقق مفسرین نے اس کی سخت تردید کی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے علاوہ ابن جوزیؒ قاضی ابو السعودؒ، قاضی بیضاویؒ، قاضی امام رازی، علامہ ابو حیان اندلسی، خازنؒ، زمخشری، ابن حزمؒ علامہ خفاجیؒ احمد بن نصر ابو تمامؒ

اور علامہ آلوسی وغیرہ نے بھی اسے کذب وافتراء قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

"بعض مفسرین نے یہاں ایک قصہ ذکر کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جس کا اتباع واجب ہو صرف ابن ابی حاتمؒ نے یہاں ایک حدیث روایت کی ہے مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے۔"

غرض بہت سے دلائل کی روشنی میں جن کی کچھ تفصیل امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور ابن جوزیؒ کی زاد المسیر وغیرہ میں موجود ہے یہ روایت تو اس آیت کی تفسیر میں قطعاً خارج از بحث ہو جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے اور طرز مخاطبت بھی انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں۔ اس انداز کی گستاخی کی بنا پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے الٹی سزا دیتا۔ اللہ تعالی نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آکر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے، لیکن اتنی سی فروگذاشت ہو گئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی کہ اس پر فوراً متنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالی نے انہیں معاف فرما دیا۔ (بیان القرآن)

بعض مفسرین نے لغزش کی یہ تشریح کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعا علیہ کو خاموش دیکھا تو اس کا بیان سنے بغیر صرف مدعی کی بات سن کر اپنی نصیحت میں ایسی باتیں فرمائیں جن سے فی الجملہ مدعی کی تائید ہوتی تھی حالانکہ پہلے مدعا علیہ سے پوچھنا چاہئے تھا کہ اس کا موقف کیا ہے؟ حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد اگرچہ صرف ناصحانہ انداز میں تھا اور ابھی تک مقدمہ کے فیصلے کی نوبت نہیں آئی تھی تاہم ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے شایان شان نہیں تھا۔ اسی بات پر آپ بعد میں متنبہ ہو کر سجدہ ریز ہوئے۔ (روح المعانی)

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا نظم اوقات ایسا بنایا ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت، ذکر اور تسبیح میں مشغول رہتا تھا۔ ایک روز انہوں نے باری تعالی سے عرض کیا کہ پروردگار! دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جس میں داؤد کے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کی عبادت، نماز اور تسبیح و ذکر میں مشغول نہ ہو۔ باری تعالی نے فرمایا کہ داؤد! سب کچھ میری توفیق سے ہے، اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو یہ بات تمہارے بس کی نہیں ہے اور ایک دن میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے مشغول عبادت ہونے کا تھا۔ اس ناگہانی قضیہ سے ان کے اوقات کا نظم مختل ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام جھگڑا چکانے میں مشغول ہو گئے۔ آل داؤد علیہ السلام کا کوئی اور فرد بھی اس وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف نہ تھا۔ اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبہ ہوا کہ وہ فخریہ کلمہ جو زبان سے نکل گیا تھا یہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی اس لئے آپ نے استغفار فرمایا اور سجدہ ریز ہو گئے۔ اس توجیہہ کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے

جو مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔(احکام القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترکہ طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں بلکہ حقیقی تھا اور صورت مقدمہ کا حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا۔اس کے برخلاف بہت سے مفسرین نے اس کی ایسی تشریح فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مقدمہ کے یہ فریقین انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے اور انہیں اللہ تعالی نے اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ایسی فرضی صورت مقدمہ پیش کریں جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی لغزش پر تنبہ ہو جائے۔

چنانچہ ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اوریا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا وہ قصہ تو غلط ہے لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں کسی شخص سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ "تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح مجھ سے کر دو" اس زمانے میں اس فرمائش کا عام رواج بھی تھا اور یہ بات خلاف مروت بھی نہ سمجھی جاتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی بنا پر اوریا سے یہی فرمائش کی تھی جس پر اللہ تعالی نے یہ دو فرشتے بھیج کر آپ کو تنبیہہ فرمائی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بات صرف اتنی تھی کہ اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہوا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اسی عورت کو اپنا پیغام دے دیا اس سے اوریا کو بہت رنج ہوا۔اللہ تعالی نے اس پر تنبیہہ کے لئے یہ دو فرشتے بھیجے اور ایک لطیف پیرایہ میں اس لغزش پر تنبیہہ فرمائی۔ قاضی ابو یعلیٰ نے اس توجیہ پر قرآن کریم کے الفاظ و عزنی فی الخطاب سے استدلال فرمایا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ محض خطبہ (منگنی) کے سلسلہ میں پیش آیا تھا۔ اور ابھی حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے نکاح نہیں فرمایا تھا۔(زاد المسیر لابن الجوزی ص ۱۱۶)

ج ۷)

اکثر مفسرین نے ان آخری دو تشریحات کو ترجیح دی ہے اور ان کی تائید بعض آثار صحابہؓ سے بھی ہوتی ہے (ملاحظہ ہو روح المعانی تفسیر ابی السعود زاد المسیر، تفسیر کبیر وغیرہ) لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس آزمائش اور لغزش کی تفصیل نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ کسی صحیح حدیث سے۔ اس لئے اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اوریا کو قتل کروانے کا جو قصہ مشہور ہے وہ غلط ہے لیکن اصل واقعہ کے بارے میں مذکورہ بالا تمام احتمالات موجود ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو قطعی اور یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا اسلامتی کی راہ وہی ہے جو حافظ ابن کثیرؒ نے اختیار کی کہ جس بات کو اللہ تعالی نے مبہم چھوڑا ہے اپنے قیاسات اور اندازوں کے ذریعہ اس کی تفصیل کی کوشش نہ کریں جبکہ اس سے ہمارے کسی عمل کا تعلق نہیں۔ اس ابہام میں بھی یقیناً کوئی حکمت ہے لہذا صرف اتنے واقعہ پر ایمان رکھا جائے جو قرآن کریم میں مذکور ہے باقی تفصیلات کو اللہ کے حوالہ کیا جائے۔ البتہ اس واقعہ سے متعدد عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں، زیادہ توجہ ان کی طرف دینی چاہئے۔ اس لئے اب آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے جس میں انشاء اللہ ان فوائد کا ذکر آجائے گا۔

اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ۔ (جب وہ محراب کی دیوار پھاند کر داخل ہوئے) محراب دراصل بالا خانے یا کسی مکان کے سامنے کے حصہ کو کہتے ہیں پھر خاص طور سے مسجد یا عبادت خانے کے سامنے کے حصہ کو کہا جانے لگا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ عبادت گاہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ مسجد کے دائرہ نما محرابیں جیسی آج کل معروف ہیں یہ عہد نبویؐ میں موجود نہیں تھیں (روح المعانی)

فَفَزِعَ مِنْهُمْ۔ (پس حضرت داؤدؑ ان سے گھبرا گئے) گھبرانے کی وجہ صاف

ظاہر تھی کہ دو آدمیوں کے بے وقت پہرہ توڑ کر اس طرح گھس آنا عموماً کسی بری نیت ہی سے ہوتا ہے۔

طبعی خوف نبوت یا ولایت کے منافی نہیں ہے :

اس سے معلوم ہوا کہ کسی خوفناک چیز سے طبعی طور پر گھبرا جانا نبوت اور ولایت کے منافی نہیں ہے ہاں اس خوف کو دل و دماغ پر طاری کر کے اپنے فرائض چھوڑ دینا ضرور برا ہے۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں انبیاء کی شان یہ بیان کی گئی لَا یخشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہ (وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) پھر یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کو خوف کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ڈرنے کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک ڈر تو موذی اشیاء کے تکلیف پہنچانے سے ہوتا ہے اسے عربی میں خوف کہتے ہیں دوسرا ڈر کسی بڑے کی عظمت جلالت شان اور رعب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسے خشیۃ کہا جاتا ہے۔ (مفردات، راغب) خشیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہونی چاہئے اور انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے سوا ان پر کسی کی خشیت طاری نہیں ہوتی۔ ہاں خوف طبعی موذی اشیاء سے ہو سکتا ہے۔

بے قاعدگی پر حقیقت حال کے منکشف ہونے تک صبر کرنا چاہئے :

قَالُوْا لَا تَخَفْ (انہوں نے کہا ڈریئے نہیں) آنے والوں نے یہ کہہ کر اپنی بات بیان کرنی شروع کر دی اور حضرت داؤد علیہ السلام خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اچانک بے قاعدگی کا مرتکب ہو تو اسے فوراً ملامت اور زجر و توبیخ شروع نہیں کر دینی چاہئے بلکہ پہلے اس کی بات سن لینی چاہئے

تاکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس اس بے قاعدگی کا جواز تھا یا نہیں۔ کوئی اور ہوتا تو آنے والوں پر فوراً برس پڑتا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے انکشاف حقیقت کا انتظار فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ معذور ہوں۔

وَلَا تُشْطِطْ (اور بے انصافی نہ کیجئے) آنے والے کا یہ انداز خطاب بظاہر بڑا گستاخانہ تھا اول تو دیوار پھاند کر بے وقت آنا پھر آکر حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو انصاف کرنے اور ظلم سے بچنے کا درس دینا یہ سب الھڑپن کی باتیں تھیں، لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے ان سب باتوں پر صبر فرمایا اور انہیں کچھ برا بھلا نہیں کہا۔

بڑے آدمی کو چاہئے کہ اہل حاجت کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے:

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ نے کوئی بڑا مرتبہ دیا ہو اور لوگوں کی ضروریات اس سے متعلق ہوں اسے چاہئے کہ وہ اہل حاجت کی بے قاعدگیوں اور گفتگو کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے کہ یہی اس کے مرتبہ کا تقاضا ہے خاص طور سے حاکم، قاضی اور مفتی کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (روح المعانی)

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ۔ (داؤد علیہ السلام نے کہا کہ اس نے جو تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کی ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کیا ہے) یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فقرہ صرف مدعی کی بات سن کر ارشاد فرمایا مدعا علیہ کا بیان نہیں سنا اس پر بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ وہ لغزش جس پر آپ نے استغفار فرمایا یہی لغزش تھی لیکن دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ در حقیقت یہاں مقدمہ کی پوری تفصیلات بیان نہیں ہو رہی ہیں صرف ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یقیناً مدعا علیہ سے

اس کا موقف سنا ہو گا لیکن اسے یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ فیصلوں کا معروف طریقہ یہی ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مدعاعلیہ سے پوچھنے کا جز محذوف ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اگرچہ آنے والوں نے حضرت داوٗد علیہ السلام سے عدالتی فیصلہ طلب کیا تھا لیکن نہ وہ وقت عدالت کا تھا نہ مجلس قضا کی تھی نہ وہاں حضرت داوٗد علیہ السلام کے پاس اپنے فیصلہ کو نافذ کرنے کے وسائل جمع تھے اس لئے حضرت داوٗد علیہ السلام نے قاضی کی حیثیت میں نہیں بلکہ مفتی کی حیثیت میں فتویٰ دیا اور مفتی کا کام واقعہ کی تحقیق کرنا نہیں ہوتا بلکہ جیسا سوال ہو اسی کے مطابق جواب دینا ہوتا ہے۔

کسی قسم کے دباوٗ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ بھی طلب کرنا غصب ہے:

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے ایک شخص کے محض دنبی مانگنے کو ظلم قرار دیا حالانکہ بظاہر کسی سے محض کوئی چیز مانگ لینا کوئی جرم نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی جس قولی اور عملی دباوٗ کے ساتھ یہ سوال کیا جارہا تھا اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی ہو گئی تھی۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب راضی ہو یا ناراض لیکن اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس طرح ہدیہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے، لہذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت شخص ہو اور مخاطب اسکی شخصیت کے دباوٗ کی وجہ سے انکار نہ کر سکتا ہو تو وہاں صورت چاہے ہدیہ طلب کرنے کی ہو لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتا ہے اور مانگنے والے کے لئے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص

طور پر ان لوگوں کے لئے بہت توجہ کرنے کا ہے جو مدارس ومکاتب، مسجد یا انجمنوں اور جماعتوں کے لئے چندے وصول کرتے ہیں صرف وہ چندہ حلال طیب جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیات کا دباؤ ڈال کر یا بیک وقت آٹھ دس آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کر کے چندہ وصول کر لیا تو صریح ناجائز فعل ہے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ :

لا یحلّ مال امرئٍ اِلّا بطیب نفس منه

کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔

معاملات کی شرکت میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے :

وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَیَبۡغِیۡ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ اور بہت سے شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں اس سے اس بات پر تنبیہ کر دی گئی ہے کہ جب دو انسانوں میں شرکت کا کوئی معاملہ ہو تو تو اس میں اکثر ایک دوسرے کی حق تلفیاں ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایک آدمی ایک کام کو معمولی سمجھ کر کر گزرتا ہے لیکن در حقیقت وہ گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے اس معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ (اور داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے) اگر مقدمہ کی صورت کو حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش کی تمثیل قرار دیا جائے تب تو یہ خیال آنا ظاہر ہی ہے اور اگر صورت مقدمہ کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو ، تب بھی فریقین کی مجموعی حالت یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی کہ یہ امتحاناً بھیجے گئے ہیں۔ ایک طرف تو ان فریقوں نے مقدمہ کے فیصلے کے لئے اتنی جلدبازی

اور جرأت سے کام لیا کہ دیوار پھاند کر چلے آئے۔ دوسری طرف جب مقدمہ پیش ہوا تو مدعا علیہ خاموش بیٹھا رہا اور قولی یا عملی طور سے مدعی کی بات کو بے چون وچرا تسلیم کرلیا۔

اگر مدعی کے بیان کردہ واقعہ کو مدعا علیہ تسلیم کرتا تھا تو جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آنے کی ضرورت ہی نہ تھی ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس صورت میں مدعی کے حق میں ہی فیصلہ کریں گے۔ فریقین کا یہ پراسرار طرز عمل بتارہا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے بھانپ لیا کہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں اور میرا امتحان مقصود ہے اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ فیصلہ سننے کے بعد وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چلے گئے۔ واللہ اعلم۔

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (پس انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔ یہاں دراصل رکوع کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی جھکنے کی ہیں اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد سجدہ ہے۔ احناف کے نزدیک اس آیت کی تلاوت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

رکوع سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے: اور امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی ہے تو رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہاں باری تعالی نے سجدہ کے لئے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کا قائم مقام ہو سکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل یاد رکھنے چاہئیں۔

سجدہ تلاوت کے بعض مسائل: مسئلہ نماز کے فرض رکوع کے ذریعے سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے جبکہ سجدہ کی آیت نماز میں پڑھی گئی ہو، نماز سے باہر تلاوت کرنے میں رکوع سجدہ ادا نہیں ہوتا اس لئے کہ رکوع صرف نماز میں عبادت ہے، نماز سے باہر مشروع نہیں (بدائع) مسئلہ رکوع میں سجدہ صرف اس وقت ادا ہو گا جب کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا جائے۔ اور اگر آیت سجدہ کے بعد کھڑے کھڑے طویل قرأت کی تو سجدہ رکوع میں ادا نہیں ہو گا۔ مسئلہ اگر سجدہ تلاوت رکوع میں ادا کرنے کا خیال ہو تو رکوع میں جاتے وقت سجدہ تلاوت کی نیت کر لینی چاہیے ورنہ اس رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہو گا۔ ہاں جب سجدہ میں جانے لگا تو بلا نیت بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔ مسئلہ افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدہ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کی بجائے مستقل سجدہ کیا جائے اور سجدہ سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر رکوع میں جائیں۔ (بدائع)

وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ مَاٰبٍ (اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے ہاں خاص تقرب اور نیک انجامی ہے) اس آیت پر واقعہ کو ختم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش جو کچھ بھی رہی ہو، ان کے استغفار اور انابت کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی تعلق میں اور اضافہ ہو گیا۔

غلطی پر تنبیہ میں حکمت کی رعایت:

اس واقعہ سے متعلق ایک اور بات قابل ذکر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش خواہ کچھ رہی ہو، اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعے بھی آپ کو اس پر متنبہ

فرما سکتے تھے لیکن اس کے بجائے ایک مقدمہ بھیج کر تنبیہ کے لئے یہ خاص طریقہ کیوں اختیار کیا گیا۔ در حقیقت اس طریقے پر غور کرنے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کی یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لئے حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے جس سے متعلقہ شخص خود بخود اپنی غلطی کو محسوس کر لے اور اسے زبانی تنبیہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اور اس کے لئے ایسی تمثیلات سے کام لینا زیادہ مؤثر ہوتا ہے جس سے کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو اور ضروری بات بھی واضح ہو جائے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے بیشک جو لوگ چلتے ہیں اللہ کی راہ سے ان کو سخت مار ہے اس بات پر کہ انہوں نے بھلا دیا دن حساب کا۔

معارف و مسائل : حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ حکومت و سلطنت بھی عطا فرمائی تھی چنانچہ اس آیت میں حکومت و سیاست کے لئے آپ کو ایک بنیادی ہدایت نامہ عطا کر دیا گیا ہے۔ اس ہدایت نامہ میں تین بنیادی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں :

۱۔ ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

۲۔ اس حیثیت سے آپ کا بنیادی کام حق کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔

۳۔ اور اس کام کے لئے خواہشات نفسانی کی پیروی سے بچنا ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

جہاں تک زمین میں خلیفہ بنانے کا تعلق ہے اس کا مفہوم سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے (دیکھیے معارف القرآن جلد اول صفحہ ۱۲۴) اور اسی سے اسلامی سیاست کا یہ اصل الاصول واضح ہوتا ہے کہ ''اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے'' زمین کے حکمران اسی کے احکام کے مطابق چلنے کے مجاز ہیں، اس سے باہر نہیں جاسکتے۔ لہذا مسلمانوں کا حاکم، شوریٰ یا اسمبلی اسلامی قانون کی تشریح یا تدوین تو کرسکتی ہے، لیکن در حقیقت وہ واضح قانون نہیں بلکہ اللہ کے قانون کو پیش کرنے والے ہیں۔

اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت حق ہے :

دوسری بات یہاں واضح کردی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت حق ہے، حکومت پر لازم ہے کہ وہ اپنے انتظامی معمولات اور تنازعات کے تصفیہ میں حق وانصاف قائم کرے۔

اسلام چونکہ ایک ابدی دین ہے، اس لئے اس نے سیاست وحکمرانی کے لئے ایسے انتظامی جزئیات کی تعیین نہیں فرمائی جو حالات اور زمانے کے بدلنے سے قابل تبدیل ہو جائیں بلکہ کچھ ایسی بنیادی ہدایات عطا فرمادی ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانے کے مطابق انتظامی جزئیات خود طے کی جاسکتی ہیں۔ اسی لئے یہاں یہ بات تو بتادی گئی ہے کہ حکومت کا اصل کام اقامت حق ہے لیکن اس کی انتظامی تفصیلات ہر دور کے اہل راء مسلمانوں پر چھوڑی گئی ہیں۔

عدلیہ اور انتظامیہ کا رشتہ : چنانچہ یہ بات کہ عدلیہ انتظامیہ سے بالکل الگ رہے یا اس کے ساتھ وابستہ؟ اس مسئلہ میں کوئی ایسا متعین حکم نہیں دیا گیا جو ہر دور

میں نا قابل تبدیل ہو۔ اگر کسی زمانہ میں حکمرانوں کی امانت و دیانت پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہو تو عدلیہ اور انتظامیہ کی دوئی کو مٹایا جا سکتا ہے اور اگر کسی دور میں حکمرانوں کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ نہ ہو تو عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد بھی رکھا جا سکتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ان سے زیادہ امانت و دیانت کا کون دعوی کر سکتا تھا؟ اس لئے انہیں بیک وقت انتظامیہ اور عدلیہ دونوں کا سربراہ بنا کر تنازعات کے فیصلے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خلفاء راشدینؓ میں بھی یہی طرز رہا کہ امیر المؤمنین خود قاضی بھی ہوتا تھا۔ بعد کی اسلامی حکومتوں میں اس طریقے کو بدلا گیا اور امیر المؤمنین کو انتظامیہ کا اور قاضی القضاۃ کو عدلیہ کا سربراہ بنایا گیا۔

تیسری ہدایت جس پر اس آیت میں سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ کہ خواہشات نفسانی کی پیروی مت کرو اور روز حساب کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔ اس ہدایت پر سب سے زیادہ زور اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ چیز اقامت حق کی بنیاد ہے جس حاکم یا قاضی کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے وہی صحیح معنوں میں حق و انصاف قائم کر سکتا ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو آپ اچھے سے اچھا قانون بنا لیجئے نفس انسانی کی دسیسہ کاریاں ہر جگہ اپنا راستہ خود بنا لیتی ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی بہتر سے بہتر نظام قانون بھی حق و انصاف قائم نہیں کر سکتا۔ دنیا کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے حالات اس پر گواہ ہیں۔

ذمہ داری کے عہدوں میں سب سے پہلے دیکھنے کی چیز انسان کا کردار ہے:

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کو حاکم، قاضی یا کسی محکمے کا افسر بنانے کے لئے سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے یا نہیں اور اس کے اخلاق و کردار کی کیا حالت ہے؟ اگر یہ محسوس ہو کہ اس کے دل پر خوف خدا کے بجائے خواہشات نفسانی کی حکمرانی ہے تو خواہ وہ کیسی اعلیٰ ڈگریاں رکھتا ہو اور اپنے فن میں کتنا ہی ماہر اور پختہ کار ہو وہ اسلام کی نظر میں کسی اونچے منصب کا مستحق نہیں ہے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلاً. يٰجِبَالُ اَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ. وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر. (اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بزرگی دی تھی۔ اے پہاڑو ان کی تسبیح کی آواز کا جواب دیا کرو۔ اور پرندوں کو تابع کر دیا تھا۔ اور ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا کہ کشادہ زرہیں بنا دو اندازے سے کڑیاں جوڑو۔ اور تم سب نیک کام کرو۔ بے شک میں جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہوں)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلا" یعنی عطا کیا ہم نے داؤد کو اپنا فضل"، فضل کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ مراد وہ خاص صفات ہیں جو دوسروں سے زائد ان کو عطا کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی و پیغمبر کو بعض خاص صفات امتیازی عطا فرمائی ہیں جو ان کی مخصوص فضیلت سمجھی جاتی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی مخصوص صفات یہ تھیں کہ انکو اپنی نبوت و رسالت کے ساتھ پوری دنیا کی سلطنت و حکومت بھی عطا فرمائی تھی اور خوش آوازی کی ایسی صفت عطا فرمائی تھی کہ جب آپ اللہ کے ذکر یا زبور کی تلاوت میں مشغول ہوتے تو پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے سننے کو جمع ہو جاتے تھے۔ اسی طرح متعدد معجزات خصوصی عطا ہوئے تھے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

يَا جِبَالُ اَوِّبِي. اوبی تاویب سے مشتق ہے جس کے معنی دہرانے اور لوٹانے کے

آتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دے دیا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر و تسبیح کریں تو پہاڑ بھی وہ کلمات پڑھ کر لوٹائیں۔

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے اوبی کی تفسیر سَبّحِی سے فرمائی ہے (ابن کثیر) یہ پہاڑوں کی تسبیح جو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے اس عام تسبیح کے علاوہ ہے جس میں کل مخلوقات شریک ہیں اور جو ہر جگہ ہر وقت ہر زمانے میں جاری ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ "یعنی دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی تسبیح نہ پڑھتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔" یہاں جس تسبیح کا ذکر ہے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے یہ ظاہر ہے کہ اس تسبیح کو عام سننے والے بھی سنتے سمجھتے ہوں گے ورنہ پھر معجزہ ہی نہ ہوتا۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ پہاڑوں کا آواز ملانا اور تسبیح کو دہرانا یہ آواز باز گشت کے طور پر نہ تھا جو عام طور پر گنبد یا کنویں وغیرہ میں آواز دینے کے وقت آواز کے لوٹنے سے سنی جاتی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام پر خصوصی فضل وانعام کی حیثیت میں ذکر فرمایا ہے۔ آواز باز گشت میں کسی کی فضیلت و خصوصیت سے کیا تعلق ہے۔ وہ تو ہر انسان چاہے کافر ہی ہو باز گشت کی جگہ میں اس کی آواز بھی لوٹتی ہے۔

وَالطَّیْرَ، یہ لفظ نحوی ترکیب میں سخرنا محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (روح) معنی یہ ہیں کہ ہم نے پرندوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ مراد اس تسخیر سے یہ ہے کہ پرندے بھی آپ کی آواز پر ہوا میں جمع ہو جاتے...... اور آپ کے ساتھ پہاڑوں کی طرح تسبیح کرتے تھے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً۔ "یعنی ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کا مسخر کر دیا تھا کہ صبح شام ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا۔

وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ۔ یہ دوسرا معجزہ ہے کہ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا تھا۔ حسن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ کے لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح نرم بنا دیا تھا کہ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی۔ آگے آیت میں اس کا بیان ہے کہ لوہے کو ان کے لئے نرم اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ لوہے کی زرہ آسانی سے بنا سکیں اور ایک دوسرے آیت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زرہ سازی کی صنعت آپ کو خود سکھائی تھی وَ عَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ "یعنی ہم نے سکھائی ان کو صنعت زرہ بنانے کی" اور اس آیت میں بھی آگے جو قدر فی السرد آیا ہے یہ بھی اس صنعت کے سکھانے کی تکمیل ہے۔ لفظ قدر تقدیر سے مشتق ہے جس کے معنی ایک اندازے پر بنانے کے ہیں اور سرد کے لفظی معنی بننے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زرہ کے بنانے میں ان کی کڑیوں کو متوازن اور متناسب بنائیں۔ کوئی چھوٹی کوئی بڑی نہ ہو تاکہ وہ مضبوط بھی بنے اور دیکھنے میں بھی بھلی معلوم ہو، قدر فی السرد کی یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔

(ابن کثیر)

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صنعت میں ظاہری خوش حالی کی رعایت بھی پسندیدہ چیز ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص ہدایت فرمائی۔

فائدہ دوم: بعض حضرات نے قدر فی السرد کی تفسیر میں تقدیر سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے ایک مقدار وقت کی معین کر لینا چاہئے۔ سارے اوقات اس میں صرف نہ ہو جائیں تاکہ عبادت اور امور سلطنت میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے۔ اس تفسیر پر معلوم ہوا کہ صنعت کار اور محنت کش لوگوں کو بھی یہ چاہئے

کہ عبادت اور اپنی معلومات حاصل کرنے کے لئے اپنے کام سے کچھ وقت بچایا کریں اور اوقات کا انضباط رکھیں۔ (روح المعانی)

صنعت و حرفت کی بڑی فضیلت ہے:

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اشیاء ضرورت کی ایجاد و صنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا اور اپنے عظیم الشان پیغمبروں کو سکھلایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھانا اسی آیت سے ثابت ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کی صنعت اسی طرح سکھائی گئی۔ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا، "یعنی ہمارے سامنے کشتی بناؤ" سامنے بنانے کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح ہم بتلاتے ہیں اسی طرح بناؤ۔ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختلف صنعتیں سکھانا بعض روایات سے ثابت ہے۔ الطب النبویؐ کے نام سے ایک کتاب امام حدیث حافظ شمس الدین ذہبی کی طرف نسبت کے ساتھ چھپی ہے اسمیں تو ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ انسانی زندگی کے لئے جتنی اہم اور ضروری صنعتیں ہیں مثلاً مکان بنانا، کپڑا بننا، درخت بونا اور اگانا، کھانے کی چیزیں تیار کرنا حمل و نقل کے لئے پہیوں کی گاڑی بنا کر چلانا وغیرہ یہ سب ضروری صنعتیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے انبیاء علیہم السلام کو سکھلائی تھیں۔

صنعت پیشہ لوگوں کو حقیر سمجھنا گناہ ہے:

عرب میں مختلف آدمی مختلف صنعتیں اختیار کرتے تھے۔ کسی صنعت کو حقیر یا ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا اور پیشہ و صنعت کی بنیاد پر کسی شخص کو کم یا زیادہ نہ سمجھا جاتا تھا نہ پیشوں کی بنیاد پر کوئی برادری بنتی تھی۔ پیشوں کی بنیاد پر برادریاں بنانا اور بعض پیشوں کو بحیثیت پیشہ حقیر و ذلیل سمجھنا یہ ہندوستان میں ہندوؤں کی پیداوار ہے۔ ان کے ساتھ

رہنے سہنے سے مسلمانوں میں بھی یہ اثرات قائم ہو گئی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو صنعت زرہ سکھانے کی حکمت :

تفسیر ابن کثیر میں امام حدیث حافظ ابن عساکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی خلافت و سلطنت کے زمانہ میں بھیس بدل کر بازاروں وغیرہ میں جاتے، اور مختلف اطراف سے آنے والے لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ داؤد کیسا آدمی ہے۔ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت میں عدل وانصاف عام تھا اور سب انسان آرام و عیش کے ساتھ گذارہ کرتے تھے کسی کو حکومت سے کوئی شکایت نہ تھی، اس لئے جس سے سوال کرتے وہ داؤد علیہ السلام کی مدح و ثناء اور عدل و انصاف پر اظہار شکر کرتا تھا۔

حق تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لئے اپنے ایک فرشتے کو بشکل انسان بھیج دیا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام اس کام کے لئے نکلے تو یہ فرشتہ ان سے ملا، حسب عادت اس سے بھی وہی سوال کیا۔ فرشتے نے جواب دیا کہ داؤد بہت اچھا آدمی ہے اور سب آدمیوں سے وہ اپنے نفس کے لئے بھی اور اپنی امت ورعیت کے لئے بھی بہتر ہے مگر اس میں ایک عادت ایسی ہے کہ وہ نہ ہوتی وہ بالکل کامل ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے پوچھا کیا عادت ہے؟ فرشتے نے کہا کہ وہ اپنا کھانا پینا اور اپنے اہل وعیال کا گذارہ مسلمانوں کے مال یعنی بیت المال میں سے لیتے ہیں۔

یہ بات سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف الحاح وزاری اور دعاء کا اہتمام کیا کہ مجھے کوئی ایسا کام سکھادیں جو میں اپنے ہاتھ کی مزدوری سے پورا کروں اور اس کی اجرت سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گذارہ کروں اور مسلمانوں کی خدمت اور سلطنت کے تمام کام بلا معاوضہ کروں۔ ان کی دعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا،

ان کوزرہ سازی کی صنعت سکھادی اور پیغمبرانہ اعزاز یہ دیا کہ لوہے کو ان کے لئے موم بنادیا تاکہ یہ صنعت بہت آسان ہو جائے اور تھوڑے وقت میں اپنا گذارہ پیدا کر کے باقی وقت عبادت اور امور سلطنت میں لگا سکیں۔

مسئلہ: خلیفہ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گذارہ بیت المال سے لے لے لیکن کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو سکے تو وہ زیادہ پسند ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالی نے ساری دنیا کے خزانے کھول دیئے تھے اور زر و جواہرات اور تمام اشیاء ضرورت کی بڑی فراوانی تھی اور اللہ تعالی کی طرف سے ان کو بیت المال کے مال میں حسب منشاء ہر تصرف کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔ آیت فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ عَلَيْكَ بِغَيْرِ حِسَابٍ میں یہ بھی اطمینان دلایا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں آپ کے ذمہ حساب دینا نہیں ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کو حق تعالی جس مقام بلند پر رکھنا چاہتے ہیں اس کے تقاضہ سے یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اتنی بڑی سلطنت کے ہوتے ہوئے اپنی مزدوری سے اپنا گذارہ پیدا کرتے اور اسی پر قناعت کرتے تھے۔

علماء جو تعلیم و تبلیغ مفت انجام دیتے ہوں اور قاضی و مفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ بیت المال سے اپنا خرچ لے سکتے ہیں مگر کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو جو دینی خدمت میں خلل انداز بھی نہ ہو تو وہ بہتر ہے۔

جہاد کی بدولت حضرت داؤد کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عالم گیر خلافت نصیب ہوئی کہ ہوا اور جنات بھی ان کے تابع فرمان تھے

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ٥ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ٥ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ٥ وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ٥ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ٥

اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصل کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند گئیں اس کو رات میں ایک قوم کی بکریاں اور سامنے تھا ہمارے ان کا فیصلہ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ اور تابع کئے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ، تسبیح پڑھا کرتے اور اڑتے جانور اور یہ سب کچھ ہم نے کیا اور اس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی میں سو کچھ تم شکر کرتے ہو اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی اس کے حکم سے اس زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے اور تابع کئے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے اس کے واسطے اور بہت سے کام بناتے اس کے سوائے اور ہم نے ان کو تھام

رکھا تھا۔

معارف و مسائل :

نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ، لفظ نفش کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے یہ ہے کہ رات کے وقت کوئی جانور کسی کے کھیت پر جا پڑے اور نقصان پہنچائے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ، فهمنها کی ضمیر بظاہر مقدمہ اور اس کے فیصلہ کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو فیصلہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھا اللہ تعالی نے وہ حضرت سلیمانؑ کو سمجھادیا۔ اس مقدمہ اور فیصلہ کی صورت اوپر خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی از روئے قانون شرعی غلط نہیں تھا مگر جو فیصلہ اللہ تعالی نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھایا اس میں فریقین کی رعایت اور مصلحت تھی، اس لئے اللہ تعالی کے نزدیک وہ پسندیدہ قرار دیا گیا۔ امام بغوی نے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ اور زہری سے اس واقعہ کی روایت اس طرح کی ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک شخص بکریوں والا دوسرا کھیتی والا تھا۔ کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا کچھ نہیں چھوڑا (غالباً مدعا علیہ نے اس کا اقرار کر لیا ہوگا اور بکریوں کی پوری قیمت اس کے ضائع شدہ کھیت کی قیمت کے برابر ہوگی اس لئے) حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنادیا کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دے (کیونکہ جو چیزیں قیمت ہی کے ذریعہ لی اور دی جاتی ہیں جن کو عرف فقہاء میں ذوات کہا جاتا ہے وہ اگر کسی نے ضائع کر دی تو اس کا ضمان قیمت ہی کے حساب سے دیا جاتا ہے۔ بکریوں کی قیمت چونکہ ضائع شدہ کھیتی کی قیمت کے مساوی تھی اس لئے یہ ضابطہ کا فیصلہ فرمایا گیا) یہ دونوں

مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو (دروازے پر ان کے صاحبزادے) حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا۔ ان لوگوں نے بیان کر دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مقدمہ کا فیصلہ میں کرتا تو اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا جو فریقین کے لئے مفید اور نافع ہوتا پھر خود والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا وہ کیا فیصلہ ہے جو دونوں کے لئے اس فیصلہ سے بہتر ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ بکریاں تو سب کھیت والے کو دے دیں کہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت کی زمین بکریوں والے کے سپرد کریں کہ وہ اس میں کاشت کر کے کھیت اگائے۔ یہ کھیت اس حالت پر آجائے جس پر بکریوں نے کھایا تھا تو کھیت والے کو دلوادیں اور بکریاں بکری والے کو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلہ کو پسند فرما کر کہا کہ اب فیصلہ یہی رہنا چاہیے اور فریقین کو بلا کر دوسرا فیصلہ نافذ کر دیا (مظہری وقرطبی وغیرہ)

کیا فیصلہ دینے کے بعد کسی قاضی کا فیصلہ توڑا اور بدلا جاسکتا ہے؟ :

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام جب ایک فیصلہ دے چکے تھے تو سلیمان علیہ السلام کو اس کے توڑنے کا کیا حق تھا اور اگر خود حضرت داؤد علیہ السلام ہی نے ان کا فیصلہ سن کر اپنے سابق فیصلہ کو توڑا اور دوسرا جاری کیا تو کیا قاضی کو اس کی اختیار ہے کہ ایک فیصلہ دے دینے کے بعد اس کو توڑ دے اور فیصلہ بدل دے۔

قرطبیؒ نے اس جگہ اس طرح کے مسائل پر بڑی تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔ خلاصہ اس کی یہ ہے کہ اگر کسی قاضی نے نصوص شرعیہ اور جمہور امت کے خلاف کوئی غلط فیصلہ محض اٹکل سے دے دیا ہے تو وہ فیصلہ باتفاق امت مردود وباطل ہے۔ دوسرے قاضی کو اس کے خلاف فیصلہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب اور اس قاضی کا معزول کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر ایک قاضی کا فیصلہ شرعی اجتہاد پر مبنی اور اصول اجتہاد کے ماتحت تھا تو کسی دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کا توڑنا جائز نہیں کیونکہ اگر ایسا کیا جائے گا تو فساد عظیم ہوگا اور اسلامی قانون ایک کھیل بن جائے گا اور روز حلال وحرام بدلا کریں گے البتہ اگر خود اسی فیصلہ دینے والے قاضی کو بعد اس کے کہ اصول اجتہاد کے تحت وہ ایک فیصلہ نافذ کر چکا ہے اب از روئے اجتہاد یہ نظر آئے کہ پہلے فیصلے اور پہلے اجتہاد میں غلطی ہو گئی ہے تو اس کا بدلنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جو ایک مفصل خط حضرت ابو موسی اشعری کے نام قضا اور فصل مقدمات کے اصول پر مشتمل لکھا تھا اس میں اس کی تشریح ہے کہ فیصلہ دینے کے بعد اجتہاد بدل جائے تو پہلے فیصلہ کو بدل دینا چاہیے۔ یہ خط دار قطنی نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (قرطبی ملخصاً) اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط باب القضاء میں بھی یہ خط مفصل دیا ہے۔

اور امام تفسیر مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کے فیصلہ اپنی اپنی جگہ ہیں، اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ ضابطہ کا فیصلہ تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو فرمایا وہ در حقیقت مقدمہ کا فیصلہ نہیں بلکہ فریقین میں صلح کرانے کا ایک طریقہ تھا اور قرآن میں والصلح خیر کا ارشاد وارد ہے۔ اس لئے یہ دوسری صورت اللہ کے نزدیک

پسندیدہ ٹھہری (مظہری)

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپ کے پاس دو فریق کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ کسی بات پر صلح کرانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ ناممکن ہو جائے تو اپنی شرعی فیصلہ جاری کریں اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف ہوا ہو دب تو جاتا ہے مگر ان دونوں میں بغض و عداوت کا بیج قائم ہو جاتا ہے جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہئے بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دور ہو جاتی ہے۔ (از معین الحکام)

مجاہد کے اس قول پر یہ معاملہ قاضی کے فیصلہ کو توڑنے اور بدلنے کا نہیں رہا بلکہ فریقین کو جو حکم سنایا تھا وہ ابھی گئے بھی نہ تھے کہ ایک صورت مصالحت کی نکل آئی اور وہ دونوں اس پر راضی ہو گئے۔

دو مجتہد اگر اپنے اپنے اجتہاد سے دو متضاد فیصلے کریں تو کیا ان میں سے ہر ایک صواب اور درست ہے یا کسی ایک کو غلط کہا جائے

اس موقع پر قرطبی نے بڑی تفصیل سے اور دوسرے مفسرین نے مفصل یا مختصر یہ بحث بھی کی ہے کہ ہر مجتہد ہمیشہ مصیب ہی ہوتا ہے اور دو متضاد اجتہاد ہوں تو دونوں کو حق سمجھا جائے گا یا ان میں سے ایک فیصلہ کو خطاء اور غلط قرار دیا جائے گا اس میں قدیم زمانے سے علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ آیت مذکورہ سے دونوں جماعتوں نے استدلال کیا ہے۔ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ دونوں اجتہاد حق ہیں اگرچہ متضاد ہوں ان کا استدلال آیت کے آخری جملے سے ہے جس میں فرمایا و کلا اتیناہ حکما و علما۔ اس میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کو حکمت اور علم عطا کرنے کا ارشاد ہے

حضرت داؤد علیہ السلام پر کوئی عتاب نہیں ہے نہ ان کو یہ کہا گیا کہ ان سے غلطی ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی حق تھا اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی، البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو فریقین کے لئے اصلح ہونے کی بنا پر ترجیح دے دی گئی۔ اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف اجتہادی کے مواقع میں حق ایک طرف ہوتا ہے دوسرا غلط ہوتا ہے ان کا استدلال اسی آیت سے پہلے جملے سے یعنی ففهمنا سليمان کہ اس میں تخصیص کر کے حضرت سلیمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو حق فیصلہ سمجھا دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ حق نہ تھا گو وہ بوجہ اپنے اجتہاد کے اس میں معذور ہوں اور ان سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو۔ یہ بحث اصول فقہ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے آئی ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اجتہاد کیا اور کوئی حکم دینی اصول اجتہاد کے ماتحت بیان کیا اگر اس کا اجتہاد صحیح نہ ہوا اس سے خطا ہو گئی تو پھر اس کو ایک اجر اجتہاد کی محنت کا ملے گا دوسرا اجر جو اصل حکم صحیح تک پہنچنے کا تھا وہ نہ ملے گا (یہ حدیث اکثر مستند کتب حدیث میں منقول ہے) اس حدیث سے اس اختلاف علماء کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت یہاں اختلاف ایک نزاع لفظی جیسا ہے کیونکہ حق دونوں طرف ہونے کا حاصل یہ ہے کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے مجتہد اور اس کے متبعین کے لئے بھی اجتہاد حق و صحیح ہے اس پر عمل کرنے سے ان کی نجات ہو جائے گی خواہ یہ اجتہاد اپنی ذات میں خطا ہی ہو مگر اس پر عمل کرنے والوں کو کوئی گناہ نہیں اور جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حق ان دونوں میں ایک ہی ہے دوسرا غلط اور خطا ہے اس کا حاصل بھی اس سے زیادہ نہیں کہ اصل مراد حق تعالیٰ اور مطلوب خداوندی تک نہ پہنچنے کی وجہ سے اس

مجتہد کے ثواب میں کمی آجائے گی اور یہ کمی اس وجہ سے۔ ہے کہ اس کا اجتہاد حق بات تک نہ پہنچالیکن یہ مطلب ان کا بھی نہین ہے کہ مجتہد خاطی پر کوئی ملامت ہو گی یا اس کے تبعین کو گناہ گار کہا جائے گا۔ تفسیر قرطبی میں اس مقام پر ان تمام مباحث کو پوری تفصیل سے لکھا ہے اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ فقہیہ کہ اگر کسی کے جانور دوسرے آدمی کے جان یامال کو نقصان پہنچادیں تو فیصلہ کیا ہونا چاہئے

حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جانور کے مالک پر ضمان آئے گا اگر یہ واقعہ رات میں ہوا ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ داؤد علیہ السلام کی شریعت کا جو فیصلہ ہو وہی شریعت محمدیہ میں رہے۔ اسی لئے اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر رات کے وقت کسی کے جانور کسی دوسرے کے کھیت میں داخل ہو کر نقصان پہنچادیں تو جانور کے مالک پر ضمان آئے گا اور اگر دن میں ایسا ہو تو ضمان نہیں آئے گا۔ ان کا استدلال حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ سے بھی ہو سکتا ہے مگر شریعت محمدیہ کے اصول کے تحت انہوں نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا ہے جو موطا امام مالک سے مرسلاً منقول ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ کی ناقہ ایک شخص کے باغ میں داخل ہو گئی اور اس کو نقصان پہنچادیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغوں اور کھیتوں کی حفاظت رات میں ان کے مالکوں کے ذمہ ہے اور ان کی حفاظت کے باوجود اگر رات کو کسی کے جانور نقصان پہنچادیں تو جانور کے مالک پر ضمان ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ اور فقہاء کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت جانوروں کے ساتھ ان کا چرانے والا یا حفاظت کرنے والا کوئی آدمی موجود ہو اس نے غفلت کی اور جانوروں نے کسی کے باغ یا کھیت کو نقصان پہنچادیا اس

صورت میں تو جانور کے مالک پر ضمان آتا ہے خواہ یہ معاملہ رات میں ہو یا دن میں اور اگر مالک یا محافظ جانوروں کے ساتھ نہ ہوں جانور خود ہی نکل گئے اور کسی کے کھیت کو نقصان پہنچادیا تو جانور کے مالک پر ضمان نہیں معاملہ دن اور رات کا اس میں بھی برابر ہے۔ امام اعظمؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حدیث بخاری و مسلم اور تمام محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جرح العجما جبار (یعنی جانور جو کسی کو نقصان) پہنچائے وہ قابل مواخذہ نہیں یعنی جانور کے مالک پر اس کا ضمان نہیں ہے (بشر طیکہ جانور کا مالک یا محافظ اس کے ساتھ نہ ہو جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے) اس حدیث میں دن رات کی تفریق کے بغیر عام قانونی شرعی یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر جانور کے مالک نے خود اپنے قصد وارادے سے کسی کے کھیت میں نہیں چھوڑا جانور بھاگ کر چلا گیا تو اس کے نقصان کا ضمان جانور کے مالک پر نہیں ہوگا اور حضرت براء بن عازب کے واقعہ کی روایت کی سند میں فقہاء حنفیہ نے کلام کیا ہے اور فرمایا کہ اس کو صحیحین کی حدیث مذکور کے مقابلے میں حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح:

وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ. حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالی نے ظاہری کمالات میں سے ایک کمال حسن صوت کا بھی عطا فرمایا تھا جب وہ زبور پڑھتے تھے تو پرندے ہوا میں ٹھہرنے لگتے تھے اور ان کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے تھے اسی طرح پہاڑ اور ہر شجر و مدر سے تسبیح کی آواز نکلنے لگتی تھی، خوش آوازی کا کمال تو ظاہری کمالات میں سے تھا اور پرندوں اور پہاڑوں کا تسبیح میں شریک ہو جانا تسخیر خداوندی بطور معجزہ کے تھا اور معجزہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں

کہ پرندوں اور پہاڑوں میں حیات و شعور ہو بلکہ بطور معجزہ ہر غیر ذی شعور میں بھی شعور پیدا ہو سکتا ہے اس کے علاوہ تحقیق یہی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی حیات و شعور بقدر ان کی حیثیت کے موجود ہے۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابو موسی اشعریؓ بہت خوش آواز تھے ایک روزہ وہ قرآن پڑھ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کی طرف ہوا تو آپ ان کی تلاوت سننے کے لئے ٹھہر گئے اور سنتے رہے پھر فرمایا کہ انکو اللہ تعالی نے خوش آوازی حضرت داؤد علیہ السلام کی عطا فرمائی ہے۔ جب ابو موسیؓ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاوت سن رہے تھے تو عرض کیا کہ اگر مجھے آپ کا سننا معلوم ہو جاتا تو میں اور زیادہ سنوار کر پڑھنے کی کوشش کرتا۔ (ابن کثیر)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن میں حسن صوت اور اچھا لہجہ جس سے دلکشی پیدا ہو ایک درجہ میں مطلوب و محبوب ہے بشرطیکہ آج کل کے قراء کی طرح اس میں غلو نہ ہو کہ صرف آواز ہی سنوارنے اور لوگوں کو لبھانے کی فکر رہ جائے تلاوت کا اصل مقصد ہی غائب ہو جائے واللہ اعلم۔

زرہ بنانے کی صنعت حضرت داؤد علیہ السلام کو منجانب اللہ عطا کی گئی۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لفظ لبوس لغت کے اعتبار سے اسلحہ میں سے ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان اوڑھ کر یا گلے میں ڈال کر استعمال کرے۔ مراد اس جگہ آہنی زرہ ہے جو جنگ میں حفاظت کے لئے پہنی جاتی ہے دوسری آیت میں ہے وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ یعنی ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا خواہ اس طرح کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر خود بخود نرم ہو جاتا ہو کہ اس کو جس طرح موڑیں مڑ جائے اور باریک یا موٹا کرنا

چاہیں تو ہو جائے جیسے موم ہوتا ہے یا اس طرح کہ انکو آگ میں پگھلا کر نرم کرنے کی تدبیر بتلادی جو سب لوہے کے کارخانوں میں آج استعمال کی جاتی ہے۔

ایسی صنعت جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے مطلوب اور فعل انبیاءؑ ہے

اس آیت میں زرہ سازی کی صنعت داؤد علیہ السلام کو سکھانے کے ذکر کے ساتھ ان کی حکمت بھی یہ بتلائی ہے لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ یعنی تاکہ یہ زرہ تمہیں جنگ کے وقت تیز تلوار کے خطرہ سے محفوظ رکھ سکے۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے کہ جس سے اہل دین اور اہل دنیا سب کو کام پڑتا ہے۔ اس لئے اس صنعت کے سکھانے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک انعام قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس صنعت کے ذریعہ لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں اس کا سیکھنا سکھانا داخل ثواب ہے بشرطیکہ نیت خدمت خلق کی ہو صرف کمائی ہی مقصد نہ ہو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سے مختلف قسم کی صنعتوں کا عمل کرنا منقول ہے حضرت آدم علیہ السلام سے کھیتی بونے کاٹنے کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو صنعتکار اپنی صنعت میں نیت نیک یعنی خدمت خلق کی رکھے اس کی مثال ام موسیؑ کی سی ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بچہ کو دودھ پلایا اور معاوضہ فرعون کی طرف سے مفت میں ملا اسی طرح خدمت خلق کی نیت سے صنعتکاری کرنے والے کو اپنا مقصد ثواب خدمت خلق تو حاصل ہوگا ہی صنعت کا نفع دنیوی مزید براں اس کو ملے گا۔ یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں سورہ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔

☆☆☆

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تسخیر اور اس کے متعلقہ مسائل

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کا یہ واقعہ پیش آیا کہ لشکری گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر عصر کی نماز فوت ہو گئی تو اپنی اس غفلت پر افسوس ہوا اور یہ گھوڑے جو اس غفلت کا سبب بنے تھے ان کو بیکار کر کے چھوڑ دیا چونکہ ان کا یہ عمل اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہوا تھا اس لئے اللہ تعالی نے انکو گھوڑوں سے بہتر اور تیز رفتار سواری ہوا کی عطا فرمادی۔ اس واقعہ کی تفصیل اور اس سے متعلق آیات کی تفسیر سورہ ص میں آئے گی انشاء اللہ تعالی۔

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً یہ جملہ سابقہ سخرنا مع داود پر عطف ہے یعنی جیسے اللہ تعالی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا جو ان کی آواز کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا جس پر سوار ہو کر وہ جہاں چاہتے بہت جلد آسانی سے پہنچ جاتے تھے۔ اس جگہ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ تسخیر داؤد علیہ السلام میں تو لفظ مع استعمال فرمایا کہ ان کے ساتھ پہاڑوں پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اور یہاں حرف لام کے ساتھ فرمایا کہ ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا اس میں لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ دونوں تسخیروں میں فرق تھا۔ داؤد علیہ السلام جب تلاوت کرتے تو پہاڑ اور پرندے خود بخود تسبیح کرنے لگتے تھے ان کے حکم کے منتظر نہ رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو ان کے حکم کے تابع بنا دیا گیا کہ جب چاہیں جس وقت چاہیں جس طرف چاہیں ہوا کو حکم دے دیا اس نے پہنچادیا پھر جہاں اترنا چاہیں وہاں اتار دیا پھر جب واپس چلنے کا حکم ہوا واپس پہنچادیا۔ (روح عن

البیضاوی)

تفسیر ابن کثیر میں تخت سلیمان علیہ السلام جو ہوا پر چلتا تھا اس کی کیفیت یہ بیان کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے لکڑی کا ایک بہت بڑا وسیع تخت بنوایا تھا جس پر خود مع اعیان سلطنت اور مع لشکر اور آلات حرب کے سب سوار ہو جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ اس عظیم الشان وسیع و عریض تخت کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر جہاں کا حکم ہوتا وہاں جا کر اتار دیتی تھی۔ یہ ہوائی تخت صبح سے دوپہر تک ایک مہینہ کی مسافت طے کرتا تھا اور دوپہر سے شام تک ایک مہینہ کی یعنی ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت ہوا کے ذریعہ طے ہو جاتی تھی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اس تخت سلیمانی پر چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں جس میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اہل ایمان انسان سوار ہوتے تھے اور ان کے پیچھے اہل ایمان جن بیٹھتے تھے پھر پرندوں کو حکم ہوتا کہ وہ اس پورے تخت پر سایہ کرلیں تاکہ آفتاب کی تپش سے تکلیف نہ ہو پھر ہوا کو حکم دیا جاتا تھا وہ اس عظیم الشان مجمع کو اٹھا کر جہاں کا حکم ہوتا پہنچا دیتی تھی اور بعض روایات میں ہے کہ اس ہوائی سفر کے وقت پورے راستہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام سر جھکائے ہوئے اللہ ذکر و شکر میں مشغول رہتے تھے دائیں بائیں کچھ نہ دیکھتے تھے اور اپنے عمل سے تواضع کا اظہار فرماتے تھے۔ (ابن کثیر)

عاصفہ ریح عاصفہ کے لفظی معنی سخت اور تیز ہوا کے ہیں قرآن کریم کی دوسری آیت میں اس ہوا کی صفت رخاء بیان کی گئی ہے جس کے معنی نرم ہوا کے ہیں جس سے نہ غبار اڑے نہ فضا میں تلاطم پیدا ہو۔ بظاہر یہ دو متضاد صفتیں ہیں لیکن دونوں صفتوں کا جمع ہونا اس طرح ممکن ہے کہ یہ ہوا اپنی ذات میں بڑی سخت اور تیز ہو جس کی وجہ سے چند گھنٹوں میں ایک مہینہ کی مسافت طے کر سکے لیکن قدرت حق تعالی نے

اس کو ایسا بنادیا ہو کہ اس سے فضا میں تلاطم نہ پیدا ہو چنانچہ اس کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کہ جس فضا میں یہ تخت روانہ ہوتا تھا وہاں کسی پرندے کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کے لئے تسخیر جنات و شیاطین :

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کردیا شیاطین جن میں سے ایسے لوگوں کو جو دریاؤں میں غوطہ لگا کر سلیمان علیہ السلام کے لئے جواہرات نکال کر لاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے جن میں سے بعض کا ذکر دوسری آیات میں آیا ہے۔ **یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب** یعنی بناتے ہیں حضرت سلیمان کے لئے محرابیں اور شاندار مکانات اور مورتیں اور پتھر کے بڑے بڑے پیالے جو حوض کی طرح کام دیں ان سے سلیمان علیہ السلام بڑی مشقت کے کام بھی لیتے تھے اور عجیب و غریب صنعتوں کے بھی اور ہم ہی ان کے محافظ تھے۔

شیاطین وہ آگ کے بنے ہوئے اجسام لطیفہ ہیں جو عقل و شعور رکھتے ہیں اور انسان کی طرح احکام شرع کے مکلف ہیں۔ اس نوع کے لئے اصل لفظ جن یا جنات استعمال ہوتا ہے۔ ان میں جو ایمان قبول نہ کریں کافر ہیں انکو شیاطین کہا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تو سبھی جنات تھے خواہ مومن ہوں یا کافر مگر مومنین تو تسخیر کے بغیر بھی سلیمان علیہ السلام کے احکام کی تعمیل ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے کرتے تھے ان کے لئے تسخیر کے ذکر کی ضرورت نہیں اس لئے تسخیر میں صرف شیاطین یعنی کفار جنات کا ذکر فرمایا کہ وہ باوجود اپنے کفر و سرکشی کے زبردستی حضرت سلیمان کے تابع فرمان رہتے تھے اور شاید اسی لئے آیت

کے آخر میں یہ جملہ بڑھایا گیا کہ ہم ہی ان کے محافظ تھے ورنہ کفار جنات سے تو ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ وہ کوئی نقصان نہ پہنچادیں مگر حفاظت خداوندی کا پہرہ ان پر لگا ہوا تھا اس لئے کوئی گزند نہ پہنچا سکتے تھے۔

ایک لطیفہ :

حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے تو حق تعالی نے سب سے زیادہ سخت اور کثیف اجسام کو مسخر فرمایا جن میں پہاڑ اور لوہا جیسی سخت چیزیں شامل ہیں اس کے بالمقابل سلیمان علیہ السلام کے لئے ایسے اجسام لطیفہ کو مسخر فرمایا جو دیکھنے میں بھی نہ آسکیں جیسے ہوا اور جنات اسمیں حق تعالی کی قدرت کاملہ کا ہر قسم کی مخلوق پر حاوی ہونا واضح کیا گیا ہے (تفسیر کبیر للرازی)

چرند و پرند بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے اور وہ ان کی بولی جانتے تھے

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ عِلْماً وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ○ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ○ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰى اِذَا اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكاً مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضٰهُ

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ○

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے بے شک یہی ہے فضیلت صریح۔ اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اس کے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور پھر ان کی جماعتیں بنائی جاتیں یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے گھروں میں نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اس کی فوجیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو پھر مسکرا کر ہنس پڑا اس کی بات سے اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔

تفسیر: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم انبیاء ہیں جو نبوت ورسالت سے متعلق ہوتے ہیں اس کے عموم میں دوسرے علوم وفنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں جیسے حضرت داود علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھادی گئی تھی۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام زمرۂ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو نبوت ورسالت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی۔ ان سب عظیم الشان نعمتوں سے پہلے حق تعالی کی نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نعمت علم تمام دوسری نعمتوں سے فائق اور بالاتر

ہے۔(قرطبی)

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ،وَرِثَ سے وراثت علم اور نبوت مراد ہے۔ وراثت مال نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَآءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوَرَثُ یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابو الدرداءؓ سے ترمذی اور ابوداوٗد میں روایت ہے العلماء ورثة الانبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابو عبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کردیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داوٗد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت سے مال مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں انیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے۔ اگر وراثت مال مراد ہو تو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے۔ پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہوسکتی ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کا ملک و سلطنت بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمادیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کردیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش وطیور تک عام کردی، ہوا کو آپ کے لئے مسخر کردیا، ان دلائل کے بعد طبرسی کی وہ روایت غلط ہوجائے گی جس میں انہوں نے

بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے۔(روح)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم انبیاء صلی اس علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے اور یہود یہ فاصلہ ایک ہزار چار سو سال کا بتاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر پچاس سال سے کچھ اوپر ہوئی ہے (قرطبی)

اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبرانہ ہو:

علمنا منطق الطیر واوتینا الخ حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رعب پڑے اور رعایا اطاعت خداوندی اور اطاعت حضرت سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء، حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ سیاسۃً اور اظہار نعمت کی غرض سے ہو تکبرو تعلّی کے لئے نہ ہو۔

پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل وشعور ہے:

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پرندے، چرندے اور تمام حیوانات میں بھی عقل وشعور کسی درجہ میں موجود ہے۔ البتہ ان کی عقول اس درجہ کی نہیں کہ ان کو احکام شرع کا مکلف بنایا جاتا اور انسان اور جنات کو عقل وشعور کا وہ کامل درجہ عطا ہوا ہے جس کی بناء پر وہ اللہ تعالی سے مخاطب ہو سکیں اور ان پر عمل کر سکیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کبوتر سب پرندوں میں زیادہ عقل مند ہے۔ ابن عطیہ نے فرمایا کہ چیونٹی ذہین عقل مند جانور ہے۔ اس کی قوت شامہ بڑی تیز ہے۔ جو کوئی دانہ اس کے قبضہ میں آتا ہے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ اگے نہیں اور سردی کے زمانے کے لئے اپنی

غذا کا ذخیرہ جمع کرتی ہے (قرطبی)

فائدہ: آیت میں منطق الطیر یعنی پرندوں کی بولی کی تخصیص ہدہد کے واقعہ کی وجہ سے ہے جو پرندہ ہے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندے، چرندے اور تمام حشرات الارض کی بولیاں سکھائی گئی تھیں۔ جیسا کی اگلی آیت میں چیونٹی کی بولی سمجھنے کا ذکر موجود ہے۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر مختلف پرندوں کی بولیاں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس پر یہ فرمانا کہ یہ پرندہ یہ بات کہہ رہا ہے تفصیل سے نقل کیا ہے اور تقریباً ہر پرندہ کی بولی کوئی نصیحت کا جملہ ہے۔

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ لفظ کل اصل لغت کے اعتبار سے افراد جنس کو عام ہوتا ہے مگر بسا اوقات عموم کلی مراد نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص مقصد کی حد تک عموم مراد ہوتا ہے جیسا یہاں مراد ان اشیاء کا عموم ہے جن کی سلطنت و حکومت میں ضرورت ہوتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز، موٹر، ریل وغیرہ ان کے پاس نہ تھے۔
رَبِّ اَوْزِعْنِيْ، وزع سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی روکنے کے ہیں، مطلب اس جگہ یہ ہے کہ مجھے اس کی توفیق دے دیجئے کہ میں شکر نعمت کو ہر وقت ساتھ رکھوں۔ اس سے کسی وقت جدا نہ ہوں، جس کا حاصل مداومت اور پابندی ہے، اس سے پہلی آیت میں فهم يوزعون اسی معنی میں آیا ہے کہ لشکر کو کثرت کی وجہ سے انتشار سے بچانے کے لئے روکا جاتا تھا۔

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ یہاں رضا بمعنی قبول ہے، معنی یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو۔ روح المعانی میں اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازمی نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے، اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً

کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کے بھی دعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم واسمعیل علیہم السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی، ربنا تقبل منا،اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہیے۔ اللہ تعالی سے یہ بھی دعا کرے کہ اس کو قبول فرمادے۔

عمل صالح اور مقبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا بغیر فضل خداوندی کے نہیں ہوگا

وَادۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِكَ فِیۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیۡنَ عمل صالح اور اس کے قبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا خدا تعالی کے فضل وکرم ہی سے ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے بھروسہ پر جنت میں داخل نہیں ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ لیہ وسلم آپ بھی! تو آپؐ نے فرمایاہاں میں بھی، لیکن مجھے میرے خدا کی رحمت اور فضل گھیرے ہوئے ہے۔

(روح المعانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان کلمات میں دخول جنت کے لئے فضل ربی کی دعا فرمارہے ہیں یعنی اے اللہ، مجھے وہ فضل بھی عطا فرما جس سے جنت کا مستحق ہوجاؤں۔

☆☆☆

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمن کی حکمران بلقیس کو معہ اپنی قوم کے اسلام کی دعوت دی اور خلاف ورزی پر جہاد کی دھمکی دی تو وہ معہ اپنے اراکین دولت کے مسلمان ہو گئی

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ○ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ○ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ○ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ○ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ○ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ○ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ○ قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ○ اذْهَبْ بِكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ○

اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہدہد کو یا ہے وہ غائب اس کو سزا دوں گا سخت سزا یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح پھر بہت دیر نہ کی کہ آکر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا کی ایک خبر لے کر تحقیقی میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے اور اس کا ایک تخت ہے بڑا میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے اور بھلے دکھلا رکھے ہیں اس کو شیطان نے ان کے

کام پھر روک دیا ہے ان کو رستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوائے پروردگار تخت بڑے کا۔ سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان کے پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں

معارف و مسائل: وتفقد الطیر، تفقد کے لفظی معنی کسی مجمع کے متعلق حاضر و غیر حاضر کی تحقیق کرنے کے ہیں اس لئے اس کا ترجمہ خبر گیری اور نگہبانی سے کیا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالی نے انسانوں کے علاوہ جنات اور وحوش طیور پر حکومت عطا فرمائی تھی اور جیسا کے حکمرانی کا اصول ہے رعایا کے ہر طبقہ کی نگرانی اور خبر گیری حاکم کے فرائض میں سے ہے، اس کے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا تفقد الطیر یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے طیور کا معائنہ فرمایا اور یہ دیکھا کہ ان میں کون حاضر ہے کون غیر حاضر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے حالات سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ جو شخص غیر حاضر ہوتا اگر بیمار ہے تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ تیمار داری کرتے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کے لئے تدبیر فرماتے تھے۔

حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری ضروری ہے:

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر

طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے تھے کہ ہدہد جو طیور میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے طیور کے کم ہے وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا بلکہ خاص ہدہد کے متعلق جو سوال آپ نے فرمایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ زمرۂ طیور میں کم تعداد اور کمزور ہے، اس لئے اپنی رعیت کے کمزوروں پر نظر رکھنے کا زیادہ اہتمام فرمایا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس سنت انبیاء کو پوری طرح جاری کیا۔ راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھرتے تھے کہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، جس شخص کو کسی مصیبت و تکلیف میں گرفتار پاتے اس کی امداد فرماتے تھے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر دریائے فرات کے کنارہ پر کسی بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچے کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔" (قرطبی)

یہ تھے وہ اصول جہان بانی و حکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرامؓ نے ان کو عملاً جاری کر کے دکھلایا اور جس کے نتیجے میں پوری مسلم و غیر مسلم رعایا امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اور ان کے بعد زمین و آسمان نے ایسے عدل و انصاف اور عام دنیا کے امن و سکون اور اطمینان کا یہ منظر نہیں دیکھا۔

ما لی لا اری الھدھد ام کان من الغآئبین حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں ہدہد کو مجمع میں نہیں دیکھتا۔

اپنے نفس کا محاسبہ: یہاں موقع تو یہ فرمانے کا تھا کہ ہدہد کو کیا ہو گیا کہ وہ مجمع میں حاضر نہیں۔ عنوان شائد اس لئے بدلا کہ ہدہد اور تمام طیور کا مسخر ہونا حق تعالیٰ کا ایک خاص انعام تھا۔ ہدہد کی غیر حاضری پر ابتداء میں یہ خوف دل میں پیدا ہوا

کہ شاید میرے کسی قصور سے اس نعمت میں کمی آئی کہ ایک صنف طیور کی یعنی ہدہد غائب ہو گیا اس لئے اپنے نفس سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہوا، جیسا کے مشائخ صوفیاء کا معمول ہے کہ جب ان کو کسی نعمت میں کمی آئے یا کوئی تکلیف و پریشانی لاحق ہو تو وہ اس کے ازالہ کے لئے مادی اسباب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے حق شکر میں کون سی کوتاہی ہوئی جس کے سبب یہ نعمت ہم سے لے لی گئی۔ قرطبی نے اس جگہ بحوالہ ابن عربی ان بزرگوں کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اذا فقدوا ا ما لهم تفقدوا اعمالهم یعنی ان حضرات کو جب اپنی مراد میں کامیابی نہیں ہوتی تو یہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا۔

اس ابتدائی محاسبہ اور غور و فکر کے بعد فرمایا ام کان من الغائبین اس جگہ حرف ام بمعنی بل ہے (قرطبی) معنی یہ ہیں کہ یہ بات نہیں کہ ہدہد کے دیکھنے میں میری نظر نے کوئی خطا کی ہے بلکہ وہ حاضر ہی نہیں۔

طیور میں سے ہدہد کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت :

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ تمام پرندوں میں ہدہد کی تفتیش کی کیا وجہ پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی ایسے مقام میں قیام فرمایا جہاں پانی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزوں کو اور زمین کے اندر بہنے والے چشموں کو دیکھ لیتا ہے۔ مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ تھا کہ ہدہد سے یہ معلوم کریں کہ اس میدان میں پانی کتنی گہرائی میں ہے اور کس جگہ زمین کھودنے سے پانی کافی مل سکتا ہے۔ ہدہد کی اس نشاندہی کے بعد وہ جنات کو حکم دے دیتے کہ اس زمین کو کھود کر پانی نکالو۔ وہ بڑی جلدی کھود کر پانی

نکال لیتے تھے۔ ہد ہد اپنی تیز نظر اور بصیرت کے باوجود شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

قف يا وقاف كيف يرى الهدهد باطن الارض وهو لا يرى الفخ هين يقع فيه (قرطبى)

جاننے والو! اس حقیقت کو پہچانو کہ ہد ہد زمین کی گہرائی کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے مگر زمین کے اوپر پھیلا ہوا جال اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس میں وہ پھنس جاتا ہے

مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو امر تکلیف یا راحت کا کسی کے لئے مقدر کر دیا ہے تو تقدیر الٰہی نافذ ہو کر رہتی ہے۔ کوئی شخص اپنی فہم و بصیرت یا زور و زر کی طاقت کے ذریعے اس سے بچ نہیں سکتا۔

لاعذبنه وعذابا شديداً اولا اذبحنه، ابتدائی غور و فکر کے بعد یہ حاکمانہ سیاست کا مظاہرہ ہے کے غیر حاضر رہنے والوں کو سزا دی جائے۔

جانور کام میں سستی کرے اس کو معتدل سزا دینا جائز ہے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کے لئے ایسی سزائیں دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام امت کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ (قرطبی)

اولیاتینی بسلطن مبین یعنی اگر ہدہد نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر واضح پیش کردیا تو وہ سزا سے محفوظ رہے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ جن لوگوں سے کوئی قصور عمل میں سرزد ہوجائے ان کو عذر پیش کرنے کا موقع دے۔ عذر ثابت ہو تو سزا کو معاف کردے۔

احطت بما لم تحط به یعنی ہدہد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں یعنی میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے :

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے ان کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

وجئتك من سبا بنبا يقين سباء یمن کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مارب بھی ہے اس کے اور یمن کے دارالحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔

کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے :

ہدہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم، عالم سے کہہ سکتا ہے اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زاید ہو۔ مگر روح المعانی میں فرمایا کہ یہ طرز گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلاف ادب ہے

اس سے احتراز کرنا چاہیے اور ہدہد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے تاکہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آجائے۔ ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

انی وجدت امراة تملکهم یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا کی مالک ہے یعنی ان پر حکومت کرتی ہے۔ اس عورت یعنی ملکہ سبا کا نام تاریخ میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کی والدہ جنات میں سے تھی اس کا نام ملعمہ بنت شیصان بتلایا جاتا ہے (رواہ وہیب بن جریر عن الخلیل ابن احمد۔ قرطبی) اور ان کا دادا ہدہاد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے جو سب کے سب ملوک اور بادشاہ بنے۔ ان کے والد شراح نے ایک جنیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ اسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ جنیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اپنی حکومت و سلطنت کے غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں میرا کوئی کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہ کروں گا کیونکہ غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنیہ عورت سے کرا دیا (قرطبی) شاید یہ اسی فخر و غرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کفو تھے حقیر و ذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس و قوم سے تھی

کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے؟

اس معاملہ میں بعض لوگوں نے تو اس لئے شبہہ کیا ہے کہ جنات کو انسان کی

طرح توالد و تناسل کا اہل نہیں سمجھا۔ ابن عربی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ خیال باطل ہے۔ احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہو سکتی ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بہت سے حضرات نے جائز قرار دیا ہے۔ بعض نے غیر جنس مثل جانوروں کے ہونے کی بناء پر حرام فرمایا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل "آکام المرجان فی احکام الجان" میں مذکور ہے۔ اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا۔ اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہو سکتا اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائے گی اس لئے بعض روایات میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے نکاح کرنا مذکور ہے اگر وہ روایت صحیح ہو تو بھی اس سے نکاح جنیہ کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بلقیس خود جنیہ نہ تھیں اگرچہ ان کی والدہ جنیہ ہو، واللہ اعلم اور نکاح سلیمان علیہ السلام کے متعلق مزید بیان آگے آئے گا۔

کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے

صحیح بخاری یں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا، اسی لئے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی

عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر برقرار رکھا اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر نکاح شرعیہ میں اعتماد کیا جا سکے۔

و اوتیت من کل شیء، مراد یہ ہے کہ سب ضروری سامان جو کسی بادشاہ و امیر کو درکار ہوتا ہے اور اپنے زمانے کے مطابق ہو سکتا ہے موجود تھا۔ جو چیزیں اس زمانے میں ایجاد ہی نہ ہوئی تھی ان کا نہ ہونا اس آیت کے منافی نہیں۔

ولها عرش عظیم، عرش کے لفظی معنی تخت سلطنت کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ عرش بلقیس کا طول اسی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ اور بلندی تیس ہاتھ تھی جس پر موتی اور یاقوت احمر، زبرجد، اخضر کا کام تھا۔ اس کے پائے موتیوں اور جواہرات کے تھے اور پردے ریشم اور حریر کے اندر باہر یکے بعد دیگر سات مقفل عمارتوں میں محفوظ تھا۔

وجدتها و قومها یسجدون للشمس۔ معلوم ہوا کہ اس کی قوم نجوم پرست تھی آفتاب کی عبادت کرتی تھی۔ بعض نے فرمایا کہ مجوس میں سے تھی جو آگ اور ہر روشنی کے پرستش کرتے تھے (قرطبی)

الا یسجدوا کا تعلق **زین لهم الشیطن** یا **صدهم عن السبیل** سے ہے یعنی شیطان نے ان کے ذہنوں میں یہی بٹھلا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں یا یہ کہ ان کو حق کے راستے سے اس طرح روک دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں۔

تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے :

اذھب بکتبی ھذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے کو اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر و خط قابل اعتبار ثبوت ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صرف ان مواقع میں خط کو کافی نہیں سمجھا جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعے شہادت نہیں دی جاسکتی۔ شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آکر بیان دینے پر رکھا گیا جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت لینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

مشرکین کو خط لکھنا اور ان کے پاس بھیجنا جائز ہے :

دوسرا مسئلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لئے مشرکین اور کفار کو خط لکھنا جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ہر مجلس میں چاہیے اگرچہ وہ مجلس کفار ہی کی ہو :

فالقه اليهم ثم تول عنهم۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھلایا کہ خط ملکہ سبا کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے۔ اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ○ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ

وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ۝ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا
حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ
اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً
اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ وَ اِنِّيْ
مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ
قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ
تَفْرَحُوْنَ ۝ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ
لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا۔ وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے کہ زور نہ کرو میرے مقابلے میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکمبردار ہو کر کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے۔ پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے، سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو

دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو پھر جا طرف ان کے اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے۔

تفسیر: قالت یایھا الملوء انی القی الی کتب کریم، کریم کے لفظی معنی معزز مکرم کے ہیں اور محاورۂ میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جبکہ اس پر مہر لگائی گئی ہو اسی لئے اس آیت میں کتاب کریم کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ قتادہ زہیر وغیرہ نے کتاب مختوم سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ملوک عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو نہیں پڑھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی اور قیصر و کسری وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے ان پر مہر ثبت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی۔ آج کل عادت خط کو لفافہ میں بند کر کے بھیجنے کی ہو گئی ہے۔ یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے جس جگہ مکتوب الیہ کا اکرام منظور ہو کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کر کے بھیجنا قرب الی السنۃ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام گو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں۔ جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل واشرف ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھیں۔ اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنے

ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمہ ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو (روح)

خط نویسی کے چند آداب :

انه من سليمن وانه بسم الله الرحمن الرحيم قرآن کریم نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایت نہ دی ہوں۔ خط و کتابت اور مراسلت کے ذریعے باہمی گفت و شنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکہ با(بلقیس) پورا کا پورا نقل فرمایا گیا۔ یہ ایک پیغمبر و رسول کا خط ہے اور قرآن کریم نے اس کو بطور استحسان کے نقل کیا ہے اس لئے اس خط میں جو ہدایات خط و کتابت کے معاملے میں پائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل اتباع ہیں۔

کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا :

سب سے پہلے ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نام سے شروع کیا مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنت انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آجائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تاکہ وہ اسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے۔ مخاطب کو یہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے کہاں سے آیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عالم میں موجود ہیں ان سب میں

بھی آپؐ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ (من محمد عبداللہ ورسولہ) سے شروع فرمایا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے اس میں تو اپنے نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں لیکن کوئی چھوٹا اپنے باپ، استاد، شیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے اس میں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اس کے ادب کے خلاف نہ ہوگا اور اس کو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں، اس معاملے میں حضرات صحابہ کرام کا عمل مختلف رہا ہے اکثر حضرات نے تو اتباع سنت نبوی کو ادب پر مقدم رکھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط لکھے ان میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے روح المعانی میں بحر محیط کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ماکان احد اعظم حرمۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اصحابہ اذا کتبوا الیہ کتابا بداءوا بانفسہم قلت وکتاب علاء الحضرمیؓ یشہد لہ علی ماروی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی انسان قابل تعظیم نہیں مگر صحابہ کرام جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے اور حضرت علائی حضرمی کا خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام معروف ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ روح المعانی میں مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھدے تو یہ بھی جائز ہے فقیہ ابو اللیث کی بستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کردے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ امت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی (رروح المعانی وقرطبی)

خط کا جواب دینا بھی سنت انبیاء ہے :

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے اسی لئے حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے (قرطبی)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا :

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بسم اللہ کو اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اس کے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور بسم اللہ بعد میں مذکور ہے اس کے ظاہر سے جواز اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اپنے نام کے بعد لکھی جائے لیکن ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم من سليمان بن دائود الى بلقيس ابنته ذی شرح و قومها. ان لا تعلوا الخ بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اس نے قوم کی آگاہی کے لئے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے۔ قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں بسم اللہ مقدم تھی یا سلیمان علیہ السلام کا نام، اور یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا نام لفافہ کے اوپر لکھا ہو اور اندر بسم اللہ سے شروع ہو، بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔

مسئلہ : خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے لیکن قرآن و سنت کے نصوص و اشارت سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔

ایسی تحریر جس میں کوئی آیت قرآنی لکھی ہو کیا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے۔

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے ان میں بھی بعض آیات قرآنی لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں اسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آگئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور

بے وضو کے ہاتھ میں بھی۔ (عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ)

خط مختصر، جامع، بلیغ اور موثر انداز میں لکھنا چاہئے :

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلی معیار قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے اس کے ساتھ حق تعالی کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترفع و تکبر کی مذمت بھی۔ در حقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو، مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے

قالت یایها الملؤء افتونی فی امری ما کنت قاطعة امرا حتی تشهدون، افتونی فتوی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا۔ یہاں مشورہ دینا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مراد ہے ملکہ بلقیس کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان حکومت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے ان کی رائے دریافت کرنے سے پہلے ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کے لئے یہ بھی کہا کہ "میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی" اسی کا نتیجہ تھا کہ فوج اور وزراء نے اس کے جواب میں اپنی مستعدی کے ساتھ تعمیل حکم کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کر دی (نحن اولو قوة و اولوا بأس شدید والامر الیك) حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ہم سے یہ

بیان کیا گیا ہے کہ بلقیس کی مجلس شوری کے ارکان تین سو تیرہ تھے اور ان میں سے ہر ایک آدمی دس ہزار آدمیوں کا امیر اور نمائندہ تھا۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ اہم امور میں مشورہ لینے کا دستور پرانا ہے۔ اسلام نے مشورہ کو خاص اہمیت دی اور عمال حکومت کو مشورہ کا پابند کیا یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو وحی الٰہی کے مورد تھے۔ اور آسمانی ہدایات آپ کو ملتی تھیں اس کی وجہ سے آپؐ کو کسی رائے مشورہ کی در حقیقت ضرورت نہ تھی مگر امت کے لئے سنت قائم کرنے کے واسطے آپ کو بھی حکم دیا گیا (وشاورھم فی الامر) یعنی آپ اہم امور میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں اس میں صحابہ کرام کی دلجوئی اور عزت افزائی بھی ہے اور آئندہ آنے والے عمال حکومت کو اس کی تاکید بھی کہ مشورہ سے کام کیا کریں۔

مکتوب سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا رد عمل :

ارباب حکومت کو مشورہ میں شریک کر کے ان کا تعاون حاصل کر لینے کے بعد ملکہ بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان لے اور تحقیق کرے کہ وہ واقعی اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور جو کچھ حکم دے رہے ہیں وہ اللہ کے احکام کی تعمیل ہے یا وہ ایک ملک گیری کے خواہشمند بادشاہ ہیں، اس امتحان سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر واقعی وہ نبی و رسول ہیں تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے اور مخالفت کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے اور اگر بادشاہ ہیں اور ملک گیری کی ہوس میں ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے گا کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کچھ ہدیے تحفے بھیجے۔ اگر وہ ہدیے تحفے لے کر راضی ہو گئے تو علامت اس کی ہو گی کہ وہ

ایک بادشاہ ہی ہیں اور اگر وہ واقع میں نبی ورسول ہیں تو وہ اسلام وایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے۔ یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس، مجاہد، ابن جریج، ابن وہب سے نقل کیا ہے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

و انی مرسلة الیهم بهدیه فنظرة بم یرجع المرسلون، یعنی میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے ارکان دولت کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد ہدیہ لے کر جائیں گے وہ واپس آکر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں۔

بلقیس کے قاصدوں کی دربار سلیمانی میں حاضری :

تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنے والے قاصدوں اور تحفوں کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں اتنی بات پر سب روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں کچھ جواہرات اور ایک سو غلام اور ایک سو کنیزیں تھیں مگر کنیزوں کو مردانہ لباس میں اور غلاموں کو زنانہ لباس میں بھیجا تھا اور ساتھ ہی بلقیس کا ایک خط بھی تھا جس میں سلیمان علیہ السلام کے امتحان کے لئے کچھ سوالات بھی تھے۔ تحفوں کے انتخاب میں بھی ان کا امتحان مطلوب تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اس کے تحفوں کی تفصیلات ان کے پہنچنے سے پہلے بتلادی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ دربار سے نو فرسخ تقریباً تیس میل کی مسافت میں سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش کردیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلقت جانوروں کو کھڑا کردیا جائے جن کا بول وبراز بھی سونے چاندی کے فرش پر ہو، اسی طرح اپنے دربار کو خاص اہتمام سے مزین فرمایا، دائیں بائیں چار چار ہزار سونے کی کرسیاں ایک طرف علماء کے لئے، دوسری طرف وزراء اور عمال سلطنت کے لئے بچھائی گئیں

جواہرات سے پورا ہال مزین کیا گیا۔ بلقیس کے قاصدوں نے جب سونے کی اینٹوں پر جانوروں کو کھڑا دیکھا تو اپنے تحفہ سے شرما گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹیں وہیں ڈال دیں پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے دو طرفہ وحوش وطیور کی صفیں دیکھیں، پھر جنات کی صفتیں دیکھیں تو بے حد مرعوب ہو گئے مگر جب دربار تک پہنچے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ان کی مہمانی کا اکرام کیا مگر ان کے تحفے واپس کر دیئے اور بلقیس کے سب سوالات کے جوابات دیئے (ملخصااز تفسیر قرطبی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہدیہ بلقیس کی واپسی :

قال اتمدونن بمال فما اتن الله خیر مما اتکم بل انتم بهدیتکم تفرحون، یعنی جب بلقیس کے قاصد اس کے ہدایا اور تحفے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے قاصدوں سے فرمایا کہ کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ مجھے اللہ نے جو مال و دولت دیا ہے وہ تمہارے مال و سامان سے کہیں زیادہ بہتر ہے اس لئے میں یہ مال کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اس کو واپس لے جاؤ اور اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش رہو۔

کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں اس کی تفصیل و تحقیق :

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی اپنی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو مثلاً

اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب کرنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملے میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا بعض کارد کر دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الھبہ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرور سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ مجھے اللہ تعالی نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے حالت شرک آپ کو ایک چمڑہ ہدیہ میں بھیجا آپ نے قبول فرمالیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا آپ نے قبول فرمالیا۔

شمس الأئمہ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل نہ ہونے کی امید تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہو جانے کی امید تھی تو قبول کر لیا (از عمدۃ القاری کتاب الھبہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ

درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

قَالَ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَo قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌo قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌo قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَo

بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکم بردار ہو کر بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ، پھر جب دیکھا اس کو اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پرواہ ہے کرم والا کہا روپ بدل کر دکھلاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں۔

تفسیر: بلقیس کی حاضری دربار سلیمانی میں:

قرطبیؒ نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب و مبہوت ہو کر واپس آئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ

سنادیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی ورسول سے لڑنا اللہ کا مقابلہ ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کردی۔ بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالی نے ایسا رعب و جلال عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی ابتداء گفتگو کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرہی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سلیمانی سے ایک فرسخ یعنی تقریبا تین میل کے فاصلے پر تھی۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے جنود و عساکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

یایها الملو ایکم یاتینی بعرشها قبل ان یاتونی مسلمین حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ یہ اطلاع مل گئی تھی کہ بلقیس ان کی دعوت سے متاثر ہونے کی بنا پر مطیع بن کر آرہی ہے تو ارادہ فرمایا کہ وہ شاہانہ قوت و شوکت کے ساتھ ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اس کے ایمان لانے کے لئے زیادہ معین ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالی نے تسخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا۔ شاید حق تعالی کی طرف سے اشارہ پاکر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے۔ اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطاب فرما کر یہ تخت لانے کے لئے فرمادیا اور اس کے تمام اموال و دولت میں تخت شاہی کا انتخاب بھی شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی

جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا۔ اس کا بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالی شانہ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا ہے۔ یہ اس کو حق تعالی شانہ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالی ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں (ذکرہ واختارہ ابن جریر)

قبل ان یاتونی مسلمین، مسلمین مسلم کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع و فرمانبردار کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے یہاں بقول ابن عباسؓ اس کے لغوی معنے مراد ہیں یعنی مطیع و فرمانبردار، کیونکہ ملکہ بلقیس کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آنے والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

قال الذی عندہ علم من الکتب یعنی کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب میں سے۔ یہ کون شخص تھا اس کے متعلق ایک احتمال تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم انہیں کو حاصل تھا اس صورت میں یہ سارا معاملہ بطور معجزہ کے ہوا اور یہی مقصود تھا کہ بلقیس کو پیغمبرانہ اعجاز کا مشاہدہ ہو جائے اور کوئی اشکال اس معاملے میں نہ رہے مگر اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں

سے تھا ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا اور بعض روایات کے اعتبار سے ان کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالی سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اس میں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے اس لئے بجائے خود یہ عمل کرنے کے اپنے اصحاب کو خطاب فرمایا ایکم یاتینی (کذافی فصوص الحکم) اس صورت میں یہ واقعہ آصف بن برخیا کی کرامت ہو گی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق :

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست حق تعالی کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی، اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبیعہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہ راست حق تعالی کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے۔ غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ ان کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ رسول و پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے امت کے اولیاء

اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف :

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اس کو آصف بن برخیا کا تصرف قرار دیا ہے۔
تصرف اصطلاح میں خیال و نظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے لئے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ مسمریزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصلاح مریدین کے لئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔ ابن عربی نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ تصرف کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام آصف بن برخیا سے لیا، مگر قرآن کریم نے اس تصرف کو **علم من الکتاب** کا نتیجہ بتلایا ہے اس سے ترجیح اس کو ہی ہوتی ہے کہ یہ کسی دعا یا اسم اعظم کا اثر تھا جس کا تصرف سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ کرامت ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ **انا اتیک به قبل ان یرتد الیك طرفك** یعنی میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لادوں گا، یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام ان کے قصد و اختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالی نے ان کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ہے جو احکام القرآن میں سورہ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا جس کا اردو ترجمہ احقر نے

لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ٥ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ٥ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ٥ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

پھر جب وہ آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہو چکا ہے پہلے سے اور ہم ہو چکے حکم بردار اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوائے البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے جو رب ہے سارے جہان کا۔

کیا بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئی تھی؟

آیت مذکورہ میں بلقیس کا واقعہ اسی پر ختم ہو گیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئی۔ اس کے بعد کیا حالات پیش آئے قرآن کریم نے اس سے سکوت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص نے جب عبداللہ بن عیینہ سے پوچھا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا معاملہ اس پر ختم ہو گیا۔ اسلمت مع سلیمن للہ رب العلمین. مطلب یہ تھا کہ قرآن نے یہیں تک اس کا حال بیان کیا ہے۔ اس کے بعد

کا حال بتلانا قرآن نے چھوڑ دیا تو تمہیں بھی اس کی تشویش میں پڑنے کی ضرورت نہیں مگر ابن عساکرؒ نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئی اور اس کو اس کے ملک پر بر قرار رکھ کر ملک یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے لئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرادیئے تھے جس کی مثال و نظیر نہیں تھی۔ واللہ سبحانہ تعالی اعلم

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝

اور ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا جس کی صبح کی منزل مہینے بھر کی راہ اور شام کی منزل مہینے بھر کی راہ تھی اور ہم نے اس کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا تھا اور کچھ دن اس کے آگے اس کے رب کے حکم سے کام کیا کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھر جاتا تھا تو ہم اسے آگ کا عذاب چکھاتے تھے جو وہ چاہتا اس کے لئے بناتے تھے۔ قلعے اور تصویریں اور حوض جیسے لگن اور جمی رہنے والی دیگیں اے داؤد والو تم شکر یہ میں نیک کام کیا کرو اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہیں۔ پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم کیا تو انہیں اس کی موت کی پتہ نہ دیا مگر گھن

کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا پھر جب گر پڑا تو جنوں نے معلوم کیا کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ رہتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی فضائل وانعامات ذکر کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں، پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر فرما دیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو جس پر وہ مع اپنے اہل دربار کے بڑی تعداد میں سوار ہوتے تھے۔ ہوا ان کے حکم کے تابع جہاں وہ چاہتے لے جاتی تھی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تسخیر ہوا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنے میں مصروف تھے۔ اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی۔ چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر کے قربان کر دیا تھا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گائے بیل کی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز تھی اور یہ گھوڑے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک میں تھے اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قربانی کی وجہ سے اپنا مال ضائع کرنے کا اشکال بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی قربانی کے جانور قربان کر دیئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر سواری عطا فرمائی تھی۔ غدوھا شھر و رواحھا شھر غدو کے معنی صبح کو چلنے اور رواحھا کے معنی شام کو چلنے کے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ صبح سے دوپہر تک یہ تخت سلیمانی ہوا کے کاندھوں پر ایک مہینے کی مسافت طے کر لیتا تھا اور پھر شام سے رات تک ایک مہینے کی۔ اسی طرح دو مہینے کی

مسافت ایک دن میں طے کرتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس سے روانہ ہوتے تو دوپہر کو اصطخر میں جاکر قیام فرماتے اور دوپہر کا کھانا کھاتے تھے پھر یہاں سے بعد ظہر واپس چلتے تو کابل میں جاکر رات ہوتی تھی اور بیت المقدس اور اصطخر کے درمیان اتنی مسافت ہے جو تیز سواری پر چلنے والا ایک ماہ میں طے کر سکتا ہے۔ اسی طرح اصطخر سے کابل تک کی مسافت بھی تیز سواری پر چلنے والا ایک ماہ میں طے کر سکتا ہے (ابن کثیر)

واسلنا له عين القطر یعنی بہادیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے چشمہ تانبے کا یعنی تانبے جیسی سخت دھات کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لئے پانی کی طرح بہنے والا سیال بنادیا، جو پانی کے چشمے کی طرح جاری تھا اور گرم بھی نہ تھا تاکہ آسانی کے ساتھ اس کے برتن اور دوسری ضروریات بنا سکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ چشمہ اتنی دور تک جاری ہوا کہ جس کی مسافت تین دن تین رات میں طے ہو سکے۔ اور یہ ارض یمن میں تھا اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ چشمہ صنعاء یمن میں شروع ہوا اور تین دن تین رات کی مسافت تک پانی کی چشمے کی طرح جاری رہا۔ خلیل نحوی نے فرمایا کہ لفظ قطر جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ (قرطبی)

ومن الجن من يعمل بين يديه یہ جملہ بھی سخرنا محذوف سے متعلق ہے۔ معنی یہ ہیں کہ مسخر کر دیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات میں ایسے لوگوں کو جو ان کے سامنے ان کے کام انجام دیں اپنے رب کے حکم کے موافق بین یدیه یعنی ان کے سامنے کا الفاظ بڑھانے شائد یہ بتلانا ہو کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات کی تسخیر اس طرح کی نہیں جس طرح چاند سورج وغیرہ کو انسان کے لئے مسخر

کرنے کا ارشاد قرآن میں آیا ہے بلکہ یہ تسخیر ایسی تھی کہ جنات نوکروں چاکروں کی طرح ان کے سامنے مفوضہ خدمات میں لگے رہتے تھے۔

تسخیر جنات کا مسئلہ :

جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا اور بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے، تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان حضرات کو عطا کی گئی تھی۔ اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا، جیسا کہ علامہ شربینیؒ نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں حضرت ابو ہریرہؓ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، عمر بن خطابؓ، ابو ایوب انصاریؓ، زید بن ثابتؓ وغیرہ کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے، مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان حضرات کا مسخر بنا دیا۔ لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عاملوں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔ قاضی بدر الدین شبلی حنفیؒ جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب " آکام المرجان فی احکام الجان " لکھی ہے اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام سب سے پہلے سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے اور اہل فارس جمشید بن اونجہان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے جنات سے خدمت لی ہے۔ اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے ان کے متعلق بھی استخدام جن کے واقعات مشہور ہیں اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابو نصر احمد بن ہلال البکیل اور ہلال بن وصیف کی ہے جن سے استخدام

جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں۔ ہلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کیے اور جو عہد و میثاق سلیمان علیہ السلام نے ان سے لئے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدر الدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کرنے والے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لئے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر ان کے کام کر دیتے ہیں البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانے میں تھا۔ جنات کو اس نے اسماء الٰہیہ کے ذریعے سے مسخر کیا تھا۔ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان ص ۱۰۰)

خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر اگر کسی کے لئے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے اور جو تسخیر عملیات کے ذریعے کی جاتی ہے اس میں اگر کلمات کفریہ یا اعمال کفریہ ہوں تو کفر اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے اور ان عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جنکے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بناء پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں۔ قاضی بدر الدین نے آکام المرجان میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز لکھا ہے۔

اور اگر یہ عمل تسخیر اسم الٰہیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعے ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کا استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، یعنی دفع مضرت مقصود ہو جلب منفعت مقصود نہ ہو کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لئے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حر یعنی آزاد کو اپنی غلام بنانا اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے جو حرام ہے، واللہ اعلم

ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر یعنی ہم نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کی خدمت واطاعت کو جو حکم دیا ہے اگر ان مین کوئی فرد اس اطاعت سے انحراف کرے گا تو اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ اکثر مفسرین نے اس سے آخرت کا عذاب جہنم مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالی نے ان پر ایک فرشتہ کو مسلط کر دیا تھا جو جن سلیمان علیہ السلام کی اطاعت میں کوتاہی کرے اسکو آتشین کوڑے مار کر کام کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ (قرطبی) اور اس پر یہ شبہہ نہیں ہو سکتا کہ جنات تو خود آگ سے بنے ہوئے ہیں آگ ان پر کیا اثر کرے گی کیونکہ جنات کے آگ سے بننے کا مطلب وہی ہے جو انسان کے مٹی سے بننے کا مطلب ہے یعنی عنصر غالب انسان کے وجود کا مٹی ہے مگر اس کو مٹی پتھر سے مارا جائے تو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح جنات کا عنصر غالب آگ ہے مگر خالص اور تیز آگ سے وہ بھی جل جاتے ہیں۔

ویعملون له ما یشآء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور راسیات اس آیت میں ان کاموں کی کچھ تفصیل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے لیتے تھے۔ محاریب، محراب کی جمع ہے جو مکان کے اشرف واعلیٰ حصہ

کے لئے بولا جاتا ہے۔بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لئے حکومت کا کمرہ بنائیں اس کو بھی محراب کہا جاتا ہے اور لفظ محراب حرب بمعنی جنگ سے مشتق ہے۔کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اس کو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے۔اس میں کوئی دست اندازی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔اس مناسبت سے مکان کے مخصوص حصہ کو محراب کہتے ہیں۔ مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بنا پر محراب کہتے ہیں اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔قدیم زمانہ میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب صحابہ سے ان کی مساجد مراد ہوتی ہیں۔

مساجد میں محراب کے لئے مستقل مکان بنانے کا حکم :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا۔ قرون اولی کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لئے دیا اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے۔ نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوار قبلہ میں گہری کر کے بنادی جاتی ہے تاکہ اس کے پیچھے پوری صفوف کھڑی ہوسکیں۔ چونکہ یہ طریقہ قرون اولی میں نہ تھا اس لئے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام اعلام الارانیب فی بدعۃ المحاریب لکھا ہے اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولیت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعۃ کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اس کو سنت مقصودہ بنا لیا جائے اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر

ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہو سکتا ہے۔

مسئلہ : جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے وہاں امام پر لازم ہے کہ اس محراب سے کسی قدر باہر اسی طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں تاکہ امام اور مقتدیوں کی مکان ایک شمار ہو سکے ورنہ یہ صورت مکروہ و ناجائز ہے کہ امام ایک الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو اور سب مقتدی دوسرے مکان میں، بعض مساجد میں محراب اتنی وسیع و عریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصر سی صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کی بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام و مقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہو جانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

تماثیل، تمثال کی جمع ہے قاموس میں ہے کہ تمثال بفتح التاء مصدر ہے اور بکسر التاء تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ تمثال یعنی تصویر دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر، دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی، پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں، ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا، جیسے پتھر مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ، جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے، اول تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں بلکہ ہر قسم کے لئے عام تھیں دوسرے تاریخ روایات میں تخت سلیمان پر پرندوں کی تصاویر ہونا بھی مذکور ہے۔

شرع اسلام میں جاندار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے ممانعت :

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں

جان داروں کی تصاویر بنانا اور استعمال کرنا حرام نہیں تھا، مگر چونکہ پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لئے رکھا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گذاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہو جائے گی مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انہی تصویروں کو اپنا معبود بنالیا، اور بت پرستی شروع ہو گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں جانداروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعت اسلام کے لئے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الٰہی ہے اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح حرام چیزں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھادیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسباب کی بنا پر حرام کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیح و متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید، فروخت، اس کو لانے لے جانے کی مزدوری اس کی صنعت سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں، چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا بلکہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ زنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا شریعت اسلام میں اس کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

حرمت تصویر پر ایک عام شبہ اور اس کا جواب :

یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تصاویر

کو جس حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا وہ ذریعہ بت پرستی بن سکتی تھی، لیکن آج کل تصویر سے جس طرح کے کام لئے جاتے ہیں ملزموں کی شناخت، تجارتوں کے خاص مارک، دوستوں عزیزوں سے ملاقات، واقعات وحالات کی تحقیق میں امداد وغیرہ جس کی وجہ سے وہ ضروریات زندگی میں داخل کرلی گئی ہے اس میں بت پرستی اور عبادت کا کوئی تصور دور دور نہیں تو یہ ممانعت جو بت پرستی کے خطرہ سے کی گئی تھی اب مرتفع ہو جانی چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اولاً یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ آج کل تصویر ذریعہ بت پرستی نہیں رہی آج بھی کتنے فرقے اور گروہ ہیں جو اپنے پیروں کی تصویر کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور جو حکم کسی علت پر دائر ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر فرد میں پایا جائے اس کے علاوہ تصویر کی ممانعت کا سبب صرف ایک یہی نہیں کہ بت پرستی کا ذریعہ ہے بلکہ احادیث صحیحہ میں اس کی حرمت کی دوسری وجوہ بھی مذکور ہیں مثلاً یہ کہ تصویر سازی حق تعالیٰ کی صفت خاص کی نقالی ہے۔ مصور حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور صورت گری در حقیقت اسی کے لئے سزاوار اور اسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزاروں اجناس اور انواع اور ہر نوع میں اس کے کروڑوں افراد ہوتے ہیں۔ ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، انسان ہی کو لے تو مرد کی صورت اور عورت کی صورت میں نمایاں امتیاز پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں دو فرد بالکل یکساں نہیں ہوئے ایسے کھلے ہوئے امتیازات ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو کسی تامل اور غور و فکر کے بغیر ہی امتیاز واضح ہو جاتا ہے یہ صورت گری اللہ رب العزت کے سوا کس کی قدرت میں ہے، جو انسان کسی جاندار کا مجسمہ یا نقوش اور رنگ سے اس کی تصویر بناتا ہے وہ گویا عملی طور پر اس کا مدعی ہے کہ وہ بھی صورت گری کر سکتا ہے، اسی لئے صحیح

بخاری وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویریں بنانے والوں کو کہا جائے گا کہ جب تم نے ہماری نقل اتاری تو اس کو مکمل کر کے دکھلاؤ، اگر تمہارے بس میں ہو کہ ہم نے تو صرف صورت ہی نہیں بنائی اس میں روح بھی ڈالی ہے، اگر تمہیں اس تخلیق کا دعوی ہے تو اپنی بنائی ہوئی صورت میں روح بھی ڈال کر دکھلاؤ۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے گھر میں بسنے والوں کو عبادت وطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ "خانۂ خالی را دیو می گیرد" یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہو گا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور پھر ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی زائد از ضرورت زینت ہیں اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔ غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی نہیں بدل سکتا۔

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث آئی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشد الناس عذابا یوم القیمة المصورون، یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے،

اور بعض روایات حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل مصور فی النار الحدیث یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

اس مسئلہ کے متعلق روایات حدیث اور تعامل سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے سالہ 'التصویر لاحکام التصویر'' میں جمع کر دیئے ہیں اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے :

بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے جیسے آئینہ 'اور پانی وغیرہ میں آجاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے۔ جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعے سے قائم اور پائدار بنالیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی جس کو حرمت و ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ فوٹو کی مفصل بحث بھی رسالہ مذکور التصویر میں لکھ دی گئی ہے۔

جفان، جفنہ کی جمع ہے جو پانی کے بڑے برتن جیسے تشلہ یا ٹب وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ کالجواب جابیہ کی جمع ہے چھوٹے حوض کو جابیہ کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پانی بھرنے کے بڑے برتن ایسے بناتے تھے جس میں چھوٹے چھوٹے حوض کے برابر پانی آتا ہے۔ قدور قدر بکسر القاف کی جمع ہے ہنڈیا کو کہا جاتا ہے۔

راسیات اپنی جگہ ٹھیری ہوئی، مراد یہ ہے کہ اتنی وزنی اور بڑی دیگیں بناتے تھے جو ہلائے نہ ہلیں، اور ممکن ہے کہ یہ دیگیں پتھر سے تراش کر پتھر ہی کے چولھوں پر لگی ہوئی بناتے ہوں جو ناقابل حمل و نقل ہوں، امام تفسیر ضحاک نے قدور راسیات کی یہی تفسیر کی ہے۔

اعملوا ال داود شکراً و قلیل من عبادی الشکور حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالی نے اپنے خاص فضل سے نوازا اور مخصوص انعامات عطا فرمائے ان کا بیان فرمانے کے بعد ان کو مع ان کے اہل و عیال کے شکر گذاری کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔

شکر کی حقیقت اور اس کے احکام:

قرطبی نے فرمایا کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اعتراف کرے کہ یہ نعمت فلاں منعم نے دی ہے، اور پھر اس کو اس کی طاعت و مرضی کے مطابق استعمال کرے اور کسی کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا ناشکری اور کفران نعمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر جس طرح زبان سے ہوتا ہے اسی طرح عمل سے بھی شکر ہوتا ہے اور عملی شکر اس نعمت کا منعم کی طاعت و مرضی کے مطابق استعمال ہے...... اور ابو عبدالرحمٰن اسلمی نے فرمایا کہ نماز شکر ہے، روزہ شکر ہے اور ہر نیک کام شکر ہے اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ شکر تقوی اور عمل صالح کا نام ہے (ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں قرآن حکیم نے شکر کے لئے مختصر لفظ اشکرونی کے بجائے اعملوا شکراً استعمال فرما کر شاید اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ آل داؤد سے مطلوب شکر عملی ہے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور ان کے خاندان نے قول و عمل دونوں سے اس طرح کی کہ ان کے گھر میں کوئی وقت ایسا نہ

گذرتا تھا جس میں گھر کا کوئی فرد اللہ کی عبادت میں نہ لگا ہوا ہو، افراد خاندان پر اوقات تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا مصلی کسی وقت نماز پڑھنے والے سے خالی نہ رہتا تھا۔ (ابن کثیر)

بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں اللہ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤد علیہ السلام کی ہے وہ نصف رات سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ کے نزدیک صیام داؤد علیہ السلام ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے (ابن کثیر)

حضرت فضیلؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ حکم شکر نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار میں آپ کا شکر کس طرح پورا کر سکتا ہوں جب کہ میرا شکر قولی ہو یا عملی وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے۔ اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الا ن شکرتنی یا داود یعنی اے داؤد اب آپ نے شکر ادا کر دیا کیونکہ حق شکر ادا کرنے سے اپنے عجز و قصور کو سمجھ لیا اور اعتراف کر لیا۔

حکیم ترمذی اور امام ابوبکر جصاص نے حضرت عطاء بن یسارؒ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اعملوا ال داود شکراً تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا تین کام ایسے ہیں جو شخص ان کو پورا کر لے تو جو فضیلت آل داؤد کو عطا کی گئی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ وہ تین کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رضا اور غضب کی دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا اور غناء اور فقر کی دونوں حالتوں میں اعتدال

اور میانہ روی اختیار کرنا اور خفیہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں اللہ سے ڈرنا۔

(قرطبی احکام القرآن، جصاص)

وقليل من عبادى الشكور، شکر کے حکم اور تاکید کے بعد اس واقعہ کا بھی اظہار فرمادیا کہ میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوں گے۔ اس میں بھی مومن کے لئے تنبیہ اور تحریض ہے شکر پر۔

فلما قضينا عليه الموت الاية آیت میں لفظ منسأة عصاء اور لاٹھی کے معنی میں ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے بمعنی عصاء اور بعض نے فرمایا کہ عربی لفظ ہے۔ نساء کے معنی ہٹانے اور مؤخر کرنے کے ہیں۔ لاٹھی کے ذریعے انسان مضر چیزوں کا ہٹاتا ہے، اس لئے اس کو منسأة کہا گیا یعنی ہٹانے کا آلہ۔ اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ عجیبہ بیان فرما کر بہت سی عبرتوں اور ہدایتوں کا دروازہ کھول دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا عجیب واقعہ :

اس واقعہ میں بہت سی ہدایات ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو ایسی بے مثال حکومت و سلطنت حاصل تھی کہ صرف ساری دنیا پر ہی نہیں بلکہ جنات اور طیور اور ہوا پر بھی ان کی حکومت تھی مگر ان سب سامانوں کے باوجود موت سے ان کو بھی نجات نہ تھی اور یہ کہ موت تو مقرر وقت پر آنی تھی بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل فرمائی۔ اس میں کچھ کام تعمیر کا باقی تھا اور یہ تعمیر کا کام جنات کے سپرد تھا جن کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کرتے تھے۔ ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ بیٹھیں اور تعمیر رہ

جائے۔ اس کا انتظام حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن ربانی سے یہ کیا کہ جب موت کا وقت آیا تو موت کی تیاری کر کے اپنی محراب میں داخل ہو گئے جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی۔ باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں۔ اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لئے ایک سہارہ لے کر کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصاء کے سہارے اپنی جگہ جما رہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی روح وقت مقرر پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصاء کے سہارے اپنی جگہ جمے ہوئے باہر سے ایسے نظر آتے تھے جیسے کہ عبادت میں مشغول ہیں۔ جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آکر دیکھ سکتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ سال بھی گزر گیا اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا تو اللہ تعالے نے گھن کے کیڑی کو جس کو فارسی میں دیوک اور اردو میں دیمک کہا جاتا ہے اور قرآن کریم نے اس کو دابۃ الارض کے نام سے موسوم کیا ہے عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا۔ دیمک نے عصاء کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا۔ عصاء کا سہارا ختم ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے۔ اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے دور دراز کی مسافت چند لمحات میں قطع کر لینے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ وہ بہت سے ایسے حالات اور واقعات سے واقف ہوتے تھے جن کو انسان نہیں جانتے۔ جب وہ انسانوں کو ان واقعات کی خبر دیتے تو انسان یہ سمجھتے تھے کہ یہ غیب کی خبر ہے اور جنات کو بھی علم غیب حاصل ہے۔ خود جنات کو بھی علم غیب کا دعوی ہو تو بعید نہیں۔ موت کے اس عجیب واقعہ نے اس کی بھی حقیقت کھول دی۔ خود جنات کو بھی پتہ چل گیا اور سب انسانوں کو بھی کہ جنات عالم غیب نہیں ہیں کیونکہ ان کو غیب کا علم ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت سے ایک سال پہلے

ہی باخبر ہوجاتے اور سال بھر کی محنت ومشقت جوان کو زندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے اس سے بچ جاتے۔ آیت کے آخری جملہ میں اسی کا بیان ہے۔ **فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین۔** اس میں عذاب مہین سے مراد وہ محنت ومشقت کا کام ہے جس پر تعمیر بیت المقدس کی تکمیل کے لئے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے لگادیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا یہ عجیب واقعہ کچھ تو خود قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے باقی تفصیل حضرت ابن عباس وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے جو ابن کثیر وغیرہ سب تفاسیر میں نقل کی گئی ہے۔

اس عجیب واقعہ سے یہ عبرت بھی حاصل ہوئی کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں اور یہ بھی کہ اللہ تعالی کو جو کام لینا ہوتا ہے اس کا جس طرح چاہیں انتظام کر سکتے ہیں جیسا اس واقعہ میں ہوا کہ موت کے باوجود سلیمان علیہ السلام کو سال بھر تک اپنی جگہ قائم رکھ کر جنات سے کام پورا کرالیا۔ اور یہ بھی کہ دنیا کے سارے آلات واسباب جواب دے دیتے ہیں، جیسے یہاں عصاء کا سہارا دیمک کے ذریعے ختم کردیا اور یہ بھی کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد خطرہ تھا کہ لوگ جنات کے حیرت انگیز عمل اور کارناموں اور بظاہر غیب کی چیزوں سے ان کے باخبر ہونے وغیرہ کے اعمال عجیبہ کو دیکھ کر کہیں انہی کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھیں، اس خطرہ کو بھی اس واقعۂ موت نے ختم کردیا۔ سب کو جنات کی بے خبری اور بے بسی معلوم ہوگئی۔

تقریر مذکور سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سلیمان علیہ السلام نے موت کے وقت اس خاص طریقہ کو دووجہ سے اختیار کیا تھا، اول یہ کہ تعمیر بیت المقدس کا باقی ماندہ کام پورا ہوجائے دوسرے یہ کہ ان لوگوں پر جنات کی بے خبری اور بے بسی واضح ہوجائے تاکہ ان کی عبادت کا خطرہ نہ رہے (قرطبی)

امام نسائیؒ نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جو مقبول ہوئیں ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کردے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کر کے لوگوں کو دعوت عام دی اور اس دن کی خوشی منائی اور صحرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ "یا اللہ آپ نے ہی مجھے یہ قوت اور وسائل عطا فرمائے جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ مجھے اس کی بھی توفیق دیجئے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجئے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زیغ اور کجی نہ ڈالئے اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لئے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں، ایک یہ کہ جو گناہ گار توبہ کرنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں دوسرے یہ کہ جو آدمی کسی خوف و خطرہ سے بچنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کو امن دے دیں اور خطرات سے نجات عطا فرمادیں، تیسرے یہ کہ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں، چوتھے یہ کہ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کردیں، پانچویں یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جب تک وہ اس میں رہے آپ اپنی نظر عنایت و

رحمت اس پر رکھیں بجز اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے کام میں مشغول ہو۔ (قرطبی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات میں مکمل ہو چکا تھا مگر جو واقعہ اوپر مذکور ہوا ہے وہ کچھ اس کے منافی نہیں کہ اصل تعمیر مکمل ہونے کے بعد بڑی تعمیرات میں کچھ کام رہا کرتے ہیں وہ باقی ہوں ان کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ تدبیر اختیار کی ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ موت کے بعد عصا کے سہارے حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال کھڑے رہے (قرطبی) اور بعض روایات میں ہے کہ جب جنات کو یہ معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کی موت کو عرصہ ہو گیا ہم بے خبر رہے تو مدت موت معلوم کرنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک لکڑی پر دیمک چھوڑ دی۔ ایک دن رات میں جتنی لکڑی دیمک نے کھائی اس سے حساب لگالیا کہ عصائے سلیمانی پر ایک سال اس طرح گزرا ہے۔

فائدہ: بغوی نے علماء تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر کل ترپن سال کی ہوئی اور ان کی سلطنت و حکومت چالیس سال رہی تیرہ سال کی عمر میں سلطنت کا کام سنبھال لیا تھا اور بیت المقدس کی تعمیر اپنی سلطنت کے چوتھے سال میں شروع کی تھی (مظہری، قرطبی) معارف القرآن مفتی شفیع۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کو اتنی وسعت اور استحکام دعاؤں کی بدولت نصیب ہوا تھا۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ o اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ o فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ

رَبِّیۡ حَتّٰی تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ ٥ رُدُّوۡهَا عَلَیَّ فَطَفِقَ مَسۡحًا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ ٥

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع ہونے والا جب دکھانے کو لائے اس کے سامنے شام کو گھوڑے بہت خاصے تو بولا میں نے دوست رکھا مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں پھیر لاؤ ان کو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں۔

تفسیر: ان آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔اس واقعہ کی مشہور تفسیر وہی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں ذکر کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں ایسے مشغول ہوئے کہ عصر کا وقت جو نماز پڑھنے کا معمول تھا وہ چھوٹ گیا۔بعد میں متنبہ ہو کر آپ نے ان تمام گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا کہ ان کی وجہ سے یاد الٰہی میں خلل واقع ہوا تھا۔

یہ نماز نفلی بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ انبیا علیہم السلام اتنی غفلت کی بھی تلافی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض نماز ہو اور معائنہ میں لگ کر بھول طاری ہو گئی ہو۔بھول جانے کی صورت میں فرض نماز کے قضا ہونے سے گناہ تو نہیں ہوتا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بلند منصب کے پیش نظر اس کا بھی تدارک فرمایا۔

ان آیات کی یہ تفسیر متعدد ائمہ تفسیر سے منقول ہے اور حافظ ابن کثیرؒ جیسے محقق عالم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے جو علامہ سیوطیؒ نے معجم طبرانیؒ اسماعیلیؒ اور ابن مردویہؒ کے حوالہ سے نقل کی

ہے :۔

(عن ابی بن کعبؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ فطفق مسحاً بالسوق والا عناق قال قطع سوقھا و اعنا قھا بالسیف)

علامہ سیوطیؒ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے اور منثور ص ۳۰۹ ج ۵) اور علامہ ہیثمیؒ مجمع الزوائد) میں یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں :۔

"اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس میں ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جنہیں شعبہ وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابن معینؒ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔"

(مجمع الزوائد ص ۹۹ ج ۷ کتاب التفسیر)

اس حدیث مرفوع کی وجہ سے یہ تفسیر کافی مضبوط ہو جاتی ہے لیکن اس پر عموماً یہ شبہ ہوتا ہے کہ گھوڑے اللہ کا عطا کیا ہوا ایک انعام تھا اور اپنے مال کو اس طرح ضائع کر دینا ایک نبی کے شایان شان معلوم نہیں ہوتا لیکن مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذاتی ملکیت میں تھے اور ان کی شریعت میں گائے، بکری اونٹ کی طرح گھوڑوں کی قربانی بھی جائز تھی لہذا انہوں نے گھوڑوں کو ضائع نہیں کیا بلکہ انہیں اللہ کے نام پر قربان کر دیا جس طرح گائے، بکری کی قربانی سے ان کو ضائع کرنا لازم نہیں آتا بلکہ یہ عبادت ہی کا ایک شعبہ ہے اسی طرح یہاں بھی عبادت ہی کے طور پر ان کی قربانی پیش کی گئی۔ (روح المعانی)

اکثر حضرات مفسرین نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے لیکن ان آیات کی ایک اور تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے جس میں واقعہ بالکل مختلف طریقے سے

بیان کیا گیا ہے۔ اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے وہ گھوڑے معائنہ کے لئے پیش کئے گئے جو جہاد کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام انہیں دیکھ کر مسرور ہوئے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں سے جو محبت اور تعلق خاطر ہے، وہ دنیا کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار ہی کی یاد کی وجہ سے کیونکہ یہ جہاد کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور جہاد ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ اتنے میں گھوڑوں کی وہ جماعت آپ کی نگاہوں سے روپوش ہو گئی آپ نے حکم دیا کہ انہیں دوبارہ سامنے لایا جائے۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ سامنے آئے تو آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

اس تفسیر کے مطابق عن ذکر ربی میں عن سببیہ ہے اور توارت کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے اور مسح سے مراد کاٹنا نہیں ہے بلکہ محبت سے ہاتھ پھیرنا ہے۔

قدیم مفسرین میں سے حافظ ابن جریر طبریؒ اور امام رازیؒ وغیرہ نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس پر مال ضائع کرنے کا شبہہ نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے الفاظ کے لحاظ سے دونوں تفسیروں کی گنجائش ہے لیکن پہلی تفسیر کے حق میں چونکہ ایک مرفوع حدیث آگئی ہے جو سند کے اعتبار سے حسن ہے اس لئے اس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

سورج کی واپسی کا قصہ :

بعض حضرات نے پہلی تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ نماز عصر کے قضا ہو جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یا فرشتوں سے یہ درخواست کی کہ سورج کو دوبارہ لوٹا دیا جائے۔ چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا اور آپ نے اپنا

معمول پورا کر لیا اس کے بعد دوبارہ سورج غروب ہوا۔ یہ حضرات ردوھا کی ضمیر کو سورج کی طرف راجع مانتے ہیں۔

لیکن محقق مفسرین مثلاً علامہ آلوسیؒ وغیرہ نے اس قصے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ردوھا کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے نہ کہ سورج کی طرف، اس لئے نہیں کہ معاذ اللہ سورج کو دوبارہ لوٹا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ قصہ قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ (روح المعانی)

خدا کی یاد میں غفلت ہو تو اپنے اوپر سزا مقرر کرنا دینی غیرت کا تقاضا ہے:

بہر کیف! اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی وقت اللہ کی یاد سے غفلت ہو جائے تو نفس کو سزا دینے کے لئے اسے کسی فعل مباح سے محروم کر دینا جائز ہے اور حضرات صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے "غیرت" کہا جاتا ہے۔

(بیان القرآن)

کسی نیکی کی عادت ڈالنے کے لئے اپنے نفس پر ایسی سزائیں مقرر کرنا اصطلاح نفس کا ایک نسخہ ہے اور اس واقعہ سے اس کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو جہمؓ نے ایک شامی چادر ہدیۃً پیش کی جس پر کچھ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اس چادر میں نماز پڑھی اور واپس آکر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ چادر ابو جہمؓ کو واپس کر دو کیونکہ نماز میں میری نگاہ اس کے نقش و نگار پر پڑ گئی تو قریب تھا کہ یہ نقش و نگار مجھے فتنہ میں ڈال دیں۔ (احکام القرآن حوالہ موطا مالکؒ)

اسی طرح حضرت ابو طلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے ہوئے ایک

پرندے کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے جس سے نماز کی طرف دھیان نہ رہا، تو بعد میں آپ نے پورا باغ صدقہ کر دیا۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس مقصد کے لئے سزا ایسی ہی ہونی چاہئے جو بذات خود جائز ہو۔ کسی مال کو بلا وجہ ضائع کر دینا جائز نہیں لہٰذا ایسا کوئی کام درست نہیں جس سے اضاعت مال لازم آئے۔ صوفیاء میں سے حضرت شبلیؒ نے ایک مرتبہ اسی سزا کے طور پر اپنے کپڑے جلا دیئے تھے لیکن محقق صوفیاء مثلاً شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے ان کے اس عمل کو صحیح قرار نہیں دیا۔ (روح المعانی)

امیر کو بذات خود ریاست کے کاموں کی نگرانی کرنی چاہئے :

اس واقعہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مملکت کی ذمہ دار یا اونچے درجہ کے افسر کو چاہئے کہ وہ اپنے ماتحت شعبوں پر بذات خود نگرانی رکھے اور انہیں اپنے ماتحتوں پر چھوڑ کر فارغ نہ ہو بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ماتحتوں کی کثرت کے باوجود بہ نفس نفیس گھوڑوں کا معائنہ فرمایا۔ خلفائے راشدین اور خاص طور سے حضرت فاروق اعظمؓ کے عمل سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

ایک عبادت کے وقت دوسری عبادت میں مشغول ہونا غلطی ہے :

تیسری بات اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ ایک موقت عبادت کے وقت کو کسی دوسری عبادت میں بھی صرف نہ کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جہاد کے گھوڑوں کا معائنہ ایک عظیم عبادت تھی، لیکن چونکہ وہ وقت اس عبادت کے بجائے نماز کا تھا، اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بھی غلطی میں شمار کر کے اس کا

تدارک فرمایا، اسی لئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد جس طرح خرید و فروخت میں مشغولیت جائز نہیں، اسی طرح نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا بھی درست نہیں، خواہ وہ تلاوت قرآن یا نفل پڑھنے کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ.

اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر وہ رجوع ہوا۔

تفسیر: اس آیت میں باری تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک اور آزمائش کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس سلسلے میں صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ اس آزمائش کے دوران کوئی دھڑ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا، اب وہ دھڑ کیا تھا؟ اس کے کرسی پر ڈالنے کا کیا مطلب ہے؟ اور اس سے آزمائش کیونکر ہوئی یہ تفصیلات نہ قرآن کریم میں موجود ہیں اور نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہیں اس لئے بعض محقق مفسرین مثلاً حافظ ابن کثیرؒ کا رجحان یہاں بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جس بات کو مجمل چھوڑا ہے، اس کی تفصیلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، بس اتنی بات پر ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آزمائش کی تھی جس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی طرف پہلے سے زیادہ رجوع فرمایا، اور قرآن کریم کا اصل مقصد اتنے بیان سے پورا ہو جاتا ہے۔

اور بعض مفسرین نے اس آزمائش کی تفصیلات کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں متعدد احتمالات بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعض احتمالات تو

خالص اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا رازان کی انگوٹھی میں تھا۔ ایک دن ایک شیطان نے اس انگوٹھی پر قبضہ کر لیا اور اس کی وجہ سے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر آپ ہی کی شکل میں حکمران بن بیٹھا۔ چالیس دن کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ انگوٹھی ایک مچھلی کے پیٹ میں سے ملی۔ اس کے بعد آپ نے دوبارہ حکومت پر قبضہ کیا یہ روایت متعدد مزید قصوں کے ساتھ کئی تفسیر کی کتابوں میں آئی ہے، لیکن حافظ ابن کثیرؒ اس قسم کی تمام روایات کو اسرائیلیات میں شمار کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

"اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی نہیں مانتی۔ پس ظاہر یہ ہے کہ یہ جھوٹے قصے انہی لوگوں نے گھڑے ہیں۔" (تفسیر ابن کثیر ص ۳۶ ج ۴)

لہذا اس قسم کی روایات کو اس قرآنی آیت کی تفسیر کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور واقعہ صحیح بخاریؒ وغیرہ میں مذکور ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے اس واقعہ کے بعض حصوں کو قرآن کریم کی اس آیت سے ملتا جلتا دیکھ کر اسے اس آیت کی تفسیر قرار دیا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ آج رات میں ازواج کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا کروں گا۔ اور ان میں سے ہر بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے گا لیکن یہ خیال ظاہر فرماتے وقت آپ "ان شاء اللہ" کہنا بھول گئے اللہ تعالی کو اپنے جلیل القدر پیغمبر کی یہ فروگذاشت پسند نہ آئی اور اس نے آپ کے دعویٰ کو اس طرح غلط ثابت کر دیا کہ تمام ازواج مطہرات میں سے صرف

ایک بیوی کے یہاں ایک مردہ بچہ پیدا ہوا جس کا ایک پہلو ندارد تھا۔

بعض مفسرین نے اس واقعہ کو آیت پر منطبق کر کے یہ فرمایا کہ تخت پر دھڑ کے لا ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی خادم نے یہ بچہ آپ کے تخت پر لا کر رکھدیا حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس پر تنبہ ہوا کہ یہ انجام میرے "انشاء اللہ" نہ کہنے کا ہے چنانچہ آپ نے اللہ تعالی کی طرف رجوع فرمایا اور اپنی اس فروگذاشت پر استغفار کیا۔

اس تفسیر کو متعدد محقق مفسرین مثلاً قاضی ابو السعودؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں بھی اسی کے مطابق تفسیر کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کو بھی آیت کی قطعی تفسیر نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ واقعہ جتنی روایتوں میں آیا ہے ان میں کہیں اس بات کی کوئی علامت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زیر بحث آیت کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہو۔ امام بخاریؒ نے بھی یہ حدیث کتاب الجہاد، کتاب الانبیاء، اور کتاب الایمان والنذور وغیرہ میں تو متعدد طریقوں سے نقل کی ہے لیکن کتاب التفسیر میں سورۃ ص کی تفسیر کے تحت اسے کہیں ذکر نہیں کیا بلکہ آیت وھب لی ملکا الخ کے تحت ایک دوسری روایت نقل کی ہے اور اس حدیث کا کوئی حوالہ تک نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی یہ واقعہ آیت زیر بحث کی تفسیر نہیں بلکہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے دوسرے متعدد واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اسی طرح یہ بھی ایک جداگانہ واقعہ ہے جس کا کسی آیت کی تفسیر ہونا کوئی ضروری نہیں۔

ایک تیسری تفسیر امام رازیؒ وغیرہ نے بیان کی ہے اور وہ یہ کہ حضرت

سلیمان علیہ السلام ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گئے اور اس کی وجہ سے نقاہت اس درجہ بڑھ گئی کہ جب تخت پر لا کر بٹھائے گئے تو ایک بے روح جسم معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمائی اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے شکر بھی ادا کیا اور مغفرت بھی طلب فرمائی اور آئندہ کے لئے بے نظیر حکومت کی دعا بھی کی۔

لیکن یہ تفسیر بھی محض قیاسی ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ سے بھی زیادہ مناسبت نہیں رکھتی اور کسی روایت سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی یقینی تفصیلات معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اور نہ ہم اس کے مکلف ہیں۔ لہذا اتنی بات پر ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آزمائش کی تھی جس کے بعد ان میں انابت الی اللہ کا جذبہ پہلے سے زیادہ پیدا ہوا اور اس واقعہ کو ذکر کرنے سے قرآن کریم کا اصل مقصد تمام انسانوں کو اس بات کو دعوت دینا ہے کہ وہ کسی مصیبت یا آزمائش میں مبتلا ہوں تو انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح پہلے سے زیادہ رجوع الی اللہ کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ رہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کی تفصیلات سو ان کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ٥ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ٥ وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ٥ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ٥ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ٥ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ٥

بولا اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کو میرے پیچھے بے شک تو ہے سب کچھ بخشنے والا۔ پھر ہم نے تابع کر دیا اس کے ہوا کو چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا۔ اور تابع کئے شیطان سارے عمارت کرنے والے اور غوطے لگانے والے اور بہت سے اور جو باہم جکڑے ہوئے ہیں بیڑیوں میں۔ یہ ہے بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہ ہوگا۔ اور اس کو ہمارے یہاں مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

تفسیر: هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی. (مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو) اس دعا کا مطلب مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ میرے زمانے میں میری جیسی عظیم الشان سلطنت کسی اور کو میسر نہ ہو گویا ان کے نزدیک "میرے بعد" کا مطلب "میرے سوا" ہے حضرت تھانویؒ نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے لیکن بیشتر مفسرین کے نزدیک دعا کا مفہوم یہ ہے کہ میرے بعد بھی کسی کو عظیم الشان حکومت حاصل نہ ہو۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جیسی حکومت عطا فرمائی ویسی بعد میں بھی کسی کو نصیب نہ ہو سکی کیونکہ ہواؤں کا مسخر ہونا اور جنات کا ایسا تابع ہونا بعد میں کسی کو میسر نہ آسکا۔ بعض لوگ عملیات وغیرہ کے ذریعہ بعض جنات کو جو مسخر کر لیتے ہیں وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر جنات سے اس کو کوئی نسبت نہیں عملیات کے ماہرین دو ایک یا چند جنات و تابع بنا لیتے ہیں لیکن جس طرح کی ہمہ گیر حکومت حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھی ویسی کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

حکومت اور اقتدار کی دعا:

یہاں یہ بات بھی یادرکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا بھی باری تعالیٰ کی اجازت ہی سے مانگی تھی اور چونکہ اس کا منشاء محض طلب اقتدار نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور کلمہ حق کو سربلند کرنے کا جذبہ کارفرما تھا اور باری تعالیٰ کو معلوم تھا کہ حکومت ملنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام انہی مقاصد عالیہ کے لئے کام کریں گے اور حب جاہ کے جذبات ان کے دل میں جگہ نہیں پائیں گے، اس لئے انہیں اس دعا کی اجازت بھی دے دی گئی اور اسے قبول بھی کر لیا گیا لیکن عام لوگوں کے لئے از خود اقتدار کے طلب کرنے کو حدیث میں اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں حب جاہ و مال کے جذبات شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جہاں انسان کو اس قسم کے جذبات نفسانی سے خالی ہونے کا یقین ہو اور وہ واقعۃً اعلاء کلمۃ الحق کے سوا کسی اور مقصد سے اقتدار حاصل نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے حکومت کی دعا مانگنا جائز ہے۔ (روح المعانی وغیرہ)

مقرنین فی الاصفاد۔ (زنجیروں میں جکڑے ہوئے) جنات کی تسخیر اور جو خدمات وہ انجام دیتے تھے ان کی تفصیل سورہ سبا میں گزر چکی ہے یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ سرکش جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اب ان زنجیروں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ یہی نظر آنے والی لوہے کی زنجیریں ہوں ہو سکتا ہے کہ جنات کو جکڑنے کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا ہو جسے آسانی سے سمجھانے کے لئے یہاں زنجیروں سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حکم جہاد
اور دنیاوی اور اخروی کامیابیوں کی بشارت
اور جہاد میں سستی دکھانے والے منافقین کی سرزنش۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ o وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ o ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ o فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ
الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ
وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ
اَعْمَالَهُمْ o سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ o وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ
o يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ o وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ o ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ o اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا o ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ o اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى
لَّهُمْ o وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْ اَخْرَجَتْكَ
اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ o اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ
سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ o مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ
اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ
خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً
حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ o وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا
مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ o وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ
اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ o فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ
اَشْرَاطُهَا فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ o فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ
مَثْوٰىكُمْ o وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ
اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ o طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ
مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ o فَهَلْ
عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ o
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ o اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ
الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا o اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ

بعد ما تبين لهم الهدى الشيطن سول لهم و املى لهمo ذلك
بانهم قالوا للذين كرهوا مانزل الله سنطيعكم في بعض الامر والله
يعلم اسرارهمo فكيف اذا توفتهم الملئكة يضربون وجوههم و
ادبارهمo ذلك بانهم اتبعوا مااسخط الله و كرهوا رضوانه فاحبط
اعمالهمo ام حسب الذين في قلوبهم مرض ان لن يخرج الله
اضغانهمo ولو نشاء لارينكهم فلعرفتهم بسيمهم و لتعرفنهم في
لحن القول والله يعلم اعمالكمo و لنبلونكم حتى نعلم المجهدين
منكم و الصبرين ونبلوا اخباركمo ان الذين كفروا و صدوا عن
سبيل الله و شاقوا الرسول من بعد ما تبين لهم الهدى لن
يضروا الله شيئا و سيحبط اعمالهمo يايها الذين امنوا اطيعوا الله
و اطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكمo ان الذين كفروا و صدوا
عن سبيل الله ثم ماتوا وهم كفار فلن يغفر الله لهمo فلا تهنوا و
تدعوا الى السلم و انتم الاعلون والله معكم ولن يتركم اعمالكم
o انما الحيوة الدنيا لعب و لهو و ان تؤمنوا و تتقوا يؤتكم
اجوركم ولا يسئلكم اموالكمo ان يسئلكموها فيحفكم تبخلوا و
يخرج اضغانكم o هانتم
هؤلاء تدعون لتنفقوا في سبيل الله فمنكم من يبخل و من يبخل
فانما
يبخل عن نفسه والله الغني و انتم الفقراء و ان تتولوا يستبدل قوما
غيركم ثم لا يكونوا امثالكمo

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ لوگ جو منکر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکا تو اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے اور جو کچھ محمدؐ پر نازل کیا گیا اس پر بھی ایمان لائے حالانکہ وہ ان کے رب کی طرف سے برحق بھی ہے تو (اللہ) ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کا حال درست کرے گا یہ اس لئے کہ جو لوگ منکر ہیں انہوں نے جھوٹ کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب مغلوب کر لو تو ان کی مشکیں کس لو پھر یا تو اس کے بعد احسان کر دیا تاوان لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے یہی (حکم) ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرے گا جلدی انہیں راہ دکھائے گا اور ان کا حال درست کر دے گا اور انہیں بہشت میں داخل کرے گا جس کی حقیقت انہیں بتا دی ہے اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہارے مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے رکھے گا اور جو منکر ہیں سو ان کے لئے تباہی ہے اور وہ ان کے اعمال اکارت کر دے گا یہ اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا ہے سو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی وہ دیکھتے ان کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے اللہ نے انہیں

ہلاک کر دیا اور منکروں کے لئے ایسی ہی (سزائیں) یہ اس لئے کہ اللہ ان کا حامی ہے جو ایمان لائے اور کفار کا کوئی بھی حامی نہیں بیشک اللہ انہیں داخل کرے گا جو ایمان لائے اور نیک کام کئے بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چارپائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانا ہے اور کتنی ہی بستیاں تھیں جو آپ کی اس بستی سے طاقت میں بڑھ کر تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو نکال دیا ہے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا پس کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جسے اس کے برے عمل اچھے دکھائے گئے ہوں اور انہوں نے اپنی ہی خواہشوں کی پیروی کی ہو اس جنت کی کیفیت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے (یہ ہے) کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو بگڑنے والا نہیں اور کچھ دودھ کی نہریں جن کا مزہ کبھی نہیں بدلے گا اور کچھ نہریں ایسے شراب کی جو پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ ہو گا۔ اور کچھ نہریں صاف شہد کی اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور اپنے رب کی بخشش (کیا وہ) ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا سو وہ ان کی آنتوں کے ٹکڑے کر ڈالے گا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی بات سنتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے ہاں سے نکل جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے اس نے ابھی ابھی کیا کہا یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے اور جو راستہ پر آگئے ہیں اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت

دیتااور انہیں پرہیزگاری عطا کرتا ہے پھر کیا وہ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہیں
کہ ان پر ناگہاں آئے پس تحقیق اس کی علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں پھر جب
وہ آگئی تو ان کا سمجھنا کیا فائدہ دے گا پس جان لو کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود
نہیں اور اپنے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہوں کی معافی
مانگئے اور اللہ ہی تمہارے لوٹنے اور آرام کرنے کی جگہ کو جانتا ہے اور کہتے
ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے کوئی سورت کیوں نہیں نازل ہوئی سو جس وقت
کوئی صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر
ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان لوگوں کو
دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی
بیہوشی طاری ہو پس ایسے لوگوں کے لئے تباہی ہے حکم ماننا اور نیک بات
کہنا (لازم ہے) پس جب بات قرار پا جائے تو اگر وہ اللہ سے سچے رہے تو ان
کے لئے بہتر ہے پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو
ملک میں فساد مچانے اور قطع رحمی کرنے لگو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے
لعنت کی ہے پھر انہیں بہرہ اور اندھا بھی کر دیا ہے پھر کیوں قرآن میں غور
نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں بیشک جو لوگ پیچھے کی
طرف الٹے پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر سیدھا راستہ ظاہر ہو چکا شیطان نے
ان کے سامنے برے کاموں کو بنا دیا اور انہیں آرزو دلائی یہ اس لئے کہ وہ
ان لوگوں سے کہنے لگے جنہوں نے اسے ناپسند کیا اس کو جو اللہ نے نازل کیا
ہے کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہا مانیں گے اور اللہ ان کی رازداری کو جانتا
ہے پھر کیا حال ہو گا جب ان کی (روحیں) فرشتے قبض کریں گے ان کے

مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے یہ اس لئے کہ یہ اس پر چلے جس پر
اللہ ناراض ہے اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کو برا جانا پھر اس نے بھی ان
کے اعمال اکارت کر دیئے کیا وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض (نفاق)
ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کی دلی دشمنی ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم
چاہتے تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیتے پس آپ اچھی طرح سے انہیں ان کے
نشان سے پہچان لیتے اور آپ انہیں طرز کلام سے پہچان لیں گے اور اللہ
تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں
سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں اور تمہارے
حالات کو جانچ لیں بیشک جنہوں نے انکار کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول
کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان پر

سیدھا راستہ واضح ہو چکا وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ ان کے
اعمال کو اکارت کر دے گا اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم
مانو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو بیشک جنہوں نے انکار کیا اور اللہ کی راہ سے
روکا پھر مر گئے درآنحالیکہ وہ کافر تھے سو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا پس تم
سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے
ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں نقصان نہیں دے گا بلاشبہ دنیا کی
زندگی تو کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو
تمہیں اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا اور اگر وہ تم سے وہ
(مال) مانگے پھر تمہیں تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور تمہارے دلی کینے
ظاہر کر دے خبردار تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے

جاتے ہو تو کوئی تم میں سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے سو وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے پرواہ ہے اور تم ہی محتاج ہو اور اگر تم نہ مانو گے تو وہ اور قوم سوائے تمہارے بدل دے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

تفسیر: اس سورۃ کا ایک نام قتال ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کفار کے خلاف قتال یعنی جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ پہلے مکہ میں مسلمانوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جہاد کی اجازت مانگی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تھا اور مدینہ میں اس کی اجازت دے دی تھی جیسا کہ اس سورۃ کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام محمد ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کریں گے تو دنیا کو اس کے مقام اور اس کی شان کا پتہ چل جائے گا۔ مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے یہی سورۃ نازل ہوئی ہے مگر آیت نمبر ۱۴ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ مکی ہے اور مفسرین کی اصطلاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ مکی کہلاتی ہیں اور جو سورتیں مدنی دور میں نازل ہوئی ہیں وہ مدنی ہیں۔ اور بعض آیات مکی دور والی جو مدنی سورتوں میں اور مدنی دور والی جو مکی سورتوں میں آجاتی ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایسا کیا گیا ہے اور یہ تطبیق کی وجہ سے ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سورۃ یا آیات اترتی تھیں تو آپ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خود فرماتے تھے کہ فلاں آیت فلاں جگہ رکھ دو۔ اور فلاں فلاں جگہ رکھ دو۔ بہر حال اس سورۃ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ

اس سے پہلے تمہارا سابقہ صرف کافروں کے ساتھ تھا اور اب منافقوں سے بھی ہوگا تمہیں ان کے ساتھ جہاد کی اجازت ہے اللہ تعالیٰ خود تمہاری مدد فرمائے گا مگر وہ جہاد کس طرح کرنا ہے؟ وہ امداد اللہ کس طرح آئے گی؟ جو مسلمان مارے جائیں گے ان کا کیا مرتبہ ہے؟ جو کافر گرفتار ہوں گے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا ہے؟ جو مسلمان جہاد میں حصہ لیں گے ان کی کیا حیثیت ہے؟ اور کب تک کفار سے جنگ جاری رکھنا ہے؟ یہ اجمال ہے تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

آیت ایک سے لے کر انیس تک اسلام اور کفر کو تقابل کے طور پر پیش فرمایا ہے چنانچہ آیت ایک میں فرمایا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے ہیں۔ یہاں کفر کے بعد صدو لگایا ہے یعنی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہے ان کے اعمال ضائع کئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو کافر ہیں مگر اللہ کے راستے دوسروں کو روکتے نہیں ان کے اعمال ضائع نہیں کئے اور اعمال سے مراد نیک اعمال بھی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اعمال ضائع کردیئے ہیں اور اب نیک اعمال کی برکات وہ نہ دنیا میں دیکھیں گے اور نہ آخرت میں اور اعمال سے مراد ان کفار کے اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منصوبے بھی ہیں جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹانے کے لئے تیار کئے تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مکہ میں مشرکین کا ایک اجلاس ہوا تھا جس میں یہ طے ہوا تھا کہ مکہ کے تمام قبائل کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیں چنانچہ اس کی خاطر انہوں نے رات کے وقت آپ کے مکان پر چڑھائی کردی اور محاصرہ کردیا اور یہ فیصلہ کیا کہ آپ جوں نماز تہجد کے لئے گھر سے نکلیں گے تو انہیں قتل کردیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی

نصرت فرمائی کہ ان کفار پر نیند طاری کر دی اور آپ ان کے چہروں پر ریت پھینکتے ہوئے گھر سے نکل گئے اور ان میں سے کسی کو پتہ نہ چلا اور غار ثور میں جا کر روپوش ہو گئے اور صبح کے وقت کفار جب بیدار ہوئے اور آپ کو گھر میں موجود نہ پایا تو آپ کو گرفتار کرنے کے لئے سو اونٹ انعام کا اعلان کیا اور اس انعام کی خاطر لوگ ادھر ادھر دوڑے اور کچھ اس غار ثور پر بھی پہنچے مگر غار کے اندر نہ گھسے باہر سے ہی واپس ہو گئے کیونکہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تان دیا تھا حالانکہ اسی رات کا واقعہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین دن اس غار میں رہ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور راستہ میں آپ کے تعاقب میں سراقہ بن مالک پیچھے سے آ رہے تھے تا کہ وہ آپ کو گرفتار کر کے انعام حاصل کر لیں مگر ان کی اونٹنی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہ سمجھ گئے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو اونٹنی سے اتر کر آپ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کر لیا اور آپ سے امان لکھ کر دینے کی درخواست کی تو آپ نے اسے امان لکھ دی۔ یہ کفار کے منصوبے ناکام ہونے کا پہلا موقعہ تھا۔

اور آیت نمبر دو میں ایمان اور اعمال صالحہ کی برکات بیان فرمائی ہیں والذین امنوا و عملوا الصلحت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نہ کسی دین پر ایمان رکھتے تھے اور نیک کام بھی کرتے تھے اور و امنوا بما نزل علی محمد کہ اب وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی مذہب پر نہیں تھے اور اب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی مذہب پر تھے اور اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے وہ وھو الحق من ربھم. اس جملہ میں ایک تو یہ اشارہ

فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے جو کتاب پیش فرماتے ہیں وہ انہوں نے خود نہیں بنائی بلکہ اللہ تعالی نے ان پر اتاری ہے یہ برحق ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ فرمادیا ہے کہ اس کتاب میں حقوق کا بیان ہے یعنی اللہ تعالی کے بندوں پر کیا کیا حقوق ہیں اور بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر کیا کیا حقوق ہیں اور وہ حقوق ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ کفر عنھم سیاتھم میں فرمایا ہے کہ ان اوصاف حمیدہ والے لوگوں کے گناہ اللہ تعالی نے معاف فرمادیئے ہیں یعنی زمانہ ماضی میں ان سے جو جو گناہ اور فروگذاشتیں ہوئی ہیں ان سب کو معاف فرمادیا ہے۔ واصلح بالھم میں فرمایا ہے کہ اب ان ایمان والوں کے حالات اللہ تعالی نے درست فرمادیئے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مکہ میں پہلے کفار نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا اس لئے بعض مجبور ہو کر حبشہ چلے گئے تھے اور بعض مدینہ میں تھے مگر ان کی تعداد قلیل تھی اور بعض ابھی مکہ میں تھے۔ اور جناب رسول اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو حبشہ والے مہاجرین مسلمان اور مکہ سے بھی ستم دیدہ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آگئے اس طرح مدینہ کے مسلمانوں سے مل کر یہ ایک اسلامی قوت جمع ہو گئی تھی اور اسلامی مملکت کی ابتدا شروع ہو گئی اور پھر رفتہ رفتہ قیصر و کسری کی حکومتوں پر ان کا قبضہ ہو گیا اور آیت تین میں آیت ایک اور دو کی علت بیان فرمائی ہے یعنی ذالك بان الذین کفروا اتبعوا الباطل میں فرمایا ہے کہ کافر باطل کی پیروی کرتا ہے باطل کے معنی جھوٹ اور بے ثبات کے آتے ہیں یہاں مراد کافروں کے عقائد اور ان کے اصول زندگی ہیں وہ بے ثبات ہیں کیونکہ کافر جن معبودوں کی عبادت کرتے ہیں ان میں سے بعض انبیاء علیھم الصلوۃ والسلام تھے جیسا کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، آل عمران اور حضرت عیسی علیھم السلام تھے یہ بھی فانی تھے اور بعض کافر فرشتوں کی

عبادت کرنے والے تھے یہ بھی فانی ہیں اور نیز انبیاء علیہم السلام اور فرشتے تو خود حق کے حامی تھے وہ باطل پر کسی کافر کی کیسے حمایت کر سکتے ہیں اور اسی طرح اولیاء اللہ کا حال ہے کہ بعض لوگ انہیں حاجات اور مشکلات میں پکارتے ہیں اور چونکہ یہ عقیدہ ہی غلط ہے تو اولیاء اللہ ان کی مدد کیسے کر سکتے ہیں جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ گجرات میں ایک مرتبہ سیلاب آگیا تو لوگ جمع ہو کر بابا شاہ دولہ کے پاس گئے۔ یہ ایک مشہور ولی اللہ تھا اور لوگوں نے ان سے درخواست کی یہ سیلاب ہٹائیں تو بابا نے بیلچہ لے کر پانی شہر کی طرف موڑنا شروع کر دیا تو لوگوں نے کہا یہ کیا کرتے ہو سارے شہر کو غرق کرنا ہے تو بابا نے کہا جدھر مولا ادھر شاہ دولہ اور بعض لوگ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ کی مورتیں بنا کر انہیں پوجتے ہیں۔ بہر حال یہ عقائد سب غلط ہیں اور اسی طرح کافروں کے اصول زندگی بھی غلط ہیں مثلا معاشرتی، تجارتی اور عدالتی نظام وغیرہ اللہ تعالی نے ان کے ان عقائد اور اصول زندگی کو اس آیت میں باطل سے تعبیر فرمایا ہے اور ان کے مقابلے میں ایمان والوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ وہ حق کی پیروی کرتے ہیں جو انہیں ان کے رب کی طرف سے نصیب ہوا ہے۔

اور کسی چیز کے بر حق ہونے کے لئے ادلہ اور براہین کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ حق اس لئے ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں عقیدہ توحید پر تین طرح کے دلائل پیش کئے ہیں۔ عقلی، نقلی اور وحی۔ دلائل عقلیہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی عقل کا تقاضا ہے کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک و مربی ایک ہی ہونا چاہئے دو یا متعدد ہوں گے تو جہان تباہ ہو جائے گا اور یہ ساری کائنات اس کے وجود مسعود پہ دلیل ہے کہ اس نے بنائی ہے کوئی اور اس کا بانی و میانی نہیں ہے اور دلائل نقلیہ کا مقصد یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے یہی گواہی دی ہے کہ وہ وحدہ لاشریک ہے اور یہ اصول

ہے کہ دو جج اگر مل کر کوئی فیصلہ کریں تو وہ قانون ہوتا ہے اس کی خلاف ورزی کو جرم سمجھا جاتا ہے اور اگر دو مفکر اور لیڈر ایک بات کہہ دیں تو وہ حجت اور دلیل ہوتی ہے تو جہاں ایک لاکھ اور چوبیس ہزار انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جن کے عقلاء مفکرین اور انسان بھی خواہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے ان کی بات بھی یقینی حجت ہے اور دلیل وحی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قرآن مجید میں بار بار اعتراف اور اظہار فرمایا ہے کہ اس کائنات کے بنانے میں اکیلا اور تنہا ہوں وحدہ لا شریک ہوں میرا اور کوئی شریک نہیں ہے اور اسی طرح عقیدہ قیامت کے دلائل بھی ہیں اور عقیدہ رسالت کے دلائل بھی ہیں اور جو اسلامی اصول زندگی ہے یہ بھی اسی خالق و مالک اور مربی کے بنائے ہوئے ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ ہی سارے جہان کا بادشاہ ہے تو اس بادشاہ کا کوئی قانون بھی تو ہونا چاہئے اور اسلامی نظام اور اصول زندگی اس کا قانون ہے اور باقی دنیا کے قوانین ان کے خود ساختہ ہیں جو سراسر مفاد پر مبنی ہیں اور خدائی نظام اور اصول محض انسانی مفاد پر مبنی ہیں کیونکہ یہ اس ذات کے بنائے ہوئے ہیں جو سب کا رب ہے اور سب کے ساتھ اس کا برابر کا تعلق ہے کالا۔ گورا۔ لنگڑا۔ اپاہج۔ امیر و غریب سب اسی کے بندے اور مخلوق ہیں اور نیز کسی قانون کی افادیت اور برکات کا پتہ اس کی پیروی اور اس پر عمل کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور ایمان والا جب نظام رب العالمین پر عمل کرتا ہے تو اسے اس کی برکات کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ پھر بیٹھتے اٹھتے چلتے پھرتے اسے اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے اور یہ بھی دنیا میں مانا اصول ہے کہ ہر بادشاہ اپنے قانون کے محافظوں کی حمایت کرتا ہے اور اسی طرح رب العالمین بھی اپنے قوانین کی پیروی کرنے والوں کی حمایت کرتا ہے اسی لئے یہاں اس نے یہاں تعریف فرمائی ہے کہ ایمان والے حق کی پیروی کرتے ہیں جو انہیں اپنے رب کی طرف سے نصیب ہوا ہے کذالک یضرب

اللّٰہ للناس امثالھم. یعنی اللہ تعالیٰ جب سب کا رب ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ سارے لوگ حق وباطل کو سمجھیں اور اس میں امتیاز کریں تو اس سلسلہ میں مثالوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے تو وہ مثالیں بھی دیتا ہے اسی لئے یہاں بھی مثال دی ہے اور آیت چار میں چھ چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سے جملہ میں ایمان والوں کی یہ تعلیم دی ہے کہ کافروں کو حق وباطل میں امتیاز کر کے بتاؤ کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ہے اور اسلام کی اصطلاح میں اسی کو جہاد کہتے ہیں اور کافروں کا چونکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہوتا نہیں ان کا اعتماد اسباب پر ہوتا ہے اور باطل معبودوں پر ہوتا ہے اور ایمان والوں کو یہ حکم ہے کہ ان اسباب اور باطل معبودوں کو توڑو اور ان کے پرستاروں کی گردنیں اڑاؤ تا کہ یہ فرق ہو جائے کہ فلاں حق ہے اور فلاں باطل ہے۔دوسری چیز حتی اذااثخنتموھم فشدوا الوثاق یعنی یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب مغلوب کر لو تو ان کی مشکیں کسو یعنی پہلے تو ان کو خوب مارو اور قتل کرو اور جو مغلوب ہو کر ہتھیار ڈال دیں تو ان کو گرفتار کر لو اور تیسری چیز فاما منا بعد اما فداء حتی تضع الحرب اوزار ھا پھر یا تو اس کے بعد احسان کر دیا تاوان لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے اما کا لفظ اگر تکرار کے طور پر آئے تو وہاں اختیار مقصود ہوتا ہے یعنی وہاں مذکور احکام میں سے جو اختیار کرے اس کی اسے اجازت ہوتی ہے اور یہاں چونکہ اما مکر آیا ہے اور پہلے اما کے بعد منا کا ذکر ہے اور دوسرے کے بعد فداء کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران جہاد جو کفار قید اور گرفتار ہو جائیں ان کے بارے میں ایک تو منا (احسان) کا اختیار ہے اور دوسرا فداء کا اختیار ہے یعنی خلیفۃ المسلمین کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ان قیدیوں میں سے جو وہ چاہے ویسے

احسان کے طور پر آزاد کر دے یہ صورت اپنانے سے غیر مسلموں پر بڑا گہرا اثر پڑے گا یا تو وہ اسلام قبول کر لیں گے یا انہیں اسلام سے نفرت کم ہو جائے گی اور اس خلیفہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ ان سے فدیہ لے اور اس فدیہ کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ان کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ کرلے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان سے تاوان جنگ وصول کرے اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر وہ تاوان نہ ادا کریں یا نہ کر سکیں تو ان کو غلام قرار دے کر ان سے خدمت لیں ان سے تجارت وغیرہ کرائیں جو منافع آئے اس میں سے ان پر بھی مالک خرچ کرے اور باقی خود استعمال کرے۔ یہ صورتیں تو فداء سے نکلتی ہیں اور ایک پانچویں صورت بھی ہے کہ وہ خلیفہ المسلمین انہیں قتل کرنا چاہے تو قتل بھی کر سکتا ہے یعنی جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر دے تو اس کے بدلے اسے قتل کیا جاتا ہے بعینہ اسی طرح اگر یہ پتہ چل جائے کہ فلاں فلاں قیدیوں نے فلاں فلاں مسلمان کو قتل کیا ہوا ہے تو وہ خلیفہ ان قیدیوں کو قتل بھی کرا سکتا ہے مگر اس صورت کا امامنا بعد و اما فداء سے تعلق نہیں یہ فقہی مسئلہ ہے حتی تضع الحرب اوزار ھا (یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کافروں کے ساتھ جنگ بند ہو جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ کافروں کو شکست ہو جائے اور اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کر کے جزیہ ادا کرنے پر امادہ ہو جائیں اور چوتھی چیز ذالك ہے یعنی مذکورہ صورتوں پر عمل کرنے کا مسلمانوں کو اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہے پانچویں چیز ولو شاء اللہ لانتصر منہم ولکن لیبلوا بعضکم بعض اور اگر اللہ تعالی چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان لیتا ہے یہ جملہ ازالۂ وہم کے لئے ہے۔ وہم یہ پڑتا ہے کہ خدا نے اپنے منکرین سے انتقام اور سزا دینے کے لئے مسلمانوں کو

کیوں حکم دیا ہے کیا وہ خود کافروں سے انتقام نہیں لے سکتا؟ تو یہ وہم دور کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ وہ کمزور نہیں ہے وہ اپنے مخالفین سے انتقام ے سکتا ہے لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان لینا چاہتا ہے یعنی اللہ تعالی جہاد کے ذریعہ کافر کا بھی امتحان لینا چاہتے ہیں اور ایمان دار کا بھی۔ کافر کا امتحان یہ ہے کہ چونکہ اس کا اللہ تعالی پر ایمان ہوتا نہیں ہے وہ تو اسباب اور باطل معبودوں پر اعتمار رکھتا ہے اور وہ اسلام کو مٹانے کے لئے فل طاقت استعمال کرتا ہے اور جب اسے ناکامی ہوتی ہے تو پھر اس کا اللہ تعالی پر یقین آتا ہے اور اگر پھر بھی اسے یقین نہ آئے تو وہ کند ذہن اور کورا مغز ہے اور ایمان دار کا یہاں امتحان یہ ہے کہ جب اسے دنیا کی عظیم طاقت کے مقابلہ میں فتح ہوتی ہے تو اللہ تعالی کی ذات پر اس کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور چھٹی چیز یہ ہے کہ والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم اور جو اللہ تعالی کے راستے میں مارے جائیں گے تو اللہ تعالی ان کے اعمال ہر گز برباد نہیں کرے گا اس سے مراد نیکیاں بھی ہیں اور ان کے جہادی منصوبے بھی ہیں اور آیت نمبر پانچ میں دو وعدے ہیں ایک وعدہ ہے سیھدیھم کہ اللہ تعالی انہیں جلدی راہ دکھائے گا اس سے مراد عقیدہ توحید کا تعارف ہے جس کی تفصیل پورے قرآن میں بیان کر دی گئی ہے اور دوسرا وعدہ ہے و یصلح بالھم کہ اللہ تعالی ان کے احوال درست کرے گا یعنی اس سورۃ محمد کے نزول کے وقت ایمان داروں کے حالات اچھے نہیں تھے مگر اس کے بعد ان کے حالات جہاد کی بدولت درست ہو گئے تھے جس پر تاریخ گواہ ہے۔ ان شاء اللہ تفصیل آرہی ہے اور آیت چھ میں ایمان والوں کے ساتھ داخلہ جنت کا وعدہ ہے۔

اور آیت سات یایھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے

قدم جمار کھے گا اس آیت میں دو اور وعدے فرمائے ہیں ایک یہ ہے کہ ایمان والو اگر تم اللہ تعالی کے تعارف کے لئے میدان جہاد میں آؤ گے تو اللہ تعالی تمہاری مدد فرمائے گا اور دوسرا وعدہ یہ ہے کہ وہ تمہارے قدم جمائے گا کیونکہ میدان جہاد میں کفار کی فوج اور اسلحہ کے مقابلہ میں قدم جمنا مشکل ہے اور آیت اٹھ **والذین کفروا افتعسالهم و اضل اعمالهم** اور وہ لوگ جو کافر ہیں سو ان کے لئے بربادی ہے اور ان کے اعمال اکارت کردے گا یہ پیشگوئی غزوہ بدر میں پوری ہو گئی تھی۔ آیت نوں **ذلك بانهم كرهوا ما انزل الله فاحبط اعمالهم** یہ اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا سو اس نے ان کے اعمال ضائع کردیئے۔ اس آیت میں آیت آٹھ کے مضمون کی علت بیان فرمائی ہے آیت دس **افلم يسيروا في الارض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم** کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی وہ دیکھتے ان کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے یہ جملہ تذکیر بایام اللہ ہے اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی ان کافروں کو زمین میں سیر کرنا چاہیے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان سے پہلے کافروں کا کیا انجام ہوا **دمر الله عليهم** (اللہ نے انہیں ہلاک کردیا) اس جملہ میں اللہ تعالی نے پہلے کافروں کی تفصیل بیان فرمادی کہ اللہ نے انہیں ہلاک کیا تھا **و للكفرين امثالها** (اور کافروں کے لئے ایسی ہی سزائیں ہیں یعنی جو بھی لوگ خدا کا انکار کریں گے خداوند پاک ان کو اسی طرح سزا دے گا۔ آیت گیارہ **ذالك بان الله مولى الذين امنوا و ان الكفرين لا مولالهم** اس آیت میں پہلی قومیں جو تباہ ہوئی تھیں ان کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالی [illegible] والوں کا حامی ہے اور کافروں کا حامی کوئی نہیں یعنی پہلی قوموں کو جب اللہ تعالی نے تباہ کیا تھا تو ان کی مدد کے لئے ان کے باطل معبود آئے اور نہ ہی ان کے مال و متاع اور اسباب ان کے کام آئے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا جو یہ عقیدہ تھا کہ یہ ان کی

مدد کریں گے یہ غلط تھا اور ایمان والوں کے پاس مادی اسباب نہ ہونے کے برابر تھے پھر بھی وہ کامیاب ہو گئے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے آیت بارہ میں ایمان والوں کے لئے جنت کی بشارت ہے اور کافروں کے لئے دوزخ اور آیت تیرہ میں ایک اور تذکیر بایام اللہ اور دھمکی سنائی ہے کہ پہلے بڑے بڑے طاقتور خدا نے تباہ کئے تھے ان مکے والوں کی کیا حیثیت ہے اور آیت چودہ میں پہلے کافروں کی تباہی کی ایک اور وجہ بیان فرمائی ہے کہ حق پرست اور باطل پرست برابر نہیں ہو سکتے اور آیت پندرہ میں ایمان والوں کو ایک اور مفصل بشارت سنائی ہے اور اس میں حق پرستوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں جو انعامات رکھے ہیں ان کی تفصیل ہے اور اس میں کافروں کا ٹھکانا دوزخ بیان فرمایا اور فرمایا ہے کہ انہیں پینے کے لئے جو پانی ملے گا اس سے ان کی آنتیں کٹ جائیں گی اور آیت سولہ میں یہ بتایا ہے کہ کافر لوگ قران سن کر بھی اثر قبول نہیں کرتے ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ در حقیقت اللہ تعالیٰ نے حق سمجھنے کے لئے انسانوں کو توفیق عطا فرمائی ہے جن کے پاس یہ توفیق نہیں وہ شرعی احکامات کے مکلف نہیں ہے مثلاً آنکھیں دی ہیں حق کو دیکھنے کے لئے اور کان بخشے ہیں حق سننے کے لئے اور دل و دماغ دیئے ہیں حق سمجھنے کے لئے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا حق سمجھانے کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھ کر لوگوں کو سنایا تھا پس جس نے قرآن کو سنا دیکھا سمجھا اس کو تو ہدایت نصیب ہو گئی تھی اور جس نے قرآن نہ دیکھا نہ سنا نہ سمجھا وہ ہدایت سے محروم رہ گیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے یہاں طبع اللہ علی قلوبھم سے تعبیر فرمایا ہے اور آیت سترہ کی تشریح پہلے آ گئی ہے آیت اٹھارہ میں تین چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی فھل ینظرون الا الساعة ان تاتیھم بغتة۔ پھر کیا وہ اس کی گھڑی کا انتظار کرتے ہیں کہ

ان پر ناگہانی آئے یعنی کافروں کا یہ خیال ہے کہ قیامت آئے گی تو ایمان لے آئیں گے دوسری چیز فقد جاء اشراطها تحقیق اس کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں۔ قیامت کی اکثر علامات تو ظاہر ہو چکی ہیں اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ العزیز بحث عقیدہ قیامت میں آئے گی۔ یہاں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے تیسری چیز یہ ہے کہ فانی لهم اذا جاء تهم ذکرهم سو جب ان کے سامنے وہ آکھڑی ہوگی تو ان کو نصیحت آجانے کا کیا فائدہ ہوگا؟ یعنی دار العمل اور استفادہ نصیحت دنیا ہے قیامت میں نصیحت آجانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آیت انیس اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو حکم ہیں پہلا حکم یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں یعنی لوگوں نے معبود تو بت بنا رکھے ہیں مگر وہ معبود برحق نہیں ہیں کیونکہ معبود ہونے کے لئے چار صفات کا ہونا ضروری ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق و مالک مربی اور عالم الغیب بھی ہو جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ معبود ہونے کا اہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ سارا قرآن اس پر گواہ ہے باقی جنات فرشتے۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء اللہ میں چونکہ یہ صفات نہیں پائی جاتی ہیں اس لئے ان میں سے کوئی بھی معبود برحق ہونے کا اہل نہیں ہے اور اس آیت میں دوسرا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ملا ہے واستغفر لذنبك وللمومنين والمومنات اے نبی اپنے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے لئے معافی مانگئے۔ بعض دیگر قرآنیہ اور احادیث طیبہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گناہوں کی معافی مانگنے کا حکم دیا ہے اس سے مراد خطاء اجتہادی ہے۔ خطاء اجتہادی کا مقصد یہ ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوضہ امور اور فرامین کی پوری پوری تعمیل کرتا ہے حتی کہ وہ اس تعمیل ارشاد الہی میں جان تک کی بازی لگا دیتا

ہے لیکن کیا اس حکم خداوندی کا حق ادا ہوا یا نہ۔ اس کا عالم اللہ تعالیٰ ہے ہو سکتا ہے کہ نبی سے کوئی چوک ہو گئی ہو یا خلاف اولیٰ کوئی کام ہو گیا ہو تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو تنبیہہ فرماتے ہیں اور معافی مانگنے کا انہیں حکم دیتے ہیں تاکہ قیامت میں بارگاہ الٰہی میں وہ پاک صاف ہو کر حاضر ہوں۔ نیز اس سے امت کو بھی تعلیم دینا مقصود ہے کہ جب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو خطاء اجتہادی یا خلاف امور الٰہی کرنے پر بھی معافی مانگنے کا حکم ہے تو تم تو بطریقہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کے دربار میں معافی مانگو۔ اگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو گناہ کبائر یا صغائر کا مرتکب مانا جائے تو اس کا مقصد یہ ہو گا کہ یا تو خدا کو ان کے انتخاب کے وقت غلطی لگی ہو گی یا قصداً خدا نے اسوہ انبیاء غلط پیش ہو گا۔ یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں کیونکہ اس سے خدا پر اعتماد اٹھ جائے گا لہٰذا عقیدہ یہی صحیح ہے کہ خدا نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا انتخاب صحیح کیا تھا اور ان کا اسوہ بھی صحیح پیش کیا تھا اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغیرہ یا کبیرہ تمام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں یہودیوں عیسائیوں اور بعض یہود اور عیسائی نواز مسلمان لیڈروں کے نظریات غلط ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی گناہ کے مرتکب ہوتے تھے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا آپ کو حکم تھا کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اور اس سلسلہ میں سورۃ النصر میں بھی یہی مضمون موجود ہے جیسا کہ اس سورہ محمد میں ہے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورہ کے نزول کے بعد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے، اور جاتے آتے ہر وقت میں یہ دعا پڑھتے تھے سبحان اللہ و بحمدہ استغفراللہ و اتوب الیہ اور فرماتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے (معارف) ایمان والوں کے لئے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

مغفرت ابن کثیر نے بروایت ابوذرؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پوری رات ایک ہی آیت پڑھتے رہے۔ اور وہ آیت **ان تعذبهم فانهم عبادك و ان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم.** اگر توان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے اور توان کو معاف کردے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہی پڑھتے رہے رکوع اسی سے کرتے رہے اور سجدے اسی سے کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی امت کے واسطے شفاعت کی درخواست کی تو مجھے عطا فرمائی گئی اور وہ انشاء اللہ ملنے والی ہے۔ یہ شفاعت ایسے شخص کے واسطے ہے جس نے اللہ تعالی کے ساتھ شریک نہ بنایا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مذکورہ آیت پڑھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اللھم امتی یعنی میرے پروردگار میری امت کی طرف نظر رحمت فرما۔ اور آپ رونے لگے اس پر اللہ تعالی نے بذریعہ جبرئیل امین رونے کی وجہ دریافت فرمائی تو آپ نے جبرئیل امین کو مذکورہ قول سے آگاہ کیا اس پر اللہ تعالی نے حضرت جبرئیل امین سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ دو کہ ہم عنقریب تیری امت کے بارے میں تم کو راضی کردیں گے اور تم کو ناخوش نہ کریں گے (معارف) حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے عرفہ کی شام کو بخشش کی دعا مانگی تو آپ کو جواب دیا گیا کہ میں نے انکو بخش دیا ہے مگر ظالم کو نہیں بخشوں گا۔ میں نے ضرور اس سے مظلوم کا انتقام لینا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اے مرے رب اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو ظلم سہنے کے بدلے جنت دے دیں اور ظالم کو بخش دیں تو آپ کی وہ دعا عرفہ کی شام قبول نہیں کی گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں

پھر یہی دعا دہرائی تو قبول کر لی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے ہنسنے کی وجہ دریافت فرمائی تو فرمایا کہ اللہ کے دشمن شیطان کو جب پتہ چلا کہ اللہ تعالی نے میری دعا قبول فرمالی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے اپنے لئے تباہی اور بربادی کی دعا کی تو میں اس کی چیخ و پکار کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ (یہ حدیث صاحب مشکوۃ نے ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کی ہے) یہ تو آپ نے دنیا میں اپنی امت کے لئے جو دعا مغفرت کی اس کا بیان ہے اور قیامت کے دن شفاعت کبری کا واقعہ ان شاء اپنے مقام پر آئے گا۔ اور ایک یہ عقیدہ سکھایا ہے۔ واللہ یعلم متقلبکم ومثوکم اور اللہ تعالی لوٹنے اور آرام کرنے کی جگہ کو جانتا ہے یعنی اللہ تعالی نے اس جملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہؓ کو یہ تعلیم دی کہ اللہ تعالی کو عالم الغیب مانو۔ قرآن کریم کی اصطلاحات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دو قسم ہے ایک علم غیب اور دوسرا خبر غیب۔ علم غیب وہ ہے جو سوائے کسی کے بتلانے آئے جیسا کہ اللہ تعالی کا علم اللہ تعالی علم کا خزانہ ہے اور اس نے یہ علم کسی سے حاصل نہیں کیا۔ وہ اپنے علم کے سلسلہ میں کسی قسم کی وحی۔ الہام۔ القاء وغیرہ کا محتاج نہیں ہے قرآنی اصطلاح میں اس کو علم الغیب کہا گیا ہے اور اللہ تعالی کی ذات کو عالم الغیب کہا جاتا ہے اور اللہ تعالی اپنی طرف سے اور اپنے خزانہ غیب سے جتنا اور جو علم اپنے بندوں کو دے دے اس کو غیب کی خبر کہا جاتا ہے اور یہ علم ہر ذی روح مخلوق کو اللہ تعالی نے بخشا ہے جنات۔ فرشتے۔ انسان چرند و پرند کو اس کی استعداد اور ضرورت کے مطابق اسے علم اس نے دیا ہے مگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو سب سے زیادہ علوم عطا فرمائے ہیں مگر ان تمام کے علوم کا نام قرآنی اصطلاح میں اخبار غیب ہے، علم غیب نہیں۔ بعض لوگوں کو یہاں غلطی لگی ہے کہ وہ علم غیب اور خبر غیب میں فرق نہیں کرتے اور وہ انبیائے

علیہم الصلوۃ السلام کو بھی عالم الغیب کہنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ عالم الغیب ہونا صرف خداوند تعالی کی صفت مختصہ ہے جس طرح کہ خالق ومالک ورزاق اللہ تعالی کی صفات مختصہ ہیں ان کا اطلاق کسی غیر پر جائز نہیں ہے اسی طرح عالم الغیب کا اطلاق بھی اللہ کے سوا غیر پر جائز نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو یہ شرک ہے۔ سورۃ محمد کے شروع سے لے کر آیت انیس کے آخر تک اسلام اور کفر کو تقابل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آیت بیس سے لے کر اکتیس کے آخر تک اسلام اور نفاق کو تقابل کے طور پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ آیت بیس کے شروع کے جملہ **و یقول الذین امنوا لولا نزلت سورة** اور ایمان والے کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی؟ یعنی ایمان والوں کے دلوں میں ایک جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے کوئی سورت اترے اس میں نئے اعمال کا بیان ہو جس میں جہاد کا حکم ہو یا کوئی اور حکم ہو جس پر عمل کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی یہ برکات ہیں کہ جب وہ انسان میں آجاتا ہے تو انسان خودبخود نیک اعمال کی تمنا کرتا ہے اور برے اعمال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ تمنا کی تھی۔ اسی لئے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ سال تک ان پر محنت فرمائی تھی اور یہ اسی محنت کی نتیجہ ہے کہ آپ کے صحابہ جہاد کے لئے تمنا کرتے تھے کہ اللہ تعالی کوئی موقعہ لائے تو ہم جہاد کریں **فاذا نزلت سورة محكمة و ذكر فيها القتال رايت الذين في قلوبهم مرض ينظرون اليك نظر المغشى عليه من الموت فاولى لهم**۔ سو جس وقت کوئی صاف مضمون کی سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو پس

ایسے لوگوں کے لئے تباہی ہے اس آیت میں اللہ تعالی نے منافقین کی علامت بیان فرمائی ہے کہ جہاد کا حکم سن کران پر غشی اور بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ایسا وہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا خدا پر ایمان نہیں اور اس لئے جہاد کو وہ عبث سمجھتے ہیں۔ یہ علامت بیان کرنے کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایسا مرض نہیں ہونا چاہئے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مجاہدین کو صفوں میں نہ آنے دیں کیونکہ وہ اگر مجاہدین کی صفوں میں آگئے تو وہ انہیں عظیم نقصان پہنچائیں گے اور اللہ تعالی نے منافقین کے نفاق کو یہاں مرض سے تعبیر فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مریض تڑپتا رہتا ہے اس کی بیماری کبھی اس کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے اسی طرح منافق بھی اندر اندر سے جلتا رہتا ہے اور آخر اس کا نتیجہ دوزخ ہوتا ہے جیسا کہ آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اولھی لھم کہ ان کے لئے تباہی ہے۔ آیت اکیس طاعة و قول معروف فاذاعزم الامر فلو صدقوا اللہ لکان خیر لھم حکم ماننا اور نیک بات کہنا لازم ہے پس جب بات قرار پاجائے تو اگر وہ اللہ سے سچے رہے تو ان کے لئے بہتر ہے۔ اس آیت کے پہلے جملہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر مومن پر حیثیت مومن ہونے کے دو باتیں لازم ہیں۔ ایک اللہ اور اس کے نبی کا فرمان خوش دلی سے مانیں اور اس پر عمل کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ ہر نیکی دوسروں تک پہنچائیں اور منافق یہ دونوں کام نہیں کرتے وہ زبانی جمع خرچ کر دیتے ہیں اور آیت میں دوسری چیز یہ بتائی فاذا عزم الامر تا آخر یعنی اگر وہ عمل کر کے دکھائیں تو ان کے لئے بہتر ہے آیت نمبر بائیس فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو ملک میں فساد مچانے اور قطع رحمی کرنے لگو گے۔ اس آیت میں بھی منافقین ہی کو خطاب ہے کہ اگر تمہیں زمین میں حکومت دے

دی جائے تو فساد کرو گے اور قطع رحمی کرو گے۔ اور اس آیت میں مسلمانوں کو بھی اشارہ بتلادیا کہ تم جہاد کرو گے تو زمین میں تمہیں حکومت ملے گی مگر تم نے منافقین کو حکومت میں شامل نہیں کرنا کیونکہ اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد امن وامان قائم کرنا اور فساد مٹانا ہے اور صلہ رحمی قائم کرنا ہے اور منافقین امن اور صلہ رحمی کے دشمن ہیں فساد سے مراد چوری۔ ڈکیتی۔ اور قتل وغارت ہے اور قطع رحمی سے مراد نکاح کے اصول کو ختم کرنا اور بدکاری اور بے حیائی کا نظام قائم کرنا ہے۔ نکاح سے برادریاں رشتے اور انسان میں جوڑ پیدا ہوتا ہے اتفاق واتحاد اور محبت پیدا ہوتی ہے اور بدکاری سے یہ سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں اور انسانوں کے درمیان بے رحمی آجاتی ہے۔ آیت تئیس اولئك الذين لعنهم الله فاصمهم واعمى ابصارهم یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے پھر بہرا اور اندھا بھی کر دیا ہے اس آیت میں منافقین کی سزائیں بیان کی ہیں لعنت بہرا اور اندھاپن۔

اس آیت میں جو لفظ لعنت آیا ہے اس سے مراد اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہونا ہے اور رحمت دنیاوی بھی ہو سکتی ہے اور اخروی بھی اور دنیاوی رحمت سے مراد دنیاوی حکومت بھی ہو سکتی ہے جس کی تفصیل اس سے قبل آیت میں آچکی ہے اور اخروی رحمت سے مراد جنت سے محرومی ہے اور اندھا اور بہرا بنانے سے مراد مہر جباریت ہے۔ یعنی اللہ تعالی نے ہر انسان کو حق سمجھنے کے لئے عقل عطا فرمائی ہے اور حق کو سننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھیں بخشی ہیں اور پیغمبر کا کام حق اور سچی بات سنانا ہے پس جو آدمی حق کو سنے گا دیکھے گا اس میں غور کرے گا تو اس کو ہدایت نصیب ہو گی اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ ہدایت سے محروم ہو جائے گا پھر وہ خیر وشر میں امتیاز نہیں کر سکے گا اس کو فاصمھم اور اعمی ابصارھم سے تعبیر فرمایا ہے یعنی جس طرح

حقیقی اندھا خیر و شر میں امتیاز نہیں کر سکتا اسی طرح منافق بھی یہ امتیاز نہیں رکھتے اور جس کے پاس یہ توفیق نہیں ہے مثلاً فی الواقع وہ پاگل ہے یا فی الواقع وہ اندھا ہے یا گونگا ہے تو وہ شرعی احکامات کا مکلف بھی نہیں ہے۔ آیت چوبیس افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا پھر کیوں قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں اس آیت میں منافقین کو قرآن میں غور فکر کی ترغیب دلائی ہے یعنی قرآن تو اعلی درجہ کا مؤثر ہے۔ اگر وہ اس میں ذرا سا غور کرے تو ان کا شک دور ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے تو انہیں سمجھنے کی توفیق دے رکھی ہے۔ قصور ان کا اپنا ہے کہ وہ توجہ نہیں دیتے آیت پچیس ان الذین ارتدوا علی ادبارھم من بعد ماتبین لھم الھدی الشیطن سول لھم و املے لھم۔ بے شک جو لوگ پیچھے کی طرف الٹے پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر سیدھا راستہ ظاہر ہو چکا شیطان نے ان کے سامنے برے کاموں کو بھلا کر دکھایا اور انہیں آرزو دلائی۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ منافقین نے پہلے تو اسلام قبول کر لیا تھا یا ہر زمانہ میں منافق پہلے اسلام قبول کریں گے مگر شیطان نے انہیں جھوٹی آرزوئیں دلا کر گمراہ کر دیا ہے یا کر دے گا شیطان ایک آتشی لطیف طاقت ہے اور یہ بھی اللہ تعالی ہی کی پیدا کردہ مخلوق ہے یہ مخلوق نظر نہیں آتی۔ اس کی انسان سے ازلی اور ابدی دشمنی اور عداوت ہے کیونکہ اس طاقت کا سر کردہ جو ابلیس ہے یہ خلافت ارضی کا خواہش مند تھا مگر اللہ تعالی نے اس کے بجائے انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنا دیا تھا تو اس وقت سے اس کی آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کے ساتھ عداوت چلی آ رہی ہے۔ اس کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان ہدایت پر نہ آئے اور اگر وہ آجائے تو اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ منافقین کو اس نے گمراہ کر دیا تھا آیت چھبیس ذالك بانھم قالوا للذین کرھوا ما

نزل اللہ سنطیعکم فی بعض الامر. واللہ یعلم اسرارھم. یہ اس لئے کہ وہ ان لوگوں سے کہنے لگے جنہوں نے ناپسند کیا اس کو جو اللہ نے اتارا ہے کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہا مانیں گے اور اللہ ان کی رازداری کو جانتا ہے۔ بانھم کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے الذین کرھوا سے مراد یہودیوں کے سردار ہیں مقصد یہ ہے کہ ان منافقین کی یہودیوں کے ساتھ سازباز ہے اور وہ اسلام کے بدترین دشمن ہیں اس لئے انہوں نے ان کو گمراہ کیا ہے گویا اس آیت میں پہلی آیت کی علت بیان فرمادی ہے اور اس سازباز کا علم کیسے ہوا تو آیت کے آخر میں فرمایا واللہ یعلم اسرارھم اللہ تعالی ان کی رازداری کو جانتا ہے تو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتلایا ہے آیت ستائیس فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم و ادبارھم. پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے اس آیت میں منافقین کو ان کی روحیں قبض کرتے وقت جو عذاب دیا جاتا ہے اس کا بیان ہے آیت اٹھائیس ذالک بانھم اتبعوا ما اسخط اللہ و کرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم یہ اس لئے کہ یہ اس پر چلے جس پر اللہ ناراض ہے اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کو برا جانا پھر اس نے بھی ان کے اعمال اکارت کردیئے۔ اس آیت میں پہلی آیت کے مضمون کی علت بیان فرمائی کہ منافقوں نے اللہ کی ناراضگی کے کاموں لئے اور رضا الہی کو ناپسند کیا اس لئے ان کو فرشتے فوت کرتے وقت سزا دیتے ہیں۔

اس آیت کی تشریح جنازہ کی بحث میں گزر گئی ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

آیت انتیس ام حسب الذین فی قلوبھم مرض ان لن یخرج اللہ اضغانھم. کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کی دشمنی

ظاہر نہیں کرے گا؟ یعنی منافقین جو مسلمانوں کے بارے میں دشمن رکھتے ہیں اللہ تعالی اسے ضرور ظاہر فرمائیں گے جیسا کہ اس سورۃ میں وضاحت آگئی اور اس سورۃ کے علاوہ اور بھی سورتوں میں وضاحت فرمائی ہے۔ آیت تیں **ولو نشاء لا رینکھم فلعر فتھم بسیمھم ولتعرفنھم فی لحن القول. واللہ یعلم اعمالکم** اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیتے پھر آپ اچھی طرح سے انہیں ان کی نشانیوں سے پہچان لیتے اور آپ انہیں ان کے طرز کلام میں پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ منافقین کے نام تمہیں نہیں بتائیں گے البتہ ان کی نشانیاں اور علامات بتادیں گے اور ان نشانیوں کا یہاں ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں موجود ہے مثلاً دھوکہ دینا۔ جھوٹ کہنا۔ فساد کرنا بظاہر مسلمانوں سے ملے رہنا اور در پردہ کفار کی خیر خواہی میں منہمک رہنا مسلمان کی خوشی پر ناراض اور تکلیف پر خوش ہونا بدکاری کی حمایت اور نکاح کے نظام لی مخالفت کرنا وغیرہ ذالک بہت سے ان کی علامات قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور یہ ان کی علامات اس لئے بیان فرمائی ہیں کہ تاکہ آنے والی پوری امت مسلمہ کو ان کا پتہ چل جائے ورنہ اللہ تعالی وحی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا سکتے تھے کہ فلاں فلاں آدمی منافق ہیں۔

آیت اکتیس **و لنبلو کم حتی نعلم المجھدین منکم والصابرین و نبلوا اخبار کم** اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں۔ اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔ اس آیت میں ایمان والوں کو خطاب ہے کہ مکی زندگی میں تمہارا ایمان بنایا گیا ہے اور اب مدنی زندگی میں جہاد اور طرح طرح کے مصائب سے تمہارا امتحان لینا ہے اور تمہارے بقیہ اعمال حیات کو جانچنا ہے۔ اللہ تعالی جو ایمان والوں کا امتحان لیتے ہیں اس کا یہ مقصد

نہیں کہ اللہ تعالی کو پہلے پتہ نہیں ہوتا کہ فلاں لائق ہے یا نالائق ہے یا فلاں کامل ایمان والا ہے یا ناقص ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی ان سے ایمان اور اعمال کی مشقیں کراتا ہے تاکہ باقیوں کے لئے انہیں نمونہ بنائیں اور تاکہ باقی انہیں کے نمونے کو دیکھ کر اپنے ایمان اور اعمال کو پختہ کرلیں۔ آیت بتیس ان الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ و شآقوا الرسول من بعد ماتبین لھم الھدی لن یضروا اللہ شئیا و سیحبط اعمالھم .بے شک جنہوں نے انکار کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے ان پر سیدھا راستہ واضح ہو چکا وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ ان کے اعمال کو اکارت کردے گا۔

اس آیت میں جہاد کے لئے چار شرطیں بیان فرمائی ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ جس کے ساتھ جہاد کیا جائے وہ کافر ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کافر اللہ کے راستے سے اوروں کو روکے بھی اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ رسول کا بھی مخالف ہو اور چوتھی شرط یہ ہے کہ ان کافروں تک پہلے دین دعوت پہنچ چکی ہو ان شرطوں کے تحت جب مسلمان جہاد کریں گے تو فرمایا لن یضروا اللہ شئیا وہ کافر اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یعنی ان کافروں کو شکست ہوگی اور وہ اللہ کے لشکر مجاہدین کو کچھ نقصان نہیں دے سکیں گے آیت تینتیس یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم.

اے ایمان والوں اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو یعنی اس آیت میں مسلمانوں کو کفار پر مکمل فتح حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں بتائی ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔ اور اپنے نیک اعمال کا تحفظ۔ اللہ کی اطاعت کا مقصد اس کا حکم ماننا اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی اطاعت کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالی کے احکامات پر جو عمل کرنے کا طریقہ بتایا ہے اس کے مطابق عمل کرنا اور اعمال، شرک، حسد اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی سے بھی ضائع ہو جاتے ہیں یعنی اس آیت میں ایمانداروں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اگر تم شرک کرو گے یا آپس میں حسد شروع کر دو گے یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کرو گے تو تمہیں شکست ہو گی کیونکہ شرکیہ عقائد، حسد اور آپ کی بے ادبی سے نیکیاں ہی ضائع ہو جائیں گی اور کافروں کے مقابلہ میں نیکیوں کی برکات سے فتح ہوتی ہے۔ آیت چونتیس ان الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ ثم ماتوا و هم کفار فلن یغفر اللہ لهم۔ بے شک جنہوں نے انکار کیا اور اللہ کی راہ سے روکا پھر مر گئے درآنحالیکہ وہ کافر تھے سو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ کافروں کی آخرۃ میں بھی بخشش نہیں ہو گی یعنی ان کی دنیاوی سزا جہاد کے ذریعہ قتل ہے اور اخروی دوزخ ہے۔

آیت پینتیس فلا تهنوا و تدعوا الی السلم و انتم لاعلون. واللہ معکم و لن یترکم اعمالکم. پس تم سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارا اعمال میں نقصان نہیں آنے دے گا۔ اس آیت میں پانچ چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز جب کفار کے مقابلہ میں جنگ شروع ہو جائے تو پھر سستی نہیں دکھانا بلکہ مستعدی جانفشانی اور جوش سے لڑنا ہے اور دوسری چیز یہ کہ ان کافروں کو صلح اور مذاکرات کی پیش کش نہ کرنا کیونکہ اس سے مسلمانوں کی کمزوری کا پہلو معلوم ہو جائے گا اور وہ اپنی شرطیں منوائیں گے۔ ہاں اگر وہ صلح کی پیش کش کریں اور مذاکرات پر آمادہ ہوں تو اس کی اجازت ہے۔ اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور سورۃ انفال کی آیت اکسٹھ میں ہے و ان جنحوا

للسلم فاجنح لها و توکل علی اللہ. انه ھو السمیع العلیم۔ اگر وہ صلح کے لئے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ مسلمانو تم ہی غالب رہو گے اور چوتھی چیز اللہ تعالی تمہارے ساتھ ہے اور پانچویں چیز اللہ تعالی تمہارے کسی منصوبے اور جہادی محنت کو ضائع اور بے اثر نہیں ہونے دے گا آیت چھتیں انما الحیوٰة الدنیا لعب و لھو. و ان تومنوا و تتقوا یوتکم اجورکم ولا یسئلکم اموالکم. بلاشبہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشہ ہے اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو تمہیں اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا یعنی دنیاوی زندگی جو کھیل اور تماشہ کی طرح عارضی ہے اس میں مشغول اور محو ہو کر جہاد کے مقدس فریضہ سے روگردانی نہ کرنا کیونکہ جہاد سے جاوداں زندگی ملتی ہے اور اللہ تعالی تم سے مال نہیں مانگتا آیت سینتیس ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا و یخرج اضغانکم. اگر وہ تم سے مال مانگے پھر تمہیں تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ تمہارے کینے ظاہر کردے اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالی دنیاوی بادشاہوں کی طرح نہیں کہ جو دوسرے ملکوں کی دولت اور جائدادیں حاصل کرنے کے لئے اپنی فوجوں کو ان سے لڑاتے ہیں اور ان فوجوں کے ذریعہ مال جمع کرتے ہیں جہاد سے اللہ تعالی کا یہ مقصد نہیں ہے آیت اڑتیس ھانتم ھولاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل و من یبخل فانما یبخل عن نفسه واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم.

خبردار تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے جاتے ہو تو کوئی تم میں سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے سو وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے

اور اللہ بے پرواہ ہے اور تم ہی محتاج ہو اور اگر تم نہیں مانو گے تو وہ اور قوم سوائے تمہارے بدل دے گا وہ تمہارے طرح نہ ہوں گے اس آیت میں جہاد بالمال کا ذکر ہے اور خلاف ورزی پر امت سے نکالنے کی دھمکی ہے۔

جہاد کا مقصد اول عقیدہ توحید کا تعارف ہے اور اس کا طریقہ

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلون کم ولاتعتدوا. ان اللہ لا یحب المعتدین اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

تفسیر: یہ آیت سورۃ محمد کی آیت چار کے جملہ **اذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب** کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں فرمایا ہے کہ جب کافروں سے ملو تو گردنیں مارنا ہے۔اس میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے اور سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں تفصیل آگئی ہے اس میں پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے راستے میں لڑو۔ اور راستے سے مراد وہ عقائد اور وہ اصول ہیں جن سے اللہ تعالی کا تعارف اور اس تک رسائی ہوتی ہے مثلا توحید۔رسالت۔قیامت۔نماز۔روزہ حج زکوۃ وغیرہ ہیں اور دوسرا اس میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جو کافر مسلمانوں سے نہیں لڑتے ان سے مسلمانوں کو لڑنا جائز نہیں ہے اور تیسرا یہ فرمایا کہ زیادتی مت کرو۔ یعنی جو کافر تم سے نہیں لڑتے ان سے لڑنا اور ان کو مارنا زیادتی ہے اور نیز جو کافر مسلمانوں سے لڑتے ہیں ان کو بھی زیادہ بے رحمی۔اذیت اور بیدردی سے مارنا جائز نہیں جیسا کہ اس کی تشریح سورۃ النمل کی آیت ایک سو چھبیس میں موجود ہے **وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقیتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین** اور اگر بدلہ لو تو اتنا بدلہ جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر والوں کے لئے بہتر

ہے نیز کفار کے بچوں عورتوں بوڑھوں، اپاہجوں اور پادریوں کو بھی مارنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ مسلمانوں سے لڑ نہیں سکتے اس آیت کی رو سے صرف انہیں کافروں کو مارنے کی اجازت ہے جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں۔

جہاد میں لڑنے کا تفصیلی بیان :

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمَرَاتٍ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ احد کی لڑائی کے دن ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اگر میں مارا جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ نے فرمایا جنت میں (یہ سن کر) اس شخص نے اپنے ہاتھ کی کھجوروں کو پھینک دیا اور اس کے بعد لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

وَ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا حَتّٰى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ يَعْنِيْ غَزْوَةَ تَبُوْكَ غَزَاهَا رَسُوْلُ اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ وَ اسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَ مَفَازًا وَ عَدُوًّا كَثِيْرًا فَجَلّٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ لِيَتَاهَبُوْا أُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَأَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِيْ يُرِيْدُ (رواه البخاری.)

حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ (جنگ) کا ارادہ کرتے تو توریہ[1] فرماتے یہاں تک کہ غزوہ

---

[1] توریہ کے معنی ہیں خبر کو چھپانا اس طرح کہ اصل بات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تبوک کا موقع آیا۔ یہ غزوہ آپ نے سخت گرمیوں کے دنوں میں کیا اس کے لئے دور دراز کا سفر فرمایا اور بے آب و گیاہ جنگلوں کو طے کیا دشمنوں کی تعداد بھی اس میں زیادہ تھی۔ جب آپ نے اس کا ارادہ کیا تو (توریہ نہ کیا بلکہ) علانیہ اس کا اعلان کیا تاکہ مسلمان لڑائی کے لئے اچھی طرح تیار ہو جائیں اور اپنے سامان درست کر لیں اور پھر آپ نے صحابہؓ کو اپنی اس روش سے آگاہ کیا جو آپ کے ذہن میں تھی۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ متفق علیه.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لڑائی فریب ہے (یعنی جنگ میں مکر و فریب زیادہ مفید ہوتا ہے گویا لڑائی کا دوسرا نام مکر و فریب ہے) (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْزُوْ بِاُمِّ سُلَیْمٍ وَ نِسْوَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مَعَهٗ اِذَا غَزَا یَسْقِیْنَ الْمَاءَ وَ یُدَاوِیْنَ رواه مسلم.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لڑائی پر تشریف لے جاتے تو ام سلیمؓ اور انصار کی دوسری عورتوں کو ساتھ لے جاتے تاکہ لڑائی کے وقت وہ لوگوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی

بقیہ حاشیہ: کو چھپایا جائے اور دوسری بات کو ظاہر کیا جائے مثلاً یہ کہ کسی جنگ کو جانا ہے اس کی خبر کو چھپانا اور دوسری کوئی خبر مشہور کر دی جائے تاکہ دشمن کو آپ کے ارادے کا پتہ نہ چلے

کریں۔

وَعَنْ اُمِّ عَطِیَّہَ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَخْلُفُھُمْ فِیْ رِحَالِھِمْ فَاَصْنَعُ لَھُمُ الطَّعَامَ وَ اُدَاوِیْ الْجَرْحٰی وَاَقُوْمُ عَلَی الْمَرْضٰی رواہ مسلم.

حضرت ام عطیہؓ کہتی ہی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئی ہوں میں پیچھے رہ جاتی تھی (یعنی جب مجاہد لڑنے جاتے تو میں ان کے پیچھے خیموں میں رہ جاتی تھی) ان کا کھانا تیار کرتی زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور بیماروں کو دیکھتی بھالتی تھی۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ (متفق علیہ.)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو (جہاد میں) قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَۃَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَھْلِ الدِّیَارِ یُبَیَّتُوْنَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَیُصَابُ مِنْ نِسَائِھِمْ وَ ذَرَارِیِّھِمْ قَالَ ھُمْ مِنْھُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ ھُمْ مِنْ اٰبَائِھِمْ متفق علیہ.

حضرت صعبؓ بن جثامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کافروں کے گھر پر اگر شب خون مارا جائے اور اس میں عورتوں اور بچوں کو نقصان پہنچے (یعنی وہ بھی مارے جائیں) تو کیا حکم ہے فرمایا وہ انہیں سے ہیں۔ (یعنی شب خون کی حالت میں بچوں اور عورتوں کا مارا جانا موجب گناہ نہیں وہ بھی کافروں میں سے ہیں لیکن قصداً ان کو قتل نہ کیا جائے اور

روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں (بخاری و مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرِ وَ حَرَّقَ وَلَهَا يَقُوْلُ حَسَّانٌ+ وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ وَ فِيْ ذٰلِكَ نَزَلَتْ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللهِ متفق عليه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹ ڈالنے اور جلا دینے کا حکم دیا چنانچہ حسانؓ نے اسی کی نسبت یہ شعر کہا؎۱

وَ هَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ   حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

اور اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمه علے اصولها فباذن الله یعنی کھجور کے درختوں میں سے جو کچھ تم نے کاٹا یا جو کچھ اس کی جڑوں پر کھڑا ہوا چھوڑا یہ سب خدا کے حکم سے ہے (بخاری و مسلم)

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَوْنٍ اَنَّ نَافِعًا كَتَبَ اِلَيْهِ يُخْبِرُهُ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ غَارِّيْنَ فِيْ نَعَمِهِمْ بِالْمُرَيْسِيْعِ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَ سَبَى الذُّرِّيَّةَ متفق عليه.

؎۱ بنی لوی کے سرداروں پر مقام ویرہ کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا آسان ہوا۔ بنی لوی سے مراد بنفر و ب کنانہ کی اولاد ہے جو حضورؐ کے اجداد میں سے ہے اور مقصد شاعر کا اس سے اشراف قریش ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عونؒ کہتے ہیں کہ نافعؒ (ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نے عبداللہ بن عون کو یہ لکھا کہ ابن عمرؓ نے اس کو یہ بتلایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی المصطلق کو مقام مریسیع پر جب کہ وہ اپنے مویشی میں بے خبر پڑے ہوئے تھے لوٹ لیا جن لوگوں نے آپ سے مقابلہ و مقاتلہ کیا ان کو آپ نے مار ڈالا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ (بخاری و مسلم)

وَ عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا یَوْمَ بَدْرٍ حِیْنَ صَفَفْنَا لِقُرَیْشٍ وَ صَفُّوْا لَنَا اِذَا اَکْثَبُوْکُمْ فَعَلَیْکُمْ بِالنَّبْلِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ اِذَا اَکْثَبُوْکُمْ فَارْمُوْھُمْ وَ اسْتَبْقُوْا نَبْلَکُمْ رواہ البخاری.

حضرت ابن اسیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی کے دن جب کہ ہم نے قریش کے سامنے صف باندھی اور قریش نے ہمارے سامنے صف بندی کی ہم سے فرمایا جب قریش تمہارے قریب آجائیں تو تم ان پر تیر برسادو اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں جب قریش تمہارے قریب آجائیں تو تم ان پر تیر برساؤ اور تیروں کو اپنے پاس بھی رکھو (یعنی سارے تیر خرچ نہ کرو۔ (بخاری)

وَ حَدِیْثُ سَعْدٍ ھَلْ تُنْصَرُوْنَ سَنَذْکُرُ فِیْ بَابِ فَضْلِ فُقَرَاءِ وَ حَدِیْثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَھْطًا فِیْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْ شَآءَ اللہُ تعالی.

اور سعید کی حدیث ھل تنصرون فضل فقراء کی باب میں براء کی حدیث رسول اللہ الخ معجزات کے باب میں بیان کریں گے۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَبَّانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا رواہ الترمذی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رات میں تیار و آراستہ فرمایا یعنی ہمارے بدن پر ہتھیار سجائے صفیں قائم کیں اور جس شخص کو جس جگہ کھڑا کرنا مناسب تھا وہاں کھڑا کیا تاکہ دن کو ہر شخص اپنے موقع پر رہے۔(ترمذی)

وَعَنِ الْمُهَلَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ بُيِّتُكُمُ الْعَدُوُّ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ رواہ الترمذی و ابو دائود۔

حضرت مہلبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں ہم سے فرمایا اگر دشمن تم پر شب خون ماریں تو تمہاری علامت (یعنی مسلمانوں کی) حم لا ینصرون کے الفاظ ہیں۔(ترمذی۔ابو داؤد)

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ اَبِیْ بَكْرٍ زَمَنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّتْنَا هُمْ نَقْتُلُهُمْ وَ كَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ اَمِتْ اَمِتْ رواہ ابو دائود۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم نے ابوبکر کے ساتھ جہاد کیا پس ہم نے کافروں پر شب خون مارا اور ان کو قتل کیا اور اس رات ہماری علامت (یعنی مسلمانوں کی شناخت کی نشانی اَمِتْ اَمِتْ کا کلمہ تھا)(جس کے معنی ہیں اے خدا دشمنوں کو مار)

(ابو داؤد)

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ رواہ ابوداؤد.

حضرت قیس بن عبادہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لڑائی کے وقت شور و شغب یا آواز کو برا سمجھتے تھے اور صرف ذکر اللہ کرتے تھے۔(ابوداؤد)

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ اُقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ اسْتَحْيُوْا شَرْخَهُمْ اَیْ صِبْيَانَهُمْ رواہ الترمذی و ابوداؤد.

حضرت سمرہؓ بن جندبؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مشرکوں میں سے بڑی عمر والوں کو مار ڈال اور چھوٹی عمر والوں یعنی بچّوں کو باقی رکھو۔ (ترمذی)

وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اُسَامَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَهِدَ اِلَيْهِ قَالَ اَغِرْ عَلٰى اُبْنَا صَبَاحًا وَ حَرِّقْ رواہ ابوداؤد.

حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے اسامہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب ان کو لشکر کا افسر مقرر کر کے روانہ کیا تو) تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا کہ مقام ابنا پر جو (ملک شام میں واقع ہے) صبح کے وقت حملہ کرو اور اس کو جلا کر (یعنی اس کی کھیتیاں اور درخت) تباہ و برباد کرے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ اِذَا اَكْثَبُوْكُمْ فَارْمُوْهُمْ وَلَا تَسُلُّوا السُّيُوْفَ حَتّٰى يَغْشُوْكُمْ رواہ

ابو دائود.

حضرت ابی اسیدؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی کے دن حکم دیا کہ جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو ان پر تیر برساؤاور تلواریں اس وقت تک نیام سے نہ کھینچو جب تک وہ سامنے نہ آجائیں۔

وَ عَنْ رَبَاحِ بْنِ الرَّبِیْعِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃٍ فَرَاٰی النَّاسَ مُجْتَمِعِیْنَ عَلٰی شَیْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ اُنْظُرْ عَلٰی مَا اجْتَمَعَ ھٰؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلٰی اِمْرَاۃٍ قَتِیْلٍ فَقَالَ مَا کَانَتْ ھٰذِہٖ لِتُقَاتِلَ وَ عَلَی الْمُقَدَّمَۃِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا تَقْتُلْ اِمْرَاۃً وَلَا عَسِیْفًا رواہ ابو دائود.

حضرت رباحؓ بن ربیع کہتے ہیں کہ کسی غزوے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے دیکھا کہ لوگ ایک جگہ جمع ہورہے ہیں آپ نے ایک آدمی دریافت حال کے لئے بھیجا اس نے واپس آکر عرض کیا کہ ایک عورت ماری گئی ہے اس کی نعش پر لوگ جمع ہیں آپ نے فرمایا یہ تو لڑنے والی تھی (یعنی یہ عورت لڑنے والوں میں نہ تھی) اس کو کیوں قتل کیا گیا) اگلی فوج پر خالد بن ولیدؓ سردار تھے آپ نے ان کو کہلا بھیجا کہ عورت کو قتل نہ کرو۔ (ابوداؤد)

وَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَ عَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَا تَقْتُلُوْا شَیْخًا فَانِیًا وَلَا طِفْلًا صَغِیْرًا وَلَا اِمْرَاۃً وَلَا تَغُلُّوْا وَ ضُمُّوْا غَنَائِمَکُمْ وَ اَصْلِحُوْا وَ اَحْسِنُوْا

فَاِنَّ اللہ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ رواہ ابو دائود.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو روانہ کرتے وقت فرمایا جاؤ خدا کے نام کی برکت کے ساتھ اور خدا کی تائید کے ساتھ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر (خبردار) تم شیخ فانی (ضعیف وکمزور بڈھے نہ مارنا۔ نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔ مال غنیمت کو جمع کرنا آپس میں صلح کرنا اور باہم اچھا سلوک کرنا اس لئے کہ خداوند تعالی نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(ابوداوُد)

وَ عَنْ عَلِیّ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمَ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُتْبَةُ بْنُ رَبِیْعَةَ وَ تَبِعَهٗ اِبْنُهٗ وَ اَخُوْهُ فَنَادٰی مَنْ یُبَارِزُ فَانْتَدَبَ لَهٗ شَابٌّ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ اَنْتُمْ فَاَخْبَرُوْهُ فَقَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا فِیْکُمْ اِنَّمَا اَرَدْنَا بَنِیْ عَمِّنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُمْ یَا حَمْزَةُ قُمْ یَا عَلِیُّ قُمْ یَا عُبَیْدَةُ بْنَ الْحَارِثِ فَاَقْبَلَ حَمْزَةُ اِلٰی عُتْبَةَ وَ اَقْبَلْتُ اِلٰی شَیْبَةَ وَاخْتَلَفَ بَیْنَ عُبَیْدَةَ وَالْوَلِیْدِ ضَرْبَتَانِ فَاَثْخَنَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ ثُمَّ مِلْنَا عَلَے الْوَلِیْدِ فَقَتَلْنَاهُ وَاحْتَمَلْنَا عُبَیْدَةَ رواہ احمد و ابو دائود.

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے دن کفار کے لشکر میں سے عتبہ بن ربیعہ آگے بڑھا اور اس کے پیچھے اس کا بیٹا ولید اور بھائی شیبہ آئے اور پکارے کون ہے جو ہم سے لڑنے کے لئے میدان میں آئے۔ لشکر اسلام میں سے کئی انصاری جوان مقابلہ میں آئے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے بتایا ہم انصاری ہیں۔ عتبہ نے کہا تم سے لڑنے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے ہم

تو اپنے چچا کے بیٹوں سے لڑنا چاہتے ہیں (یعنی قریش اور مہاجرین سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کے ان الفاظ کو سن کر فرمایا حمزہؓ کھڑے ہو جاؤ علیؓ کھڑے ہو جاؤ۔ عبیدہ بن حارثؓ کھڑے ہو جاؤ چنانچہ حمزہ عتبہ کے مقابلہ پر آگئے (اور اس کو مار ڈالا) اور میں (یعنی علی) شیبہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہ ولید کے درمیان دو سخت مقابلہ ہوئے اور ایک دوسرے کو سخت زخمی کر دیا پھر ہم نے ولید پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہؓ کو ہم میدان سے اٹھالائے۔ (احمد۔ ابو داؤد)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَیْصَۃً فَاَتَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ فَاخْتَفَیْنَا بِھَا وَ قُلْنَا ھَلَکْنَا ثُمَّ اَتَیْنَا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ بَلْ اَنْتُمُ الْعَکَّارُوْنَ وَ اَنَا فِئَتُکُمْ رواہ الترمذی و فی روایۃ ابی دائود نَحْوَہٗ وَ قَالَ لَا بَلْ اَنْتُمُ الْعَکَّارُوْنَ قَالَ فَدَنَوْنَا فَقَبَّلْنَا یَدَہٗ فَقَالَ اَنَا فِئَۃُ الْمُسْلِمِیْنَ.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک چھوٹے لشکر میں لوگ دشمن کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور مدینہ میں واپس آکر ہم چھپ رہے) یعنی ندامت اور حیا کے سبب) اور اپنے دل میں ہم نے کہا کہ دشمن کے سامنے سے بھاگنے کے سبب ہم ہلاک ہو گئے پھر ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بھاگ آنے والے ہیں آپ نے (ان کا دل بڑھانے کے لئے) فرمایا نہیں بلکہ تم حملہ پر حملہ کرنے والے ہو اور میں

تمہاری جماعت میں شامل ہوں (ترمذی) اور ابو داؤد میں بھی اس قسم کی روایت ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں نہیں بلکہ تم حملہ پر حملہ کرنے والے ہو ابن عمر کہتے ہیں کہ آپ کے یہ الفاظ سن کر ہم آگے بڑھے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا میں مسلمانوں کی جماعت ہوں۔

وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اُمَيَّةَ بْنِ عَبدِاللّٰهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَ حَدِيْثَ اَبِی الدَّرْدَاءِ اِبْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَائِكُمْ فِیْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ ان شاء الله تعالى.

اور عنقریب امیہ بن عبداللہ کی حدیث کان یستفتح اور ابو درداء کی حدیث ابغونی فی ضعفائکم فقراء کے باب میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔

عَنْ ثَوْبَانَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمُنْجَنِيْقَ عَلٰى اَهْلِ الطَّائِفِ رواه الترمذی مرسلا.

حضرت ثوبان بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کے مقابلہ پر منجنیق کھڑی کی (منجنیق ایک آلہ ہوتا ہے جس سے پتھر پھینکے جاتے ہیں جیسا کہ گوپیا ہوتا ہے)۔ (ترمذی)

جہاد میں صرف رضاالٰہی کے لئے

مال و جان قربان کرنے کے فضائل

لَا يَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَ

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًاO دَرَجٰتٍ مِّنْہُ وَ مَغْفِرَۃً وَّ رَحْمَۃً وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاO

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ.

سورۃ صف آیت ۴

مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی عذر کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے بیٹھنے والوں پر جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑھا دیا ہے اگرچہ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے اجر عظیم میں زیادہ کیا ہے ان کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

تفسیر: ان آیتوں میں فضائل مجاہدین بیان ہوئے ہیں لیکن تفصیل نہیں ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل احادیث میں آ رہی ہیں اور یہ احادیث مشکوۃ سے منقول ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ صَامَ رَمَضَانَ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ جَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ جَلَسَ فِیْ اَرْضِہِ الَّتِیْ وُلِدَ فِیْھَا قَالُوْا اَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِلْمُجَاھِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا بَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَلْاَرْضِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰہَ فَاسْئَلُوْہُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّہٗ اَوْسَطُ الْجَنَّۃِ وَ

اَعْلَے الْجَنَّةِ وَ فَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَ مِنْهُ تُفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ رواه البخاری.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول پر ایمان لایا نماز ادا کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالی پر لازم ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے خواہ وہ خدا تعالی کی راہ میں جہاد کرے خواہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے (یعنی جہاد نہ کرے) صحابہ نے عرض کیا۔ کیا ہم لوگوں لوگوں کو یہ خوشخبری سنا دیں آپ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالی نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو خدا تعالی کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ان کے دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے جب تم خدا تعالی سے جنت مانگو جنت الفردوس کو مانگو اس لئے کہ وہ جنت کا درمیانی اور اعلی حصہ ہے اور اس کے اوپر خدا تعالی کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلی ہیں۔

(بخاری)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰيَاتِ اللهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا صَلٰوةٍ حَتّٰے يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ متفق عليه.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کی راہ میں لڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا عبادت گزار اور قرآن خواں جو کبھی روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے سے نہیں تھکتا جب تک کہ وہ جہاد سے واپس نہ آئے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَدَبَ اللهُ لِمَنْ خَرَجَ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا اِيْمَانٌ بِيْ وَتَصْدِيْقٌ بِرُسُلِيْ اَنْ اُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ وَاُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ متفق عليه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لئے) نکلا خدا اس کا ضامن ہو گیا اس کو (میدان جنگ میں) اس کا ایمان لے گیا اور میرے رسولوں کی تصدیق میں اس کو یا تو اجر و غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا یا (شہید ہو جانے پر) اس کو جنت میں داخل کروں۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ متفق عليه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھ کو اس کا خیال نہ ہوتا کہ بہت سے مسلمان مجھ سے جدا ہو کر ناخوش ہوں گے تو میں کبھی کسی جہاد سے پیچھے نہ رہتا اور خدا کی راہ میں جہاد کرتا اور چونکہ میرے پاس کافی سواری نہیں ہے (اس لئے میں تمام مسلمانوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا) اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس کو بہت پسند کرتا ہوں کہ خدا کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا

جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَ مَا عَلَيْهَا متفق عليه.

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری (یعنی محافظت) دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے)۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا متفق عليه.

حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کو یا شام کو خدا کی راہ میں جانا دینا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

(بخاری و مسلم)

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَ قِيَامِهٖ وَ اِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَ اُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ وَ اَمِنَ الْفَتَّانَ. رواه مسلم.

حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری خدا تعالیٰ کی راہ میں (جہاد میں) ایک مہینے کے روزوں اور شب بیداری سے بہتر ہے اگر وہ چوکیداری کی خدمت انجام دیتا ہوا مارا جائے تو اس کے اس عمل کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے جس میں وہ مشغول تھا (یعنی اس کا ثواب اس کو ملتا رہتا

ہے) اور اس کو جنت سے رزق ملتا رہتا ہے اور فتنہ میں ڈالنے والے (یعنی عذاب قبر کے فرشتے یا دجال یا شیطان) سے امن میں رہتا ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ (رواہ البخاری)

حضرت ابو عبسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس بندے کے پاؤں خدا کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں پھر ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوتی۔ (بخاری)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَجْتَمِعُ کَافِرٌ وَقَاتِلُہٗ فِی النَّارِ اَبَدًا (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کافر اور کافر کا مارنے والا دوزخ میں کبھی یکجا نہیں ہوتے (یعنی کافر کو مارنے والا کبھی دوزخ میں نہیں جاتا) (مسلم)

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ ..... عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خَیْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَھُمْ رَجُلٌ مُّمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَطِیْرُ عَلٰی مَتْنِہٖ کُلَّمَا سَمِعَ ھَیْعَۃً اَوْ فَزْعَۃً طَارَ عَلَیْہِ یَبْتَغِی الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّہٗ اَوْ رَجُلٍ فِیْ غُنَیْمَۃٍ فِیْ رَاسِ شَعْفَۃٍ فِیْ ھٰذِہِ الشَّعَفِ اَوْ بَطْنِ وَادٍ مِنْ ھٰذِہِ الْاَوْدِیَۃِ یُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَیَعْبُدُ رَبَّہٗ حَتّٰی یَاتِیَہُ الْیَقِیْنُ لَیْسَ مِنَ النَّاسِ اِلَّا فِیْ خَیْرٍ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انسانوں میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ تعالی کی راہ اپنے گھوڑے

کی باگ پکڑے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو اور جب خوف و فریاد کی آواز سنے فوراً اس کی طرف دوڑ جائے اور تلاش کرے قتل اور موت کی (یعنی دشمنوں کو قتل کرنے کے لئے دوڑے اور درجہ شہادت حاصل کرنے کے لئے اپنی موت کو تلاش کرے) جہاں اس کے خیال میں یہ چیزیں ہوں اور پھر اس شخص کی بہترین زندگی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر اپنی بکریوں میں رہتا ہو یا کسی وادی میں اور نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو یہاں تک کہ وہ موت سے ہم کنار ہو جائے یہ شخص لوگوں میں صرف بھلائی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيَةً فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا متفق عليه.

حضرت زید بن خالدؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے کسی جہاد کرنے والے کا سامان درست کر دیا اس نے گویا جہاد ہی کیا اور جو (جو شخص جہاد کرنے والے کے اہل و عیال کا خدمت گزار بنا اس نے بھی گویا جہاد ہی کیا (یعنی ان دونوں کاموں کا ثواب جہاد کے برابر ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهٖ فَيَخُوْنُهٗ فِيْهِمْ اِلَّا وَقِفَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَاْخُذُ مِنْ عَمَلِهٖ مَاشَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ (رواه مسلم)

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجاہدوں کی عورتوں کی حرمت ان عورتوں کی حرمت کے مقابلہ میں جن کے شوہر جہاد کو نہیں گئے ہیں ماؤں کی حرمت کے برابر ہے اور جو شخص جہاد کو نہ جائے بلکہ مجاہدوں کے گھر والوں کی خبر گیری کرے اور خبر گیری میں خیانت کرے (یعنی کسی مجاہد کی رشتہ دار عورت کو بری نظر سے دیکھے) اس کو قیامت کے دن اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا جس کے گھر والوں میں اس نے خیانت کی ہے اور وہ مجاہد اس کے نیک اعمال سے جس قدر چاہے گا لے لے گا (ایسی حالت میں) تمہارا کیا خیال ہے۔ (یعنی وہ مجاہد اس کے نیک اعمال کو لے لے گا یا نہیں) (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیْ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ رواه مسلم.

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص مہار ڈالی ہوئی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یہ اونٹنی خدا تعالیٰ کی راہ میں (میں دیتا ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اس کے بدلے میں تجھ کو سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور ان سب کے مہار پڑی ہوگی۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا اِلٰی بَنِیْ لِحْیَانَ مِنْ هُذَیْلٍ فَقَالَ لِیَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَیْنِ اَحَدُهُمَا وَالْاَجْرُ بَیْنَهُمَا (رواه مسلم)

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہذیل

کی شاخ بنی لحیان کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا اور فرمایا ہر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی لشکر میں جائے (یعنی ہر قبیلے میں سے آدھے آدمی جائیں اور ثواب سب کو یکساں ملے گا) (مسلم)

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ رواہ مسلم.

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت (کہیں نہ کہیں) ہمیشہ جہاد کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَاللهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ جُرْحُهٗ يَثْعَبُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ متفق عليه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) زخمی کیا جائے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون جاری ہوگا اس خون کا رنگ تو خون کا سا رنگ ہوگا لیکن بو مشک کی ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْاِيْمَانَ بِاللهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ

فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيْلِ اللهِ يُكَفِّرُ عَنِّيْ خَطَايَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَيُكَفِّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّيْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِيْلَ قَالَ لِيْ ذٰلِكَ رواه مسلم.

حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور خدا تعالیٰ پر ایمان لانا بہترین اعمال میں سے ہے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں خدا تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے آپ نے فرمایا ہاں اگر تو خدا تعالیٰ کی راہ میں مارا گیا اس حال میں کہ تو صبر کرنے والا ثواب کا طلب کرنے والا ہے دشمن کے مقابلہ پر جانے والا ہو اور پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے شخص تو نے کیا کہا اس نے عرض کیا (میں نے کہا کہ) اگر میں خدا تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا آپ کے خیال میں میرے گناہ دور کیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تو صبر کرنے والا ثواب کا طالب اور آگے بڑھنے والا ہو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو مگر قرض معاف نہیں کیا جاتا مجھ سے جبرئیل نے یہی کہا۔ (مسلم)

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّم قَالَ الْقَتلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہ یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْئٍ اِلاَّ الدَّیْنَ - رواہ مسلم.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں نبیؐ نے فرمایا ہے خدا تعالی کی راہ میں مارا جانا ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے مگر قرض کو نہیں۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَضْحَکُ اللہ تَعَالیٰ اِلیٰ رَجُلَیْنِ یَقْتُلُ اَحَدُھُمَا الْاٰخِرَیَدْخُلَانِ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُ ھٰذَا فِیْ سَبِیْلِ اللہ فَیُقْتَلُ ثُمَّ یَتُوْبُ اللہ عَلَے الْقَاتِلِ فَیُسْتَشْھَدُ متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خداوند تعالی دو شخصوں پر ہنستا ہے جن میں سے ایک شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک تو ان میں سے خدا تعالی کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور شہید ہوتا ہے پھر خداوند تعالی قاتل کو توبہ کی توفیق مرحمت فرماتا ہے (یعنی وہ کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہوتا ہے) اور پھر جہاد میں شہید ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ سَھْلِ بْنِ حُنَیْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللہ الشَّھَادَۃَ بِصِدْقٍ بَلَّغَہُ اللہ مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰے فِرَاشِہٖ۔ رواہ مسلم.

حضرت سہل بن حنیفؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خداوند تعالی سے سچے دل سے شہادت کو طلب کرتا ہے اللہ تعالی اس کو شہید کا مرتبہ عنایت فرما دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ الرُّبَيِّعَ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَ هِیَ اُمّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَه اَتَتِ النَّبِیَّ صَلّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا نَبِیَّ اللہِ اَلاَ تُحَدِّثُنِیْ عَنْ حَارِثَۃَ وَکَانَ قُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ اَصَابَہٗ سَہْمٌ غَرْبٌ فَاِنْ کَانَ فِی الْجَنَّۃِ صَبَرْتُ وَ اِنْ کَانَ غَیْرُ ذَالِکَ اجْتَھَدْتُ عَلَیْہِ فِی الْبُکَاءِ فَقَالَ یَا اُمَّ حَارِثَۃَ اِنَّھَا جِنَانٌ فِی الْجَنَّۃِ وَ اِنَّ اِبْنَکَ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰے

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ براءؓ کی بیٹی اور حارثہ سراقہؓ کی ماں ربیعؓ نے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے خدا تعالیٰ کے نبیؐ کیا آپ حارثہؓ کا حال مجھ سے بیان نہیں کریں گے۔ حارثہ بدر کی لڑائی میں شہید ہوا تھا اور ایک نا معلوم شخص کا تیر اس کو آکر لگا تھا۔اور اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں اور اگر کسی اور جگہ ہو تو رونے کی کوشش کروں (یعنی خوب روؤں) آپ نے فرمایا حارثہ کی ماں جنت میں بہت سے باغ ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ (بخاری)

وَعَنْہُ قَالَ اِنْطَلَقَ رَسُوْلَ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُہٗ حَتّٰی سَبَقُوْا الْمُشْرِکِیْنَ اِلٰی بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ قَالَ عُمَیْرُ بْنُ الْحَمَام بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکَ عَلٰے قَوْلِکَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللہِ یَا رَسُوْلَ اللہ اِلَّا رِجَاءَ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ فَاِنَّکَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ فَاَخْرَجَ ثَمَرَاتٍ مِنْ قَرْنِہٖ فَجَعَلَ یَاکُلُ مِنْھُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حُیِیْتُ حَتّٰی اٰکُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّھَا

اَلْحَيٰوةُ طَوِيْلَةٌ قَالَ فَرَمٰى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى قُتِلَ رواه مسلم.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بدر میں مشرکوں سے پہلے پہنچ گئے اور پھر مشرک لوگ آئے۔ رسول اللہؐ نے مجاہدین کو مخاطب کر کے فرمایا جنت کے راستہ پر کھڑے ہو جاؤ ہاں اس جنت کے جس کا عرض آسمان و زمین کی مانند ہے۔ عمیر بن حمامؓ نے (یہ سن کر) کہا خوب خوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے یہ الفاظ کیوں کہے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے خدا کی اور کوئی مقصد ان الفاظ سے نہیں ہے بلکہ میں یہ آرزو رکھتا ہوں کہ میں جنت والا ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا تو جنتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد عمیرؓ نے اپنے ترکش سے کھجوریں نکالیں اور ان کو کھانا شروع کیا اور کہا اگر میں ان کھجوروں کو دوبارہ کھانے تک زندہ رہا تو یہ ایک طویل زندگی ہوگی یہ کہہ کر اس نے باقی کھجوروں کو پھینک دیا اور پھر مشرکوں سے لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ غَازِيَةٍ اَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ اِلَّا كَانُوْا قَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَىْ اُجُوْرِهِمْ وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ اَوْ سَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَ تُصَابُ اِلَّاتَمَّ اُجُوْرُهُمْ رواه مسلم.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جہاد کرنے والی جو جماعت یا جہاد کرنے والا جو لشکر جہاد کرے مال

غنیمت پائے اور پھر صحیح وسلامت واپس آجائے اس نے دو تہائی اجر پانے میں عجلت کی اور جو جہاد کرنے والی جماعت یا جہاد کرنے والا لشکر غنیمت کا مال لائے اور زخمی کیا جائے یا مارا جائے اس نے اپنے اجر کو کامل کر لیا۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ رواہ مسلم.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص مرا اور جہاد نہ کیا اور جہاد کا خیال بھی کبھی دل میں نہ لایا اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر ہوئی۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلذِّکْرِ وَالرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُرٰی مَکَانُہٗ فَمَنْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَاءُ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ متفق علیہ.

حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ایک شخص تو اس لئے لڑتا ہے کہ مال غنیمت پائے اور ایک شخص لڑتا ہے شہرت ونا موری حاصل کرنے کے لئے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ لوگ اس کی عزت اور مرتبہ کو دیکھیں ان میں سے کون خدا کی راہ میں لڑنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص خدا کی راہ میں لڑنے والا ہے جو خدا کے دین کو بلند کرنے کے لئے لڑے۔

(بخاری ومسلم)

وَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَاسِرْتُمْ مَسِيْرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اِلَّا شَرِكُوْكُمْ فِي الْاَجْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ هُمْ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ رواه اللبخاری و رواه مسلم عن جابر.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا تم میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اس سفر میں نہ تو تمہارے ساتھ چلے ہیں اور نہ کسی وادی کو انہوں نے عبور کیا ہے مگر بایں ہمہ وہ تمہارے ساتھ ہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بایں ہمہ وہ ثواب میں تمہارے ساتھ ہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بایں ہمہ وہ ثواب میں تمہارے ساتھ شریک ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اور وہ لوگ مدینہ ہی میں ہیں (یعنی ہمارے ساتھ جہاد کو نہیں گئے تب بھی وہ ثواب میں شریک ہیں) فرمایا وہ مدینہ میں ہیں اور عذر نے ان کو تمہارے ساتھ جانے سے روکا ہے (بخاری)

وَ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهٗ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ متفق علیه وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَارْجِعْ اِلٰى وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں جانے کی اجازت چاہی آپ نے

اس سے پوچھا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا ان کے پاس رہ اور جہاد کر (یعنی ان کی خدمت کر کہ جہاد کے برابر ثواب رکھتی ہے)۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے اس سے یہ فرمایا اپنے ماں باپ کے پاس واپس جا اور اچھی طرح ان کی خدمت کر۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا متفق عليه۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے البتہ جہاد اور نیت ہے۔ پس جب تم کو جہاد کے لئے بلایا جائے تو تم سب اپنے گھروں سے نکل پڑو۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يُقَاتِلَ اٰخِرُهُمُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ رواه ابو دائود.

حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق کی حمایت میں لڑتی رہے گی اور جو قوم اس سے دشمنی کرے گی وہ اس پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ مسیح دجال سے لڑیں گے۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجَهِّزْ غَازِيًا اَوْ يَخْلُفْ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ بِخَيْرٍ اَصَابَهُ اللهُ

بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ رواه ابو دائود.

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے نہ تو جہاد کیا نہ جہاد کرنے والوں کا سامان درست کیا اور نہ مجاہدین کے اہل و عیال کی خبر گیری کی اس کو قیامت سے پہلے خداوند تعالیٰ کسی سخت مصیبت میں مبتلا کرے گا۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ رواه ابودائود والنسائی والدارمی.

حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرکین سے اپنی جان و مال اور زبانوں کے ذریعے جہاد کرو۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا الْهَامَ تُوْرِثُوا الْجِنَانَ رواه الترمذی فقال هذا حديث غريب.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام کو پھیلاؤ (یعنی ہر شخص کو سلام کرو) کھانا کھلاؤ اور کافروں کا سر توڑو بہشت کے وارث بنائے جاؤ گے۔ (ترمذی۔ یہ حدیث غریب ہے)

وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ اِلَّا الَّذِيْ مَاتَ مُرَابِطًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُنْمٰى لَهٗ عَمَلُهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَيَاْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ رواه الترمذی و

ابو دائود رواہ الدارمی عن عقبہ بن عامر۔

حضرت فضالہ بن عبیدؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر شخص کا عمل مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے مگر اس شخص کا عمل جو خدا کی راہ میں محافظت کرتا ہوا مرے اس شخص کے عمل کا ثواب قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے بھی مامون رہتا ہے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

وَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جَرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ نُكِبَ نُكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِيْئُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَ رِيْحُهَا الْمِسْكُ وَمَنْ خَرَجَ بِهٖ خُرَاجٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ عَلَيْهِ طَابِعُ الشُّهَدَاءِ رواہ الترمذی و ابودائود والنسائی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں تھوڑی دیر بھی لڑا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور جو شخص خدا کی راہ میں زخمی کیا گیا یا زخم کی تکلیف میں مبتلا کیا گیا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا زخم تازہ ہو گا خون کا رنگ زعفرانی ہو گا اور بو مشک کی ہو گی اور جس شخص کے بدن میں خدا کی راہ میں پھوڑا نکلا تو اس پھوڑے پر یا پھوڑے والے پر شہیدوں کی علامت ہو گی جس سے اس کو شناخت کیا جائے گا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

وَ عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِیْ سَبِیْلِ اللہ کُتِبَ لَهٗ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ رواہ الترمذی والنسائی۔

حضرت خریمؓ بن فاتک کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی جہاد میں) کچھ خرچ کرے اس کے حساب میں سات سو گنا ثواب لکھا جاتا ہے۔ (ترمذی۔ نسائی)

وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِیْ سَبِیْلِ اللہ وَ مِنْحَةُ خَادِمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللہ اَوْ فَرُوْقَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللہ رواہ الترمذی۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ خدا کی راہ میں خیمہ کا سایہ ہے (یعنی مجاہدین کو خیمہ دینا) اور بہترین صدقہ خدا کی راہ میں خادم کا دینا ہے اور بہترین صدقہ خدا کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا ہے جو جوان ہو۔ (ترمذی)

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَلِجُ النَّارَ مَنْ بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللہ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ وَلَا یَجْتَمِعُ عَلٰی عَبْدٍ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللہ وَ دُخَانُ جَهَنَّمَ رواہ الترمذی و زاد النسائی فِیْ اُخْرٰی فِیْ مَنْخَرِیْ مُسْلِمٍ اَبَدًا وَ فِیْ اُخْرٰی لَهٗ فِیْ جَرْفِ عَبْدٍ اَبَدًا وَلَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ شخص دوزخ میں نہ جائے گا جو خدا کے خوف سے رویا ہو جب تک کہ دوہا ہوا دودھ تھنوں میں واپس نہ جائے۔ یعنی جس طرح دودھ کا واپس جانا محال ہے

اسی طرح اس شخص کا دوزخ میں جانا محال ہے) اور راہ خدا میں بندہ کے جسم کا غبار اور دوزخ کا دھواں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے (یعنی مجاہد دوزخ میں نہ جائے گا (ترمذی) اور نسائی کی ایک روایت میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ مسلمان کے نتھنوں میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہ ہوگا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ بندہ کے پیٹ میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہ ہوگا اور بخل وایمان ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ وَ عَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ رواه الترمذی.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی ایک آنکھ وہ جو خدا کے خوف سے روئی اور دوسری آنکھ وہ جس نے خدا کی راہ میں نگہبانی کرتے وقت گزاری۔ (ترمذی)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٍ فَاَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِاعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هٰذَا الشِّعْبِ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مُقَامَ اَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَ يُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اُغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ رواه الترمذی.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک شخص پہاڑی درہ سے گزرا جس میں شیریں پانی کا چشمہ تھا اس کو یہ چشمہ بہت پسند آیا اور اس نے دل میں کہا کاش میں لوگوں کو چھوڑ دوں اور اس درہ میں آرہوں پھر اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو اس لئے کہ خدا کی راہ میں تمہارا قیام کرنا گھر میں سترہ برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ خداوند کریم تم کو پورے طور پر بخش دے اور جنت میں تم کو داخل کر دے۔ تم خدا کی راہ میں لڑو اس لئے کہ جو شخص تھوڑی دیر بھی خدا کی راہ میں لڑتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (ترمذی)

وَعَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ يَوْمٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ رواه الترمذی والنسائی و ابن ماجه.

حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کی راہ میں (کافروں کی سرحد پر) ایک دن کی نگہبانی ہزار دن کی عبادت سے بہتر ہے سوائے اس دن کے (ترمذی۔ نسائی)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللهَ وَ فِيْهِ ثُلْمَةٌ رواه الترمذی و ابن ماجه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس پر جہاد کا کوئی اثر نہ ہوگا

(یعنی اس میں جہاد کی علامت نہ ہوگی تو وہ گویا اس حال میں خدا سے ملے گا کہ اس میں دینی نقص ہوگا۔(ترمذی۔ابن ماجہ)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَفْلَۃٌ کَغَزْوَۃٍ رواہ ابوداؤد.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جہاد کے بعد جہاد سے واپس آنا جہاد کے مانند ہے (یعنی واپسی کا ثواب بھی جہاد کے برابر ہے۔(ابوداؤد)

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْغَازِیْ اَجْرُہٗ وَلِلْجَاعِلِ بِعُرُہٗ وَاَجْرُ الْغَازِیْ رواہ ابوداؤد.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غازی (یعنی جہاد کرنے والا) کے لئے اس کے جہاد کا (کامل) اجر ہے اور جہاد کے لئے مال دینے والے کو مال اور جہاد دونوں کا ثواب ملتا ہے (ابوداؤد)

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَیْکُمُ الْاَمْصَارُ وَسَتَکُوْنُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ یُقْطَعُ عَلَیْکُمْ فِیْھَا بُعُوْثٌ فَیَکْرَہُ الرَّجُلُ الْبَعْثَ فَیَتَخَلَّصُ مِنْ قَوْمِہٖ ثُمَّ یَتَصَفَّحُ الْقَبَائِلَ یَعْرِضُ نَفْسَہٗ عَلَیْھِمْ مَنْ اَکْفِیْہِ بَعْثَ کَذَاا لَا وَ ذٰلِکَ الْاَجِیْرُ اِلٰی اٰخِرِ قَطْرَۃٍ مِنْ دَمِہٖ رواہ ابوداؤد.

حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب تم پر بڑے بڑے شہر فتح کئے جائیں گے اور جمع کئے ہوئے لشکر ہوں گے جن میں سے تمہارے لئے فوجیں معین کی

جائیں گی پس ایک شخص جہاد پر بلا معاوضہ جانے کو برا سمجھے گا اور اپنی قوم میں چلا جائے گا تا کہ جہاد میں جانے سے محفوظ رہے پھر وہ قبائل کو تلاش کرے گا اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کر کے کہے گا کون ہے جو میری خدمات کو اجرت پر حاصل کرے تا کہ میں ایک لشکر کو کفایت کروں اور لشکر کی سربراہی اپنے ذمہ لے لوں خبردار یہ شخص مجاہد نہیں ہے مزدور ہے اور اپنے خون کے آخری قطرہ تک مزدور ہی رہے گا۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ يَعْلٰے بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ اٰذَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغَزْوِ وَ اَنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَيْسَ لِيْ خَادِمٌ فَالْتَمَسْتُ اَجِيْرًا يَكْفِيْنِيْ فَوَجَدْتُ رَجُلًا سَمَّيْتُ لَهٗ ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَلَمَّا حَضَرَتْ غَنِيْمَةٌ اَرَدْتُ اَنْ اُجْرِيَ لَهٗ سَهْمَهٗ فَجِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهٗ فَقَالَ مَا اَجِدُ لَهٗ فِيْ غَزْوَتِهٖ هٰذِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا دَنَانِيْرَهُ الَّتِيْ تُسَمّٰى رواہ ابوداؤد.

حضرت یعلی بن امیہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد پر جانے کے لئے آگاہ کیا۔ میں اس وقت بوڑھا تھا اور کوئی خادم میرے پاس نہ تھا میں نے ایک مزدور کو تلاش کیا جو میری خدمت کے لئے کافی ہو چنانچہ مجھ کو ایک شخص مل گیا جس کی خدمت کی اجرت میں نے تین دینار مقرر کر دی۔ پھر جب غنیمت کا مال آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ اپنے خدمتگار کا حصہ بھی نکالوں۔ چنانچہ اس کا مسئلہ پوچھنے کے لئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا میں اسے غزوہ میں دین ودنیا میں اس کے لئے صرف ان دیناروں کو پاتا ہوں

جو تو نے معین کئے ہیں (یعنی مال غنیمت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔)
(ابوداؤد)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ رَجُلٌ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَهُوَ یَبْتَغِیْ عَرَضًا مِنْ عَرَضِ الدُّنْیَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَجْرَلَهٗ رواه ابو دائود.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہے لیکن وہ دنیا کے مال اسباب کا خواہش مند ہے آپ نے فرمایا اس کو کسی قسم کا ثواب نہیں ملے گا۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْغَزْوُ غَزْوَانِ فَاَمَّا مَنِ ابْتَغٰی وَجْهَ اللهِ وَاَطَاعَ الْاِمَامَ وَاَنْفَقَ الْکَرِیْمَةَ وَیَاسَرَ الشَّرِیْكَ فَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَاِنَّ نَوْمَهٗ وَنُبْهَهٗ اَجْرٌ کُلُّهٗ وَاَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِیَاءً وَسُمْعَةً وَعَصَی الْاِمَامَ وَاَفْسَدَ فِی الْاَرْضِ فَاِنَّهٗ لَمْ یَرْجِعْ بِالْکَفَافِ رواه مالك و ابو دائود والنسائی.

حضرت معاذؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جہاد دو قسم کا ہے جس نے خدا کی رضامندی چاہی امام کی اطاعت کی پاک و مال اور جان کو خرچ کیا شریک کار سے اچھا سلوک کیا بچتا رہے فساد سے اس کا سونا اور جاگنا سب ثواب ہی ثواب ہے اور جس نے جہاد کیا فخر کے لئے دکھانے اور سنانے کے لئے اور امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا تو وہ جہاد سے کوئی بدلہ لے کر واپس نہیں آیے گا (یعنی اس کو کسی قسم کا ثواب نہیں ملے گا)۔

(مالک۔ابوداؤد۔نسائی)

وَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ یَا عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو وَ اِنْ قَاتَلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰہُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَ اِنْ قَاتَلْتَ مُرَائِیًا مُكَاثِرًا بَعَثَكَ اللّٰہُ مُرَائِیًا مُكَاثِرًا یَا عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو عَلٰی اَیِّ حَالٍ قَاتَلْتَ اَوْ قُتِلْتَ بَعَثَكَ اللّٰہُ عَلٰی تِلْكَ الْحَالِ رواہ ابو دائود.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو جہاد سے آگاہ کیجئے (یعنی اس سے کہ کس قسم کا جہاد موجب ثواب ہے آپ نے فرمایا عبداللہ بن عمروؓ اگر لڑے تو اس حال میں کہ صبر کرنے والا ہو اور خدا سے ثواب کا چاہنے والا تو اٹھائے گا تجھ کو اللہ تعالی صبر کرنے والا ثواب کا چاہنے والا (جس حال میں تو مرے گا اسی حال میں تجھ کو اٹھایا جائے گا) اور لڑے گا تو دکھانے کے لئے اور فخر کرنے کے لئے تو اٹھائے گا تجھ کو اللہ تعالی دکھانے والا اور بہت زیادہ چاہنے والا مال اور فخر کو اے عبداللہ بن عمروؓ جس حال میں تو لڑے گا یا مارا جائے گا اللہ تعالی اسی حال مین تجھ کو اٹھائے گا۔(ابو داؤد)

وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعَجَزْتُمْ اِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ یَمْضِ لِاَمْرِیْ اَنْ تَجْعَلُوْا مَكَانَہٗ مَنْ یَمْضِیْ لِاَمْرِیْ رواہ ابو دائود وَ ذُكِرَ حدیث فَضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَہٗ فی کتاب الایمان.

حضرت عقبہؓ بن مالکؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کیا تم

اس سے عاجز ہو کر جب میں کسی شخص کو امیر مقرر کر کے بھیجوں اور وہ میرے احکام کے موافق کام نہ کرے تو اس کو تم معزول کر دو اور اس کی جگہ ایسے آدمی مقرر کر دو جو میرے حکم کے موافق کام کرے (ابو داؤد) اور فضالہ کی حدیث المجاہد کتاب الایمان میں بیان کی جا چکی ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِیَّةٍ فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِیْهِ شَیْئٌ مِنْ مَّاءٍ وَ بَقْلٍ فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ بِاَنْ یُّقِیْمَ فِیْهِ وَ یَتَخَلَّی مِنَ الدُّنْیَا فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ بِالْیَهُوْدِیَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِیَّةِ وَلٰكِنِّیْ بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَغَدْوَةٌ اَوْ رَوْحَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا وَ لَمَقَامُ اَحَدِكُمْ فِی الصَّفِّ خَیْرٌ مِّنْ صَلٰوتِهٖ سِتِّیْنَ سَنَةً رواه احمد.

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے ایک شخص (ہم میں سے) ایک غار پر گزرا جس میں پانی تھا اور کچھ سبزی (اس کو دیکھ کر) اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں یہیں رہ جاؤں اور دنیا کو چھوڑ دوں۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا میں نہ تو یہودیت (پھیلانے) کے لئے بھیجا گیا اور نہ نصرانیت بلکہ دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہوں جو آسان دین ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ صبح یا شام کو خدا کی راہ میں جانا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور میدان

جنگ کی صف میں یا نماز کی جماعت کی صف میں تم میں سے کسی کی جگہ ساٹھ برس کی نماز سے بہتر ہے۔ (احمد)

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَزَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَمْ يَنْوِ اِلَّا عِقَالًا فَلَهٗ مَانَوٰى رواه النسائی.

حضرت عبادہؓ بن صامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور صرف ایک رسی کے حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے وہی چیز ہے جس کا ارادہ کیا۔ (نسائی)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْسَعِيْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ اُخْرٰى يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَابَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ قَالَ وَمَاهِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ رواه مسلم.

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا کے پروردگار ہونے پر راضی ہو اور اسلام کے مذہب ہونے پر اور محمد کے رسول ہونے پر اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ ابو سعید نے یہ الفاظ سن کر اظہار تعجب کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ان کلمات کو پھر ایک مرتبہ میرے سامنے فرمایئے آپ نے پھر ان الفاظ کا اعادہ فرمایا اور پھر ارشاد

کیا کہ ایک چیز اور ہے جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ بندہ کے لئے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے اور ان میں سے دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ابو سعیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَیْئَةِ فَقَالَ یَا اَبَا مُوْسٰی اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَقْرَأُ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ ثُمَّ کَسَرَ جَفْنَ سَیْفِهٖ فَاَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِهٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰی قُتِلَ رواه مسلم۔

حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں (یہ سن کر) ایک خستہ حال شخص نے کہا ابو موسے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ الفاظ فرماتے سنا ہے ابو موسیٰؓ نے کہا ہاں۔ (یہ سن کر) وہ شخص اپنے دوستوں میں چلا آیا اور کہا میں تم کو آخری سلام کہتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار کے نیام کو توڑ ڈالا اور پھینک دیا پھر تلوار لے کر دشمن کی طرف روانہ ہوا اس سے لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِی الدُّنْیَا عَلٰی ثَلٰثَةِ اَجْزَاءٍ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِىْ يَأْ مَنُهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِىْ اِذَا اَشْرَفَ عَلٰى طَمَعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ رواه احمد.

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دنیا میں تین قسم کے مومن ہیں ایک تو وہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہوئے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا (اور یہ سب سے بہترین مومن ہیں) اور دوسرے وہ جن کے ہاتھوں سے مسلمانوں کے جان و مال محفوظ ہیں اور تیسرے وہ جس کے دل میں طمع کی خواہش پیدا ہوتی ہے لیکن وہ اس خواہش کو صرف خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ (احمد)

وَ عَنْ عَلِيٍّ وَ اَبِى الدَّرْدَاءِ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ اَبِىْ اُمَامَةَ وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَرْسَلَ نَفَقَةً فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَقَامَ فِىْ بَيْتِهٖ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهٖ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَنْفَقَ فِىْ وَجْهِهٖ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ رواه ابن ماجه.

حضرت علیؓ۔ ابی درداءؓ۔ ابی ہریرہؓ۔ ابی امامہؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن عمروؓ۔ جابر بن عبداللہؓ۔ اور عمران بن حصینؓ۔ سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص

خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں خرچ کرنے کے لئے مال بھیجے اور خود گھر میں رہے اس کو ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم ملیں گے اور جو شخص خود خدا کی راہ میں لڑا اور جہاد میں اپنا مال بھی خرچ کیا اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم ملیں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی واللہ یضاعف لمن یشاء۔

وَعَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَیْہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّاسِ فَقَالَ ھَلْ رَاٰہُ اَحَدٌ مِّنْکُمْ عَلٰی عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حَرَسَ لَیْلَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَصَلّٰی عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَثٰی عَلَیْہِ التُّرَابَ وَقَالَ اَصْحَابُکَ یَظُنُّوْنَ اَنَّکَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ وَاَنَا اَشْھَدُ اَنَّکَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ یَا عُمَرُ اِنَّکَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰکِنْ تُسْاَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابن عائذؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ کے ہمراہ تشریف لے چلے (تاکہ اس پر نماز پڑھیں) جب جنازہ کو رکھا گیا تو عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس کی نماز نہ پڑھایئے اس لئے کہ یہ شخص فاسق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) لوگوں کی طرف دیکھا اور فرمایا تم میں سے کسی نے اس کو اسلام کا کوئی کام کرتے دیکھا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ اس

نے ایک رات خدا کی راہ میں پاسبانی کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے مٹی دی اور پھر فرمایا تیرے دوست واحباب خیال کرتے ہیں کہ تو دوزخی ہے اور میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے عمر کو مخاطب کر کے فرمایا عمرؓ تجھ سے لوگوں کے اعمال کا سوال نہ کیا جائے گا بلکہ دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا۔ (بیہقی)

فضائل شہداء

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ. بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ ۔ آیت ۱۵۴ سورۃ البقرہ۔

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا. بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ. فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ. آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱ سورۃ آل عمران۔

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے ہیں اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا ہے اس پر وہ خوش ہونے والے ہیں اور ان کی طرف سے بھی خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پیچھے سے ان کے پاس نہیں پہنچے اس لئے کہ نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے اللہ کی نعمت اور فضل

سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات سے کہ اللہ ایمان داروں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

تفسیر: ان آیتوں میں شہداء کے فضائل کا بیان ہے مگر تفصیل نہیں ہے تفصیل مندرجہ ذیل احادیث میں آرہی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ یُحِبُّ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَہٗ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْئٍ اِلَّا الشَّہِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلَ عَشَرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَۃِ متفق علیہ.

حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص دنیا میں اس خیال سے واپس آنے کو پسند نہ کرے گا کہ زمین میں جو کچھ ہے اس کو پھر مل جائے مگر شہید اس کی آرزو کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس مرتبہ مارا جائے اس لئے کہ شہادت کی عظمت اور ثواب کو جانتا ہے (بخاری و مسلم)

وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْنَا عَبْدَاللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ الْاٰیۃ قَالَ اِنَّا قَدْ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرْوَاحُھُمْ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ لَھَا قَنَادِیْلُ مُعَلَّقَۃٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَاْوِیْ اِلٰی تِلْکَ الْقَنَادِیْلِ فَاطَّلَعَ اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ اِطِّلَاعَۃً فَقَالَ ھَلْ تَشْتَھُوْنَ شَیْئًا قَالُوْا اَیَّ شَیْئٍ نَشْتَھِیْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِکَ بِھِمْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَاَوْا اَنَّھُمْ لَنْ یُّتْرَکُوْا مِنْ اَنْ یَّسْاَلُوْا قَالُوْا یَا رَبِّ

نُرِيدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحنَا فِیْ اَجْسَادِ نَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِی سَبِیلِكَ مَرَّۃً اُخْرٰی فَلَمَّا رَاٰی اَنْ لَیْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا رواہ مسلم۔

حضرت مسروقؒ کہتے ہیں ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کے معنی دریافت کیے ولا تحسبن الذی قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون الخ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو تم مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور انکو رزق دیا جاتا ہے ابن مسعودؓ نے کہا ہم نے اس کے معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے تو آپ نے فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں ہیں اور ان کے لئے عرش الٰہی کے نیچے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں وہ بہشت میں سے جہاں سے ان کا جی چاہے میوہ کھاتے ہیں اور پھر قندیلوں میں چلے جاتے ہیں اور پروردگار ان کی طرف جھانکتا ہے اور فرماتا ہے تم کو کسی چیز کی خواہش ہے وہ عرض کرتے ہیں ہم کس چیز کی خواہش کریں جہاں سے ہمارا جی چاہتا ہے جنت سے میوے کھاتے ہیں خداوند تعالیٰ تین مرتبہ اسی طرح پوچھتا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ بار بار ہم سے پوچھا جاتا ہے تو وہ عرض کرتے ہیں اے پروردگار ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو پھر ہمارے جسموں میں واپس کر دیا جائے تاکہ تیری راہ میں ہم پھر جہاد و قتال کریں اور دوبارہ شہید ہوں جب خداوند تعالیٰ دیکھتا ہے کہ ان کو کسی چیز کی حاجت نہیں تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِیْدَ فِیْكُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ قَالَ اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِیْ اِذًا لَقَلِیْلٌ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِی الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِیْ

الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ رواه مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے آپ میں سے شہید کس کو مانتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے آپ نے فرمایا اس صورت میں تو میری امت کے اندر شہیدوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ جائے گی (آگاہ ہو کہ) جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے شہید ہے اور جو شخص (اپنی موت) مرے خدا کی راہ میں شہید ہے اور جو شخص طاعون میں مرے شہید ہے اور جو شخص پیٹ کی بیماری میں مرے شہید ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ اَوَّلُ ثَلٰثَۃٍ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ شَہِیْدٌ وَعَفِیْفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ اَحْسَنَ عِبَادَۃَ اللّٰہِ وَنَصَحَ لِمَوَالِیْہِ رواہ الترمذی۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے سامنے تین قسم کے وہ آدمی پیش کئے گئے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے ایک تو ان میں سے شہید ہے دوسرا احرام سے بچنے والا اور سوال نہ کرنے والا اور تیسرا وہ غلام جس نے خدا کی عبادت خوبی کے ساتھ کی اور اپنے مالک کا بھی خیر خواہ رہا۔ (ترمذی)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ حُبْشِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقِیَامِ قِیْلَ فَاَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ قَالَ جُہْدُ الْمُقِلِّ قِیْلَ فَاَیُّ الْہِجْرَۃِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ ہَجَرَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ قِیْلَ فَاَیُّ الْجِہَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاہَدَ الْمُشْرِکِیْنَ بِمَالِہٖ وَنَفْسِہٖ قِیْلَ فَاَیُّ الْقَتْلِ اَشْرَفُ قَالَ مَنْ اُہْرِیْقَ دَمُہٗ وَعُقِرَ جَوَادُہٗ رواہ ابوداؤد و فی روایۃ النسائی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ لَا شَکَّ فِیْہِ وَجِہَادٌ لَا غُلُوْلَ

فِيهِ وَ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَاَيُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ ثُمَّ اتَّفَقَانِی الْبَاقِيْ.

حضرت عبداللہؓ بن حبشی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا عمل سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا طویل قیام کرنا (نماز کے اعمال میں پھر پوچھا گیا کون سا صدقہ بہتر ہے فرمایا کوشش کرنا محتاج و فقیر کا صدقہ دینے کے لئے مفلس و محتاج آدمی کا کوشش کرنا پھر پوچھا گیا کون سی ہجرت بہتر ہے فرمایا ان باتوں کو چھوڑنا جن کو خدا نے حرام قرار دیا ہے پھر پوچھا گیا کون سا جہاد بہتر ہے فرمایا جو جہاد مال اور جان کے ساتھ مشرکوں سے کیا جائے پھر پوچھا گیا کون سا مارا جانا بہتر ہے فرمایا اس شخص کا جس کا خون بہایا جائے اور اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹی جائیں (ابو داؤد) اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اعمال میں کون سا عمل افضل ہے فرمایا ایمان جس میں کسی قسم کا شک نہ ہو اور جہاد جس میں کسی قسم کی خیانت نہ ہو اور حج مقبول پھر پوچھا گیا کون سی نماز افضل ہے فرمایا دیر تک قیام کرنا اور باقی حدیث حسب مذکور ہے۔

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيْدِ عِنْدَاللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُلَهٗ فِيْ اَوَّلِ دَفْعَةٍ وَ يَرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَ يُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَاْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَ يُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَ يُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَ يُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقْرِبَائِهٖ رواه الترمذی.

حضرت مقدام بن معدیکربؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کے نزدیک شہید کے لئے چھ باتیں ہیں (۱) بخشا جائے گا اس کو پہلی ہی

مرتبہ (یعنی خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی) (۲) دکھایا جائے گا اس کو جنت میں ٹھکانا اس کا (یعنی جان نکلنے کے وقت) (۳) محفوظ رہتا ہے وہ عذاب قبر سے (۴) امن میں رہتا ہے وہ بڑی گھبراہٹ سے (یعنی دوزخ کے عذاب سے) (۵) اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے کہ اس کا یاقوت دینا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا (۶) اس کے نکاح میں بہتر حوریں بڑی بڑی آنکھوں والی دی جائیں گی اور اس کے عزیزوں میں سے ستر آدمیوں کے لئے اس کی شفاعت۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ رواه الترمذی والنسائی والدارمی و قال الترمذی هذا حدیث حسن غریب۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شہید قتل کی صرف اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی کہ تم چیونٹی کے کاٹنے سے تکلیف کو محسوس کرتے ہو۔ (ترمذی۔ دارمی۔ نسائی)

(ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْئٌ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ فَائِرَيْنِ قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ قَطْرَةُ دَمٍ تُهَرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَمَّا الْاَثَرَ انِ فَاَثَرٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَثَرٌ فِيْ فَرِيْضَةٍ مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰى رواه الترمذی و قال هذا حدیث حسن غریب۔

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشان بہت پیارے ہیں ایک تو خدا کے خوف سے نکلا ہوا آنسو کا قطرہ اور دوسرا اس خون کا قطرہ جو خدا کی راہ میں بہایا جائے اور دو نشانوں میں سے ایک نشان

تو وہ ہے جو خدا کی راہ میں زخم یا چوٹ وغیرہ سے آئے اور دوسرا نشان خدا کے فرائض میں سے کسی فرض کا نشان (مثلاً سجدہ وغیرہ کا نشان)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْكَبِ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَ تَحْتَ النَّارِ بَحْرًا رواہ ابو دائود.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی شخص دریا میں سفر نہ کرے مگر حج یا عمرہ کے ارادہ سے یا خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے اس لئے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ اُمِّ حَرَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَائِدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِيْ يُصِيْبُهُ الْقَيْئُ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ وَ الْغَرِيْقُ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدَيْنِ رواہ ابو دائود.

حضرت ام حرامؓ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دریا کے سفر میں اگر سر گھومنے سے قے ہو جائے تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص دریا میں غرق ہو جائے اس کو دو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ فَصَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ وَقَصَهٗ فَرَسُهٗ اَوْ بَعِيْرُهٗ اَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ اَوْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ بِاَيِّ حَتْفٍ شَاءَ اللّٰهُ فَاِنَّهٗ شَهِيْدٌ وَ اِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ رواہ ابو دائود.

حضرت ابو مالک اشعریؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی جہاد وغیرہ کے لئے) نکلا اور مر گیا یا مارا گیا یا اس کے گھوڑے نے اس کو کچل ڈالا یا اس کے اونٹ نے کچل ڈالا یا کسی زہریلے جانور

نے کاٹ لیا یا اپنے بستر پر مر گیا یا کسی قسم کی موت میں تو وہ شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے۔ (ابوداؤد)

وَعن ابن عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ اَنَّهٗ لَمَّا اُصِيْبَ اِخْوَانُكُمْ يَوْمَ اُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَاْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَ تَاْوِيْ اِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَ جَدُوْا طِيْبَ مَاكِلِهِمْ وَ مَشْرَبِهِمْ وَ مَقِيْلِهِمْ قَالُوْا مَنْ يُبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا اَنَّنَا اَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ لِئَلَّا يَزْهَدُوْا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَنْكُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ اِلٰى اخر الايه رواه ابو دائود.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا جب تمہارے بھائی احد کے دن شہید کئے گئے تو خداوند تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے جسم میں داخل کر دیا (اب) وہ پرندے جنت کی نہروں پر آتے ہیں جنت کے میووں کو کھاتے ہیں اور سونے کے ان قندیلوں میں آرام حاصل کرتے ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے معلق ہے ان شہیدوں نے جب اپنے کھانے پینے اور آرام کرنے کی مسرتوں کو حاصل کیا تو کہا کون ہے جو ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے یہ پیغام پہنچائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت کو حاصل کرنے میں بے پروائی سے کام نہ لیں اور لڑائی کے موقع پر سستی نہ کریں خداوند تعالیٰ نے (ان کی اس خواہش کو پاکر) کہا میں تمہارے پیام کو تمہارے بھائیوں کے پاس پہنچادوں گا چنانچہ خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عُمَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ یَقْبِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْکُمْ وَ اَنَّ لَهَا الدُّنْیَا وَمَافِیْهَا غَیْرُ الشَّهِیْدِ قَالَ ابْنُ اَبِیْ عُمَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَکُوْنَ لِیْ اَهْلُ الْوَبَرِ وَالْمَدَرِ رواہ النسائی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی مسلمان جن کی روح کو خداوند تعالی قبض کرے اس کی خواہش نہیں کرتا کہ اس کی روح دوبارہ تمہارے پاس آئے اور دنیاومافیہا کی لذتوں کو حاصل کرے سوائے شہید کی روح کہ (کہ وہ اس امر کو پسند کرتی ہے کہ دوبارہ دنیا میں جائے اور جہاد کر کے دوبارہ شہادت حاصل کرے) ابن ابی عمیرہؓ کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں میرا مارا جانا مجھ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں خیموں والوں (یعنی دیہاتیوں) اور حویلیوں کے رہنے والوں کا حاکم ہوں۔ (نسائی)

وَعَنْ حَسْنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِیَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَمِّیْ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فِی الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِیُّ فِی الْجَنَّةِ وَالشَّهِیْدُ فِی الْجَنَّةِ وَالْمَوْلُوْدُ فِی الْجَنَّةِ وَالْوَلِیْدُ فِی الْجَنَّةِ رواہ ابو داؤد.

حضرت حسناءؓ بنت معاویہ کہتی ہیں مجھ سے میرے چچا نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا جنت میں کون (کون) ہوگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں نبی ہوں گے جنت میں شہید ہوں گے لڑکے (نابالغ خواہ وہ کسی قوم و مذہب کے ہوں) جنت میں ہوں گے اور وہ لڑکی جنت میں ہوگی جس کو زندہ دفن کیا گیا ہے۔ ابو داؤد

وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الشُّهَدَاءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هٰكَذَا وَ رَفَعَ رَاسَهٗ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهٗ فَمَا اَدْرِیْ اَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ كَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهٗ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلاً صَالِحاً وَ اٰخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَالِكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ لَقِيَ الْعَدُوَّ وَ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ رواه الترمذی و قال هذا حدیث حسن غریب.

حضرت فضالہ بن عبیدؓ کہتے ہیں میں نے عمر بن خطاب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک تو وہ شخص جو مومن ہو کامل الایمان (جہاد میں جائے) دشمن سے لڑے اور خدا کے وعدہ کو سچ کر دکھائے (یعنی خدا نے اجر کامل اور ثواب عظیم کا جو وعدہ کیا ہے) یہاں تک کہ (لڑتے لڑتے) مارا جائے یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ اس طرح سر اٹھائیں گے یہ کہہ کر سر اٹھایا (اس قدر اونچا) کہ ٹوپی گر گئی راوی کا بیان ہے کہ فضالہ نے یہ نہیں بتلایا کہ ٹوپی کس کے سر سے گری حضرت عمرؓ کے سر سے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے اور دوسرا وہ شخص جو مسلمان ہو کامل الایمان (جہاد میں جائے) اور دشمن سے مقابلے کرے اس حال میں کہ خوف سے وہ یہ محسوس کر رہا ہو گویا اس کے جسم میں خار دار درخت کے کانٹے چبھوئے گئے ہیں یعنی

بزدلی ونامردی کے سبب کہ یکایک کسی نامعلوم شخص کا تیر آیااور اس کو مار ڈالا یہ شخص دوسرے درجے کا شہید ہے تیسرا وہ شخص جو مومن ہو اور اس نے کچھ عمل اچھے کئے ہوں اور کچھ برے (وہ جہاد میں جائے) دشمن سے لڑے اور خدا کی اس بیان کردہ صفت کو سچ کر دکھائے جو اس نے مومن کی بیان فرمائی ہے۔ (یعنی یہ کہ مجاہد صابر اور طالب ثواب ہوتا ہے) اور مارا جائے یہ تیسرے درجے کا شہید ہے اور چوتھا وہ شخص جو مومن ہو لیکن اپنی جان پر زیادتی کی ہو (یعنی بہت گناہ کئے ہوں) اور وہ جہاد میں دشمن سے لڑے اور خدا کے وعدہ اور صفت کو سچ کر دکھائے یہاں تک کہ مارا جائے یہ چوتھے درجہ کا شہید ہے۔

(ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ نِ السَّلْمِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَتْلٰے ثَلٰثَۃٌ مُؤْمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِذَا لَقِیَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ فَذَالِكَ الشَّهِيْدُ الْمُمْتَحَنُ فِیْ خَيْمَةِ اللّٰهِ تَحْتَ عَرْشِهٖ لَا يَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ وَمُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِذَا لَقِیَ الْعَدُوَّ وَ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مُمَصْمِصَةٌ مَحَتْ ذُنُوْبَهٗ وَ خَطَايَاهُ اِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِّلْخَطَايَا وَ اُدْخِلَ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَمُنَافِقٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَاِذَا لَقِیَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ فَذَالِكَ فِی النَّارِ اِنَّ السَّيْفَ لَا يَمْحُوا النِّفَاقَ رواه الدارمی.

حضرت عتبہ بن سلمیؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو لوگ جہاد میں قتل کئے جائیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ مومن جو اپنی جان اور

اپنے مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرے دشمن سے مقابلہ کرے اور لڑے یہاں تک کہ مارا جائے اس شہید کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ وہ شہید ہے جس کے صبر اور تکلیفوں اور مشقتوں پر استقامت کا ایقان کیا گیا ہے یہ شہید خدا کے عرش کے نیچے خدا کے خیمہ میں ہوگا اور انبیاء اس سے صرف درجہ نبوت زیادہ ہونگے اور دوسرا وہ مومن جس کے اعمال مخلوط ہوں یعنی کچھ اچھے اور کچھ برے وہ اپنی جان اور اپنے مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرے جس وقت دشمن سے سامنا ہو لڑے یہاں تک کہ مارا جائے اس شہید کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ شہادت یا خصلت پاک کرنے والی ہے جو اس کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتی ہے اور تلوار گناہوں کو بہت زیادہ محو کرنے والی چیز ہے یہ شہید جس دروازے میں سے جنت میں جانا چاہے گا چلا جائے گا اور تیسرا شخص وہ منافق ہے جس نے اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا جب دشمن سے اس کا مقابلہ ہوا لڑا (اور خوب لڑا) یہاں تک کہ مارا گیا یہ شخص دوزخ میں جائے گا اس لئے کہ تلوار نفاق نہیں مٹاتی۔ (دارمی)

جہاد کا مقصد دوم فتنوں کا انسداد ہے

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (سورہ بقرہ آیت ۱۹۱ - ۱۹۴)

اور مارو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے چلانا مارنے سے زیادہ ہے اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ لڑیں تو ان کو مارو یہی سزا ہے منکروں کی پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ بخشنے والا ہے اور لڑو ان سے جب تک نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے اللہ کا پھر اگر وہ باز آویں تو زیادتی نہیں مگر بے انصافوں پر حرمت کا مہینہ مقابل حرمت کے مہینے کے اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسے اس نے زیادتی کی اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیز گاروں کے اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (سورہ بقرہ آیت ۲۱۶ - ۲۱۷)

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے آپ سے حرمت والے مہینے

میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کا بس چلے اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کافر ہی مر جائے پس یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی دوزخی ہیں جو اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: اس بحث میں سورۃ البقرہ کی سات آیتیں منقول ہیں پہلے ان کا شان نزول پیش کریں گے ہجری ۶ء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے تو کفار نے آپ کو حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آئندہ سال آکر عمرہ کریں چنانچہ معاہدہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جب ہجری ۷ء ذی قعدہ میں عمرہ پر جانے کی تیاری کرنے لگے تو صحابہ کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ اگر مشرکین بد عہدی کریں اور ہم عمرہ کرنے میں مصروف ہوں اور وہ ہم پر حملہ کریں تو ہمیں کیا کرنا چاہئے اور نیز بیت اللہ بھی محترم ہے اور مہینہ ذی قعدہ کا بھی محترم ہے ہم اگر جوابی کارروائی کریں گے تو شعائر اللہ کا تقدس پامال ہو گا اس کے جواب میں سورۃ البقرہ یہ پانچ آیات اتری ہیں ان میں مسلمانوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ اگر کفار تم پر اس مہینہ میں اور حرم میں حملہ کریں تو انہیں دفاع کا حق حاصل ہے اور آیت دو سو سترہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کا کفار کے ساتھ اتفاقاً مقابلہ ہو گیا۔ ان کے ہاتھ سے ایک کافر مارا گیا جس دن یہ واقعہ

پیش آیا تھا رجب کی پہلی تاریخ تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ یہ سمجھے کہ یہ جمادی الآخر کی آخری تاریخ ہے اس پر کفار نے طعن کیا تھا کہ تم لوگ اشہر حرام کا احترام نہیں کرتے تو ان کے جواب میں یہ آیت دو سو ستره اتری ہے۔

تفسیر: یہ آیتیں سورۃ محمد کی آیت چار کے جملہ ضرب الرقاب کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں یہ بتایا ہے کہ کافروں کی گردنیں اڑادو ان آیتوں میں اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ کافر خدا کے باغی اور فتنہ پرواز ہیں وہ اللہ کے ماننے والوں کا وجود بھی برداشت نہیں کرتے اور اشہر حرم اور مقامات مقدسہ کی توہین کرتے ہیں۔ واقتلوھم حیث ثقفتموھم شان نزول کے رو سے اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں جب تم عمرہ کے ارکان ادا کرنے لگو اور کفار تم پر حملہ کردیں تو حرم میں یا اس کے آس پاس جہاں بھی وہ کفار تمہیں ملیں تو ان کو قتل کردو کیونکہ انہوں نے حرم کے تقدس کا خیال بھی نہیں رکھا اور عمرہ جو عبادت الٰہی ہے اس کا بھی خیال نہیں رکھا واخرجوھم من حیث اخرجوکم اس کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ کفار نے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں مسلمانوں بھی اجازت دی ہے کہ تم بھی ان کو مکہ سے نکال سکتے ہو والفتنہ اشد من القتل۔ اس جملہ میں ایک شک کا ازالہ مقصد ہے شک یہ ہے کہ حرم میں تو شکار تک ناجائز ہے تو ایک انسان کو مارنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ والفتنۃ اشد من القتل فتنہ قتل سے زیادہ گناہ ہے اور فتنہ سے مراد شرک بھی لیا گیا ہے یعنی شرک تمام جرائم کی جڑ ہے اسی بنا پر بیت اللہ کو لوگوں نے جرائم کی آماجگاہ بنایا ہوا تھا۔ اور اس کے ذمہ دار یہی مشرکین مکہ تھے اس لئے اللہ نے اس آیت میں ایسے مشرکین کو مارنے کی اجازت دی تھی تاکہ شرک کے امام اور مقتدی ختم ہوجائیں ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم کذالک جزاء الکافرین

ان جملوں میں اللہ تعالی نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ حملہ میں مسجد حرام میں پہل کریں تو تم جوابی کارروائی کرو۔ تم نے عمل میں ابتدا نہیں کرنا۔

فان انتہوا فان اللہ غفور رحیم۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے جوابی حملہ کے بعد اگر وہ کافر تائب ہو جائیں اور اپنے شرکیہ عقائد وہ چھوڑ دیں تو اللہ تعالی ان کے گناہ معاف کر دے گا وقاتلوہم حتی لاتکون فتنہ ویکون الدین للہ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ کافر توبہ نہ کریں اور مسلمانوں کے خلاف جنگ جاری رکھیں تو مسلمان بھی دین الہی کی سربلندیوں تک ان سے جنگ جاری رکھیں۔ فان انتہوا لا عدوان الا علی الظالمین۔۔۔ یعنی اس مرتبہ بھی اگر وہ توبہ کرلیں تو بھی ان پر کوئی زیادتی نہیں کرنا البتہ ان میں سے جو ظالم قسم کے لوگ ہیں ان کو سزا دیں یعنی وہ سرغنہ کفار جو ماتحتوں کر بار بار جنگ میں لاتے ہیں ان کو معاف نہ کیا جائے یا اسی طرح کفار جن کے ہاتھوں سے مسلمان مجاہدین مارے گئے ہیں اور وہ جنگ بندی تو کریں گے مگر اپنے شرکیہ عقائد سے باز نہ آئیں ان کو بھی معاف نہ کیا جائے الشہر الحرام بالشہر الحرام تا آخر ان جملوں کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین اگر محترم مقامات اور اوقات کو ملحوظ رکھیں تو تم بھی رکھو اور اگر وہ ملحوظ نہ رکھیں تو تم اس آڑ میں مار نہ کھانا بلکہ جوابی کارروائی کا تمہیں حق ہے اور آخر میں وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالی تمہارا ساتھ دے گا وانفقوا فی سبیل اللہ تا آخر اس آیت میں جہاد بالمال کا ذکر ہے یعنی جب کفار کے خلاف جہاد کرو گے تو اس سلسلہ میں مال کی بھی ضرورت ہے تو فرمایا ہے کہ اللہ کے راستے میں مال بھی خرچ کرو ورنہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو گے مقصد یہ ہے کہ پھر تمہیں شکست ہو گی اور مال خرچ کرو گے تو اللہ تعالی کے محبوب بن جاؤ گے اور اللہ تعالی اپنے محبوب کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔

آیت دو سو سولہا کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم تا آخر اس آیت میں جہاد کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس میں مسلمانوں کے لئے بہتری ہے آیت دو سو سترہ یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه تا آخر اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس سے پہلی آیت کی تفسیر ہے کیونکہ پہلی آیت نے بتایا ہے کہ جہاد خیر ہے اور اس آیت میں اس خیر کی تفسیر ہے کہ اس سے فتنوں کا استیصال ہوتا ہے اور نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی گناہوں سے بچنے کے لئے ایک گناہ اختیار کرنا جائز ہے کیونکہ قرآن کریم نے تسلیم کیا ہے کہ اشھر حرم میں قتال گناہ کبیرہ ہے اور ا۔اللہ کے راستے سے روکنا ۲۔ اور اللہ کا انکار کرنا۔ ۳۔ اور مسجد حرام سے روکنا۔ اور ۴۔ مسجد حرام کے اہل کو اس سے نکالنا بہت بڑا گناہ ہے اور فتنہ۔۶۔ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے ان پانچ بڑے گناہوں کو مٹانے کے لئے اشھر حرم میں قتال کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ بڑے گناہ سے بچنے کے لئے چھوٹا گناہ اور کئی گناہوں سے بچنے کے لئے اور ان کو مٹانے کے لئے ایک گناہ کی اجازت ہے اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان دین چھوڑدے تو کافر ہو جاتا ہے اور اس کی تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ جہاد سے فتنوں کا انسداد ہوتا ہے اشھر حرم چار ہیں۔ ذی قعد۔ ذی الحج۔ محرم اور رجب۔

جہاد کا مقصدِ سوم عقیدہ توحید کی شہادۃ

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ

الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُo

اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں پسند کیا ہے اور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اسی نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ ہو پس نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کو مضبوط ہو کر پکڑو وہی تمہارا مولیٰ ہے پھر کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔ سورۃ الحج آیت ۷۸

تفسیر: اس آیت میں نوں مضامین ہیں۔ پہلا جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ اس میں جَاهِدُوْ صیغہ امر ہے۔ جہاد سے بنا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فرض ہے اور حق جہاد سے مراد مال و جان اور زبان سے جہاد کرنا ہے اور اس سے پہلے شروع سورۃ سے لے کر یہاں تک عقیدہ قیامت۔ عقیدہ توحید و رسالت کا بیان گزرا ہے اور شرک اعتقادی اور شرک فعلی کی تردید بیان ہوئی ہے اور سورۃ کے آخر میں آکر جہاد کا حکم دیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی دعوت سے یہ عقائد نہ مانیں اور وہ اپنے شرکیہ نظریات سے باز نہ آئیں تو پھر جہاد کے ذریعہ انہیں سمجھاؤ۔ دوسرا مضمون هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ اس جملہ میں ایک وہم دور کرنا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاد میں تو تنگی ہوگی اور ہر طرح کی مشکلات ہونگی تو اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ دین میں تم پر کسی قسم کی سختی اور تنگی نہیں رکھی۔ اس اللہ تعالی نے تو اسی مقصد اور مشن کے لئے تمہیں چنا ہے اور اس آیت کی تفصیل سورۃ العنکبوت کی آخری آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ہے اور جنہوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم انہیں ضرور اپنی راہیں سجھادیں گے اور

بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے تیسرا مضمون مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ملت کی اتباع کرو یعنی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو عقیدہ توحید کی خاطر آتش نمرود میں جان کی بازی لگادی تھی اور ہجرۃ بھی کی تھی اور قربانی کے لئے اپنا بیٹا اسماعیل علیہ السلام پیش کیا تھا تم بھی اسی طرح بذریعہ جہاد مال و جان کی قربانی دو اور بوقت ضرورت ہجرت بھی کرو۔ چوتھا مضمون هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ تاشُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ یعنی اللہ تعالی نے تمہارا نام اسی لئے مسلمان رکھا ہے تاکہ رسول اللہ اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے توحید کی گواہی دیں اور تم لوگوں کے سامنے گواہی دو۔ یہ گواہی دو قسم ہے ایک ارشاد اور دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اور دوسری جہاد کے ذریعہ کیونکہ بعض کافر تو دعوت سے بات سمجھ جائیں گے اور بعض کی سمجھ میں یہ عقیدہ نہیں آئے گا ان میں سے بعض تو اپنے باطل معبودوں کی بندگی پر ڈٹے رہیں گے اور بعض اسباب ہی کو نفع و نقصان کا مالک یقین کرلیں گے جیسے کہ دہریہ کمیونسٹ وغیرہ انہیں عقیدہ توحید سمجھانے کے لئے ان باطل معبودوں کو اور ان اسباب کو توڑنا پڑے گا جن پر ان کا یقین و ایمان ہے اس شکست و ریخت کا نام جہاد ہے اور یہ بھی ایک قسم کی شہادت ہے اور پانچواں مضمون ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں نماز کو جہاد اکبر فرمایا ہے۔ اور چھٹا مضمون ہے وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ زکوہ کا لب لباب یہ ہے زکوۃ دہندہ خدا پرست ہے مادہ پرست نہیں ہے اور ساتواں مضمون ہے وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ یعنی عقیدہ توحید پر ڈٹے رہو اور آٹھواں مضمون ہے ھو مولکم یعنی اللہ ہی تمہارا کار ساز اور حاجت روا مشکل کشا ہے اور نواں مضمون ہے نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرِ۔

جہاد کی برکت سے مٹھی بھر مسلمانوں کو غزوہ بدر میں عظیم فتح ہوئی

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ط فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ط وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۔(آیت ۱۲۔ ۱۳سورۃ آل عمران)

کافروں کو کہہ دے کہ اب تم مغلوب ہو گئے اور دوزخ کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے تمہارے سامنے ابھی ایک نمونہ دو فوجوں کا گزر چکا ہے جو آپس میں لڑیں۔ایک فوج اللہ کی راہ میں لڑتی ہے اور دوسری فوج کافروں کی ہے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے آنکھوں کے دیکھنے سے اور اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے قوت دیتا ہے۔اس واقعہ میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

تفسیر :اس آیت میں اللہ تعالی نے جناب رسول اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ کافروں کو دو چیلنج کردو۔ایک دنیاوی شکست اور دوسرا داخلہ جہنم اور جس زمانہ میں یہ چیلنج کیا اس زمانہ میں مسلمان تو مٹھی بھر تھے اور باقی پوری دنیا پر طاغوتی طاقتوں کا قبضہ تھا اور کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اتنی مختصر تعداد کے مسلمان اتنی بڑی بڑی حکومتوں کو شکست دے دیں گے تو اللہ تعالی نے اگلی آیت میں حوالہ پیش فرمایا ہے کہ اس واقعہ میں تمہارے لئے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ

الآفٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ مُنْزَلِيْنَo بَلٰى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ الٰافٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَo وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ o لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ. سورہ آل عمران آیت ۲۳ تا ۲۷

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی جنگ میں اور تم بے مقدور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم احسان مانو جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کفایت نہیں کہ تمہاری مدد بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے، آسمان سے اترے (ہوئے) البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیز گاری کرو اور وہ آویں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے، پلے ہوئے گھوڑوں پر اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تا تسکین ہو تمہارے دلوں کو اور مدد ہے نری اللہ کے پاس سے جو زبردست ہے حکمت والا۔ تا کاٹ ڈالے بعضے کافروں کو یا ان کو ذلیل کرے کہ پھر جاویں نامراد۔ ان آیتوں میں پہلی آیتوں کا ثبوت ہے کہ دو جماعتوں کا آپس میں مقابلہ ہوا تھا ایک جماعت اللہ کے راستے میں لڑتی تھی اور دوسری جماعت کافروں کی تھی اور کافر مسلمانوں کو اپنے سے دگنا سمجھتے تھے حالانکہ مسلمانون کی تعداد فی الواقع کم تھی یعنی تین سو تیرہ۔ اور کافروں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ یہ در حقیقت اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کی غیبی نصرت تھی۔ مگر اس آیت میں اجمال ہے کیونکہ یہاں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ دو جماعتیں کہاں لڑی تھیں اور اللہ تعالی نے کو مسلمانوں کو جو دگنا کیا تھا تو وہ کس طرح کیا تھا؟ پس آیت ایک سو تئیس میں بتایا ہے کہ یہ جنگ بدر کے مقام پر لڑی گئی تھی اور آیت چوبیس اور

پچیس میں بتایا ہے کہ مسلمانوں کی جو تعداد بڑھائی گئی تھی وہ فرشتوں کے ذریعہ بڑھائی گئی تھی اور ان فرشتوں کی تعداد تین اور پانچ ہزار کے درمیان تھی اور آیت چھبیس میں بتایا ہے کہ فرشتوں کی یہ تعداد صرف مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے تھی۔ اور یہ اطمینان صرف اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے نہیں تھا بلکہ تاقیامت آنے والے مسلمانوں کو مطمئن کرنا مقصود ہے کہ جب بھی مسلمان جہاد کریں گے تو اللہ تعالی ان کی طاقت کو اسی طرح بڑھائیں گے اور آیت ایک سو ستائیس میں بتایا ہے کہ مسلمانوں کی یہ امداد اس لئے فرمائی تھی تاکہ وہ کافروں کو ہلاک اور ذلیل کرے۔ بدر مدینہ کے جنوب مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر ایک منڈی تھی وہاں پانی بھی وافر تھا۔ وہاں کافروں کی اور مسلمانوں کی آپس میں جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور وہ بھی بے سروسامان تھے۔ ان کے پاس ستر اونٹ دو گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھی اور مشرکین کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے یہ جنگ بروز جمعہ سترہ رمضان ہجری ۲ھ میں در پیش آئی تھی۔ ان آیتوں میں اس جنگ کا بیان ہے اور ان میں اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کی جو نصرت ہوئی اس کا بھی ذکر ہے مگر یہ تفصیل نہیں ہے کہ آیا مسلمانوں کو فتح بھی ہوئی تھی یا نہ اور اس کے بعد سورۃ الانفال میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

☆☆☆

قانون جہاد کی دفعات اور مال غنیمت

اللہ اور رسول کا ہونے کی وجوہات

سورۃ الانفال قانون جہاد کے اس حصہ پر مشتمل ہے جو دفع ضرر سے تعلق رکھتا ہے یعنی اس سورۃ میں بتا گیا ہے کہ اگر دشمن مقابلہ کرنا چاہے تو مسلمانوں کے اصول جہاد کیا ہوں گے۔ ان اصول کو تیرہ دفعات میں بیان کیا گیا ہے اور دنیا کا کوئی قانون جنگ ان تیرہ دفعات سے باہر نہیں جاسکتا ابتداء دفعات۔ دفعات قانون کی ابتدا دوسرے رکوع کی آیت یاایھاالذین امنوا سے ہوگی اس سے پہلے ڈیڑھ رکوع میں تمہید ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ مال غنیمت اللہ تعالی کا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور مومنین کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں

پس خلاصہ یہ ہے کہ

مسلمان مجاہدین اور اسلامی افواج ان صولوں کے تحت اور دنیادی اغراض و مقاصد سے بے نیاز ہو کر صرف رضاالہی کے لئے جہاد کریں گے تو اللہ تعالی اس کی نصرت فرمائیں گے اور انہیں کامیابی بھی ہوگی جیسا کہ غزوہ بدر میں انہیں کامیابی ہوئی تھی اور آج دنیا میں اسلامی افواج کو جو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ جہاد کے اصولوں سے بے خبر ہیں

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ

اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ.

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا۔ تو کہہ دے مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا۔ سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اگر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالی نے پہلے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سوال نقل کیا ہے اس کے بعد جناب رسول اللہ علیہ وسلم کو صحابہ تک چار پیغامات پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ پہلا پیغام مال غنیمت کا مالک اللہ اور اس کا رسول اللہ علیہ وسلم ہے اور دوسرا پیغام تم لوگ اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور تیسرا پیغام آپس میں صلح کرو اختلاف نہ کرو اور چوتھا پیغام اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ مگر اس میں اجمال ہے تفصیل مندجہ ذیل آرہی ہے۔ اور اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کے مابین کوئی واقعہ درپیش آیا تھا جو مال غنیمت کے متعلق تھا اور اس سورۃ کے نزول کا باعث بنا تھا اور انہوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو اللہ تعالی نے اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل فرمائی جس کی تفصیل مندرجہ ذیل آرہی ہے۔

یہ آیت غزوہ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ آیت کی مفصل تفسیر سے پہلے وہ واقعہ سامنے رکھا جائے تو تفسیر سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ غزوہ بدر جو کفر و اسلام کا سب سے پہلا معرکہ تھا اس میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا تو صحابہ کرامؓ کے درمیان اس کی تقسیم کے متعلق ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جو اخلاص و اتفاق کے اس مقام کے شایان نہ تھا جس پر صحابہ کرامؓ کی پوری زندگی ڈھلی ہوئی تھی اس لئے سب سے پہلی ہی آیت میں اس کا

فیصلہ فرمادیا گیا تاکہ اس مقدس گروہ کے قلوب میں صدق واخلاق اور اتفاق وایثار کے سوا کچھ نہ رہے۔

اس واقعہ کی تفصیل غزوہ بدر کے شریک حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی زبانی مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک، حاکم وغیرہ میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت سے کسی نے آیت مذکورہ میں لفظ انفال کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ آیت تو ہمارے یعنی اصحاب بدر ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جس کا واقعہ یہ تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہمارے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس نے ہمارے اخلاق پر برا اثر ڈالا۔ اللہ تعالی نے اس آیت کے ذریعہ اموال غنیمت کو ہمارے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ علیہ وسلم کے سپرد کردیا اور رسول اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین بدر میں اس کو مساوی طور پر تقسیم فرمادیا۔

صورت یہ پیش آئی کہ ہم سب غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور دونوں فریق میں گھمسان کی جنگ کے بعد اللہ تعالی نے دشمن کو شکست دی تو اب ہمارے لشکر کے تین حصے ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا تاکہ وہ پھر واپس نہ آسکے، کچھ لوگ کفار کے چھوڑے ہوئے اموال غنیمت جمع کرنے لگ گئے اور کچھ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اس لئے جمع رہے کہ کسی طرف سے چھپا ہوا دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ کردے۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور رات کو ہر شخص اپنے ٹھکانہ پر پہنچا تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے اس لئے اس میں ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں اور جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ اس کے حقدار نہیں ہو کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو پسپا کیا اور تمہارے لئے یہ موقع فراہم کیا

کہ تم بے فکر ہو کر مال غنیمت جمع کر لو اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد جمع رہے انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے تو ہم بھی مال غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا ہم اس میں مشغول رہے اس لئے ہم بھی اس کے مستحق ہیں۔

صحابہ کرام کی یہ گفتگو رسول اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے واضح کر دیا کہ یہ مال اللہ کا ہے اس کا کوئی مالک و حقدار نہیں بجز اس کے جس کو رسول اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات ربانی کے ماتحت اس مال کو سب شرکاء جہاد میں مساوی طور پر تقسیم فرمادیا (ابن کثیر) اور سب کے سب اللہ و رسول کے اس فیصلہ پر راضی ہو گئے اور ان کے خلاف شان جو صورت حال باہمی مسابقت کی پیش آگئی تھی اس پر نادم ہوئے۔

اور مسند احمد ہی میں اس آیت کے شان نزول کا ایک دوسرا واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں میرے بھائی عمیر شہید ہو گئے میں نے ان کے بالمقابل مشرکین میں سے سعید بن العاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ تلوار مجھے مل جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو مال غنیمت میں جمع کر دو۔ میں حکم ماننے پر مجبور تھا مگر میرا دل اس کا سخت صدمہ محسوس کر رہا تھا کہ میرا بھائی شہید ہوا اور میں نے اس کے بالمقابل ایک دشمن کو مار کر اس کی تلوار حاصل کی وہ بھی مجھ سے لے لی گئی مگر بایں ہمہ تعمیل ارشاد کے لئے مال غنیمت میں جمع کرنے کے لئے آگے بڑھا تو ابھی دور نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ علیہ وسلم پر سورہ

انفال کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے مجھے بلوا کر یہ تلوار مجھے عنایت فرمادی۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے عرض بھی کیا تھا کہ یہ تلوار مجھے دے دی جائے مگر آپ نے فرمایا کہ نہ یہ میری چیز ہے جو کسی کو دے دوں اور نہ آپ کی ملک ہے اس کو پورے مال غنیمت میں جمع کردو اس کا فیصلہ جو کچھ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کے مطابق ہوگا۔ (ابن کثیر۔ مظہری)

اس میں کوئی بعد نہیں کہ یہ دونوں واقعے پیش آئے ہوں اور دونوں ہی کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہو۔

آیت کی پوری تفسیر یہ ہے :

اس میں لفظ انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فضل و انعام۔ نفلی نماز۔ روزہ، صدقہ کو بھی نفل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کے ذمہ لازم و واجب نہیں۔ کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں۔ اصطلاح قرآن و سنت میں لفظ نفل اور انفال مال غنیمت کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو کفار سے بوقت جہاد حاصل ہوتا ہے مگر قرآن کریم میں اس معنی کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں انفال، غنیمہ، فیئے لفظ انفال تو اسی آیت میں مذکور ہے اور لفظ غنیمہ اور اس کی تفصیل اسی سورت کی اکتالیسویں آیت میں آنے والی ہے اور لفظ فئے اور اس کے متعلق تفصیل سورہ حشر میں بیان ہوئی ہے۔ وما افاء اللہ الایۃ۔ اور ان تینوں کے معانی تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف ہیں۔ فرق معمولی اور قلیل ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک لفظ دوسرے کی جگہ مطلقاً مال غنیمت کے لئے بھی استعمال کرلیا جاتا ہے۔ غنیمہ عموماً اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ و جہاد کے ذریعہ مخالف فریق سے حاصل ہو اور فیے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ و قتال کے کفار سے ملے خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دے دینا

قبول کریں اور نفل اور انفال کا لفظ اکثر اس انعام کے لئے بولا جاتا ہے جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کئے ہیں (ابن کثیر) اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لئے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام اور خاص دونوں معنی کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح و تحقیق وہ ہے جو امام ابو عبیدؒ نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل و انعام کو اور اس امت مرحومہ پر اللہ تعالی کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد و قتال کے ذریعہ جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا بلکہ مال غنیمت کے لئے قانون یہ تھا کہ وہ کسی کے لئے حلال نہیں تھے۔ تمام اموال غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا اور آسمان سے قدرتی طور پر ایک آگ (بجلی) آتی تھی اور اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی۔ یہی اس جہاد کے مقبول عنداللہ ہونے کی علامت ہوتی تھی۔ اور اگر کوئی مال غنیمت جمع کیا گیا اور آسمانی بجلی نے آکر اس کو نہ جلایا تو یہ علامت اس کی ہوتی تھی کہ یہ جہاد اللہ تعالی کے نزدیک مقبول نہیں۔ اس لئے اس مال غنیمت کو بھی مردود اور منحوس سمجھا جاتا تھا اور اسے کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بخاری و مسلم میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر اور ان کی امت کو نہیں ملیں۔ انہیں پانچ میں سے ایک یہ ہے کہ احلت

لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی یعنی میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے۔

آیت مذکورہ میں انفال کا حکم یہ بتلایا گیا کہ وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اصل ملکیت تو اللہ تعالی کی ہے اور متصرف ان میں اللہ تعالی کے رسول ہیں جو حکم خداوندی کے مطابق اپنی صوابدید پر ان کو تقسیم کرتے ہیں۔

اسی لئے ائمہ تفسیر کی ایک جماعت نے جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد، عکرمہ، سدی، وغیرہ داخل ہیں یہ فرمایا کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب تک تقسیم غنائم کا وہ قانون نازل نہ ہوا تھا جو اسی سورت کے پانچویں رکوع میں آرہا ہے کیونکہ اس میں پورے مال غنیمت کو رسول اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑدیا ہے کہ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں اور آگے تو تفصیلی احکام آئے ہیں ان میں یہ ہے کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے محفوظ کردیا جائے اور چار حصے شرکاء جہاد میں ایک خاص قانون کے تحت تقسیم کردیئے جائیں جن کی تفصیل احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ اس تفصیلی بیان نے سورہ انفال کی پہلی آیت کو منسوخ کردیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں کوئی ناسخ منسوخ نہیں بلکہ اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ سورہ انفال کی پہلی آیت میں اجمال ہے اور اکتالیسویں آیت میں اسی کی تفصیل ہے، البتہ مال فئے جس کے احکام سورہ حشر میں بیان ہوئے ہیں وہ پورا کا پورا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف ہے۔ آپ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں عمل فرمائیں اسی لئے اس جگہ احکام بیان فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی جو کچھ تم کو ہمارا رسول دے دے اس کو لے لو اور جس کو روک دے اس سے باز رہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت وہ ہے جو جنگ و جہاد کے ذریعہ ہاتھ آئے اور مال فئے وہ جو بغیر قتل و جہاد کے ہاتھ آجائے اور لفظ انفال دونوں کے لئے عام بھی بولا جاتا ہے اور خاص اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو کسی غازی کو امیر جہاد عطا کرے۔

اس سلسلہ میں غازیوں کو انعام دینے کی چار صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے عہد سے رائج ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اعلان فرمادیں کہ جو شخص کسی مخالف کو قتل کرے تو جو سامان مقتول سپاہی سے حاصل ہو وہ اسی کا ہے جس نے قتل کیا۔ یہ سامان مال غنیمت میں جمع ہی نہ کیا جائے گا دوسرے یہ کہ بڑے لشکر میں سے کوئی جماعت الگ کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیجی جائے اور یہ حکم دے دیا جائے کہ اس جانب سے جو مال غنیمت حاصل ہو وہ اسی خاص جماعت کا ہوگا جو وہاں گئی ہے صرف اتنا کرنا ہوگا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ پانچواں حصہ جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اس میں سے کسی خاص غازی کو اس کی ممتاز کارگزاری کے صلہ میں امیر کی صوابدید کے مطابق دیا جائے۔ چوتھے یہ کہ پورے مال غنیمت میں سے کچھ حصہ الگ کر کے خدمت پیشہ لوگوں کو بطور انعام دیا جائے جو مجاہدین کے گھوڑوں وغیرہ کی نگہداشت کرتے ہیں اور ان کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ (ابن کثیر)

خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگ آپ سے انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ انفال سب اللہ کے ہیں اور اس کے رسول کے یعنی خود کوئی ان کا حقدار یا مالک نہیں اللہ تعالی کے حکم سے اس کے رسول جو کچھ فیصلہ فرمائیں وہ ہی نافذ ہوگا۔

☆☆☆

لوگوں کے باہمی اتفاق واتحاد کی بنیاد تقوی اور خوف خدا ہے

اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا فاتقوا الله و اصلحوا ذات بینکم و اطیعوا الله و رسوله ان کنتم مومنین جس میں صحابہ کرام کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کو درست رکھو۔ اس میں اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو غزوہ بدر میں اموال غنیمت کی تقسیم کی بابت صحابہ کرام کے آپس میں پیش آگیا تھا جس میں باہمی کشیدگی اور ناراضی کا خطرہ تھا۔ حق تعالی نے تقسیم غنیمت کا قضیہ تو خود اس آیت کے ذریعے طے فرمادیا اب ان کے دلوں کی اصلاح اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کی تدبیر بتلائی گئی ہے جس کا مرکزی نقطہ تقوی اور خوف خدا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جب تقوی اور خوف خدا و آخرت غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں باہمی منافرت کے پہاڑ گرد بن کر اڑ جاتے ہیں اہل تقوی کا حال بقول مولانا رومیؒ یہ ہو جاتا ہے۔

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد کیں الم از صلحہا ہم میرمد

یعنی ان لوگوں کو کسی جنگ وجدل اور جھگڑے سے تو کیا دلچسپی ہوتی ان کو خلائق کی صلح اور درستی کے لئے بھی فرصت نہیں ملتی کیونکہ جس کا قلب اللہ تعالی کی محبت و خوف اور یاد میں مشغول ہو اس کو دوسروں سے تعلقات بڑھانے کی کہاں فرصت۔

بسودائے جاناں زجاں مشتغل بذکر حبیب از جہاں مشتغل

اسی لئے اس آیت میں تقوی کی تدبیر بتلا کر فرمایا اصلحوا ذات بینکم یعنی بذریعہ تقوی آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو۔ اس کی مزید تشریح اس طرح

فرمائی و اطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین یعنی اللہ اور رسول کی مکمل اطاعت ہو اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا تقاضا ہے اطاعت اور اطاعت نتیجہ ہے تقوی کا اور جب یہ چیزیں لوگوں کو حاصل ہو جائیں تو ان کے آپس کے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور دشمنی کی جگہ دلوں میں الفت و محبت پیدا ہو جائے گی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ مَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝

ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہم نے جو ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی ہیں سچے ایمان والے، ان کے لئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی عزت کی۔

تفسیر:

مومن کی مخصوص صفات:

آیات مذکورہ میں ان مخصوص صفات کا بیان ہے جو ہر مومن میں ہونا چاہئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر مومن اپنی ظاہری اور باطنی کیفیات اور صفات کا جائزہ لیتا رہے۔ اگر یہ صفات اس میں موجود ہیں تو اللہ تعالی کا شکر کرے کہ اس نے اس کو مومنین کی صفات عطا فرمادی اور اگر ان میں سے کوئی صفت موجود نہیں یا ہے مگر ضعیف و کمزور ہے تو اس کے حاصل کرنے یا قوی کرنے کی فکر میں لگ جائے۔

پہلی صفت خوف خدا:

پہلی صفت یہ بیان فرمائی اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ یعنی جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں رچی اور بھری ہوئی ہے جس کا ایک تقاضا ہیبت و خوف ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اس کا ذکر کر کے اہل محبت کو بشارت دی گئی ہے وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ۔ یعنی خوشخبری دے دیجئے ان متواضع نرم خو لوگوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالی کے ذکر اور یاد کے ایک خاص تقاضا کا ذکر ہے یعنی ہیبت اور خوف اور دوسری آیت میں ذکر اللہ کی یہ خاصیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ یعنی اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس خوف و ہیبت کا ذکر ہے وہ دل کو سکون و اطمینان کے خلاف نہیں جیسے کسی درندے یا دشمن کا خوف قلب کے سکون کو برباد کر دیتا ہے ذکر اللہ کے ساتھ دل میں پیدا ہونے والا خوف اس سے بالکل مختلف ہے اور اسی لئے یہاں لفظ خوف استعمال نہیں فرمایا وجل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ مطلق خوف نہیں بلکہ وہ ہیبت ہے جو بڑوں کی جلالتِ شان کے سبب دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ اللہ کے ذکر اور یاد سے یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کر رہا تھا اسی حال میں اس کو خدا تعالی کی یاد آ گئی تو وہ اللہ کے عذاب سے ڈر گیا اور گناہ سے باز آ گیا اس صورت میں خوف سے مراد خوف عذاب ہی ہو گا۔ (بحر محیط)

دوسری صفت ایمان میں ترقی :

مومن کی دوسری صفت یہ بتلائی کہ جب اس کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ ایمان بڑھنے کے ایسے معنی جن پر سب علماء مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے یہ ہیں کہ ایمان کی قوت و کیفیت اور نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے اور یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اعمال صالحہ سے ایمان میں قوت اور ایسا شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے کہ اعمال صالحہ اس کی عادت طبعی بن جاتی ہیں جس کے چھوڑنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور گناہ سے اس کو طبعی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے پاس نہیں جاتا۔ ایمان کے اسی مقام کو حدیث میں حلاوت ایمان کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے ؎

واذا حلت الحلاوة قلبا نشطت فی العبادة الاعضاء

یعنی جب کسی دل میں حلاوت ایمان جگہ پکڑ لیتی ہے تو اس کے ہاتھ پیر اور سب اعضاء عبادت میں راحت و لذت محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اس لئے خلاصہ آیت کے مضمون کا یہ ہوا کہ مومن کامل کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ جب اس کے سامنے اللہ تعالی کی آیات پڑھی جائیں تو اس کے ایمان میں جلاء و ترقی ہو اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت بڑھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح عام مسلمان قرآن پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ نہ قرآن کے ادب و احترام کا کوئی اہتمام ہے نہ اللہ جل شانہ کی عظمت پر نظر ہے ایسی تلاوت مقصود اور اعلی نتائج پیدا کرنے والی نہیں گو ثواب سے وہ بھی خالی نہ ہو۔

تیسری صفت اللہ پر توکل :

تیسری صفت مومن کی یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالی پر توکل کرے۔ توکل

کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال واحوال میں اس کا مکمل اعتماد اور بھروسہ صرف ذات واحد حق تعالیٰ ہو۔ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے مادی اسباب اور تدابیر کو ترک کر کے بیٹھ جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب وآلات کو اصل کامیابی کے لئے کافی نہ سمجھے بلکہ بقدر قدرت وہمت مادی اسباب اور تدابیر کو فراہم کرے اور استعمال کرنے کے بعد معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتے ہیں۔ ہوگا وہی جو وہ چاہیں گے۔ ایک حدیث میں فرمایا اجملوا فی الطلب و توکلوا علیہ۔ یعنی رزق اور اپنی حاجات کے حاصل کرنے کے لئے متوسط درجہ کی طلب اور مادی اسباب کے ذریعہ کوشش کرلو۔ پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو اپنے دل ودماغ کو صرف مادی تدبیر وں اور اسباب ہی میں نہ الجھا رکھو۔

چوتھی صفت اقامت صلوۃ:

چوتھی صفت مومن کی اقامت صلوۃ بتلائی۔ اس میں یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ نماز کی اقامت کا ذکر ہے۔ اقامت کے لفظی معنی کسی چیز کو سیدھا کھڑا کرنے کے ہیں۔ مراد اقامت صلوۃ سے یہ ہے کہ نماز کے پورے آداب وشرائط اس طرح بجالائے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قول وعمل سے بتلائے ہیں۔ آداب وشرائط میں کوتاہی ہوئی تو اس کو نماز پڑھنا تو کہہ سکتے ہیں مگر اقامت صلوۃ نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید میں نماز کے جو فوائد اور آثار اور برکات ذکر کی گئی ہیں اور فرمایا گیا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی نماز روکتی ہے بے حیائی اور ہر گناہ سے۔ یہ بھی اقامت صلوۃ ہی پر موقوف ہے جب نماز

کے آداب میں کوتاہی ہوئی تو گو فتوی کی رو سے اس کی نماز کو جائز ہی کہا جائے مگر نماز کی برکات سے کلی طور پر محرومی ہو جائے گی۔

پانچویں صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا :

پانچویں صفت مرد مومن کی یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ اللہ تعالی نے اس کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا عام ہے۔ تمام صدقات و خیرات اور وقف و صلہ کو جس میں زکوۃ۔ صدقہ الفطر وغیرہ واجبات شرعی بھی داخل ہیں اور نفلی صدقات و تبرعات بھی۔ مہمانوں، دوستوں۔ بزرگوں کی مالی خدمت بھی۔

مرد مومن کی یہ پانچ صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یعنی ایسے ہی لوگ سچے مومن ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں اور زبان اور دل متفق ہیں ورنہ جن میں یہ صفات نہیں وہ زبان سے تو اَشْهَدُ ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله کہتے ہیں مگر ان کے دلوں میں نہ توحید کا رنگ نہ اطاعت رسول کا۔ ان کے اعمال ان کے اقوال کی تردید کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے جب وہ حاصل نہ ہو حق حاصل نہیں ہوتا۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابو سعید کیا آپ مومن ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ بھائی ایمان دو قسم کے ہیں۔ تمہارے سوال کا مطلب اگر یہ ہے کہ میں اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں۔ کتابوں اور رسولوں پر اور جنت دوزخ اور قیامت اور حساب کتاب پر ایمان رکھتا ہوں تو جواب یہ ہے کہ بیشک میں مومن ہوں۔ اور اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ مومن کامل ہو جس کا

ذکر سورہ انفال کی آیات میں ہے تو مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ان میں داخل ہوں یا نہیں۔ سورہ انفال کی آیات سے وہی آیات مراد ہیں جو ابھی آپ نے سنی ہیں۔

آیات مذکورہ میں سچے مومن کی صفات و علامات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ۔

اس میں سچے مومنین کے لئے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا ایک درجات عالیہ۔ دوسرے مغفرت، تیسرے رزق عمدہ۔

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس سے پہلی آیات میں سچے مومنین کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں ایک وہ جن کا تعلق قلب اور باطن کے ساتھ ہے جیسے ایمان۔ خوف خدا۔ توکل علی اللہ دوسرے وہ جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے جیسے نماز وغیرہ۔ تیسرے وہ جن کا تعلق انسان کے مال سے ہے جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

ان تینوں قسموں کے بالمقابل تین انعاموں کا ذکر آیا ہے درجات عالیہ قلبی اور باطنی صفات کے مقابلہ میں اور مغفرت ان اعمال کے مقابلہ میں جو انسان کے ظاہر بدن سے متعلق ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور رزق کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بالمقابل آیا ہے کہ جو کچھ خرچ کیا اس سے بہت بہتر اور بہت زیادہ اس کو آخرت میں ملے گا۔

مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہونے کی پہلی وجہ :

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے، اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی۔ وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں اس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد گویا وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے۔

تفسیر: شروع سورت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ سورہ انفال کے بیشتر مضامین کفار و مشرکین پر عذاب وانتقام اور مسلمانوں پر احسان وانعام کے متعلق ہیں اور اس کے ضمن میں دونوں فریق کے لئے عبرت و نصیحت کے احکام بیان ہوئے ہیں اور ان معاملات میں سب سے پہلا اور سب سے اہم واقعہ غزوہ بدر کا تھا جس میں بڑے سازوسامان اور تعداد و قوت کے باوجود مشرکین کو جانی اور مالی نقصانات کی ساتھ شکست اور مسلمانوں کو باوجود ہر طرح کی قلت اور بے سامانی کے فتح عظیم نصیب ہوئی۔ اس سورت میں واقعہ بدر کا تفصیلی بیان ہے جو آیات مذکورہ سے شروع ہو رہا ہے۔

پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ بعض مسلمانوں کو بدر کے موقع پر جہاد کے لئے اقدام ناپسند تھا مگر اللہ تعالی نے اپنے خاص فرمان کے ذریعہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا تو ناپسند کرنے والے بھی ساتھ ہو گئے۔ اس بات کے بیان کرنے کے لئے قرآن کریم نے جو الفاظ اختیار فرمائے ہیں وہ کئی طرح سے قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ آیت کا شروع كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ سے ہوتا ہے اس میں لفظ كَمَا ایک ایسا لفظ ہے جو تشبیہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو غور طلب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ کس چیز کی کس چیز سے ہے۔ حضرات مفسرین نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں۔ امام تفسیر ابو حیان نے اس طرح کہ پندرہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں زیادہ

اقرب تین احتمال ہیں۔

اول یہ کہ اس تشبیہ سے مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح غزوہ بدر کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت صحابہ کرام کے آپس میں کچھ اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ پھر حکم خداوندی کے تحت سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اس کی برکات اور اچھے نتائج کا ظہور سامنے آگیا۔ اسی طرح اس جہاد کے شروع میں کچھ لوگوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوا پھر حکم ربانی کے ماتحت سب نے اطاعت کی اور اس کے مفید نتائج اور اعلیٰ ثمرات کا مشاہدہ ہو گیا یہ توجیہ فراء اور مبرد کی طرف منسوب ہے (بحر محیط) اسی کو بیان القرآن میں ترجیح دی ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر سے معلوم ہو چکا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں سچے مومنین کے لئے آخرت میں درجات عالیہ اور مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ان آیات میں اس وعدہ کے یقینی ہونے کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ آخرت کا وعدہ اگرچہ ابھی آنکھوں کے سامنے نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ نصرت و فتح غزوہ بدر میں آنکھوں کے سامنے آچکا ہے اس سے عبرت پکڑو اور یقین کرو کہ جس طرح یہ وعدہ دنیا ہی میں پورا ہو چکا ہے اسی طرح آخرت کا وعدہ بھی ضرور پورا ہو گا۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ نحاس)

تیسرا احتمال وہ ہے جس کو ابو حیان نے مفسرین کے پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے ان میں سے کسی قول پر اطمینان نہیں تھا۔ ایک روز میں اسی آیت پر غور و فکر کرتے ہوئے سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ جا رہا ہوں اور ایک شخص میرے ساتھ ہے میں اسی آیت کے متعلق اس سے بحث کر رہا ہوں اور یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کبھی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جیسی اس آیت کے الفاظ میں پیش آئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف ہے۔ پھر یکایک خواب ہی میں

میرے دل میں پڑا کہ یہاں لفظ نصرك محذوف ہے اس کو خود میں نے بھی پسند کیا اور جس شخص سے حث کر رہا تھا اس نے بھی پسند کیا۔ بیدار ہونے کے بعد اس پر غور کیا تو میرا اشکال ختم ہو گیا کیونکہ اس صورت میں لفظ کما تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ بیان سبب کے لئے استعمال ہوا ہے اور معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ غزوہ بدر میں اللہ جل شانہ کی طرف سے جو خاص نصرت وامداد آپ کی ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ اس جہاد میں آپ نے جو کچھ کیا کسی اپنی خواہش اور رائے سے نہیں بلکہ خالص امر ربی اور حکم خداوندی کے تابع کیا اسی کے حکم پر آپ اپنے گھر سے نکلے اور اطاعت حق کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے اور یہی ہوتا ہے کہ حق تعالی کی امداد و نصرت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

بہر حال آیت کے اس جملہ میں یہ تینوں معنی متحمل اور صحیح ہیں۔ اس کے بعد اس پر نظر ڈالئے کہ قرآن کریم نے اس جہاد کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود نکلنا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالی نے آپ کو نکالا اس میں اشارہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عبدیت و اطاعت کی طرف کہ آپ کا فعل درحقیقت حق تعالی کا فعل ہوتا ہے جو آپ کے اعضاء و جوارح سے صادر ہوتا ہے جیسا ایک حدیث قدسی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اطاعت و عبدیت کے ذریعہ اللہ تعالی کا تقرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جو کچھ دیکھتا ہے میرے ذریعہ دیکھتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے میں اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں وہ جس کو پکڑتا ہے میرے ذریعہ پکڑتا ہے جس کی طرف چلتا ہے میرے ذریعہ چلتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہی ہے کہ حق تعالی کی خاص نصرت وامداد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے جن افعال کا صدور بظاہر اس کے آنکھ کان یا ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے

درحقیقت اس میں قدرت حق تعالیٰ شانہ کی کارفرما ہوتی ہے ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اخرجك میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد کے لئے نکلنا درحقیقت حق تعالیٰ کا نکالنا تھا جو آپ کی ذات سے ظاہر ہوا۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اخرجك ربك فرمایا جس میں اللہ جل شانہ کا ذکر صفت رب کے ساتھ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس جہاد کے لئے آپ کو نکالنا شان ربوبیت سے اور تربیت کے تقاضا سے تھا کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کے لئے فتح یاب اور مغرور و ظالم کفار کے لئے پہلے عذاب کا مظاہرہ کرنا تھا۔

مِنْ بَيْتِكَ کے معنی ہیں آپ کے گھر سے۔ مطلب یہ ہوا کہ نکالا آپ کو آپ کے رب نے آپ کے گھر سے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس گھر سے مراد مدینہ طیبہ کا گھر یا خود مدینہ طیبہ ہے جس میں ہجرت کے بعد آپ مقیم ہوئے کیونکہ واقعہ ہجرت کے دوسرے سال میں پیش آیا ہے اس کے ساتھ لفظ بالحق کا اضافہ کر کے بتلا دیا کہ یہ ساری کارروائی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے عمل میں آئی ہے دوسری حکومتوں کی طرح ملک گیری کی ہوس یا بادشاہوں کا غصہ اس کا سبب نہیں۔

آخر آیت میں فرمایا وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہاد کو گراں سمجھتی اور ناپسند کرتی تھی۔ صحابہ کرام کو یہ گرانی کس طرح اور کیوں پیش آئی اس کے سمجھنے کے لئے نیز آئندہ آنے والی دوسری آیات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے غزوہ بدر کے ابتدائی حالات اور اسباب کا پہلے معلوم کر لینا مناسب

ہے اس لئے پہلے غزوہ بدر کا پورا واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

ابن عقبہ وابن عامر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں یہ خبر ملی کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے مال تجارت لے کر مکہ معظّمہ کی طرف جارہے ہیں اور اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک ہیں۔ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو اگر کسی کے پاس صرف مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سونا بھی تھا تو اس نے اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔اس قافلے کے پورے سرمایہ کے متعلق ابن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ پچاس ہزار دینار تھے دینار سونے کا سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے سونے کے موجودہ بھاؤ کے حساب سے اس کی قیمت باون روپیہ اور پورے سرمایہ کی قیمت چھبیس لاکھ روپیہ بنتی ہے اور یہ بھی آج کے نہیں بلکہ اب سے چودہ سو برس پہلے کے چھبیس لاکھ ہیں جو آج کے چھبیس کروڑ سے بھی زیادہ کی حیثیت رکھتے تھے۔اس تجارت قافلہ کی حفاظت اور کاروبار کے لئے قریش کے ستر جوان اور ستر سردار بھی تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ تجارتی قافلہ درحقیقت قریش مکہ کی ایک تجارتی کمپنی تھی۔

بغوی نے بروایت ابن عباسؓ وغیرہ نقل کیا ہے کہ اس قافلہ میں قریش کے چالیس سوار قریش کے سرداروں میں سے تھے جن میں عمرو بن العاص، محزمہ بن نوفل خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ قریش کی سب سے بڑی طاقت ان کی یہی تجارت اور تجارتی سرمایہ تھا جس کے بل پر انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تنگ کر کے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اس وقت جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر شام سے اس قافلہ کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ کی

رائے ہوئی کہ اس وقت اس قافلہ کا مقابلہ کر کے قریش کی طاقت توڑ دینے کا موقع ہے۔ صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو زمانہ رمضان کا تھا پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی۔ بعض حضرات نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا مگر بعض نے کچھ پس و پیش کی آپ نے بھی سب پر اس جہاد کی شرکت کو لازم نہ قرار دیا بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ اس وقت بہت سے آدمی جہاد میں جانے سے رک گئے اور جو لوگ جانا چاہتے تھے اور ان کی سواریاں دیہات میں تھیں۔ انہوں نے اجازت چاہی کہ ہم اپنی سواریاں لے آویں تو ساتھ چلیں۔ مگر وقت اتنے انتظار کا نہ تھا اس لئے حکم یہ ہوا کہ جن لوگوں کی سواریاں پاس موجود ہیں اور جہاد میں جانا چاہیں صرف وہی لوگ چلیں۔ باہر سے سواریاں منگانے کا وقت نہیں اس لئے ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہو سکے۔ اور جن حضرات نے اس جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا اس کا سبب بھی یہ تھا کہ آپ نے سب کے ذمہ اس جہاد کی شرکت کو واجب نہ قرار دیا تھا اور ان لوگوں کو یہ بھی اطمینان تھا کہ یہ تجارتی قافلہ ہے کوئی جنگی لشکر نہیں جس کے مقابلہ میں رسول اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو زیادہ لشکر اور مجاہدین کی ضرورت پڑے۔ اس لئے صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد اس جہاد میں شریک نہ ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیر سقیا پر پہنچ کر قیس بن صعصعہؓ کو حکم دیا کہ لشکر کو شمار کریں تو انہوں نے شمار کر کے اطلاع دی کہ تین سو تیرہ حضرات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تعداد اصحاب طالوت کی ہے اس لئے فال نیک فتح اور کامیابی کی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ کل ستر اونٹ تھے ہر تین آدمی کے لئے ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے خود

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دو حضرات ایک اونٹ کے شریک تھے۔ ابو لبابہؓ اور حضرت علیؓ۔ جب آپ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو یہ حضرات عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں۔ ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔ رحمۃ للعالمین کی طرف سے یہ جواب ملتا کہ نہ تو تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ میں آخرت کے ثواب سے مستغنی ہوں کہ اپنے ثواب کا موقع تمہیں دے دوں اس لئے اپنی باری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدل ہی چلتے تھے۔

دوسری طرف کسی شخص نے ملک شام کے مشہور مقام عین زرقا پر پہنچ کر رئیس قافلہ ابوسفیان کو اس کی خبر پہنچادی کہ رسول اللہ علیہ وسلم ان کے قافلہ کے انتظار میں ہیں ان کا تعاقب کریں گے۔ ابوسفیان نے احتیاطی تدابیر کی جب یہ قافلہ حدود حجاز میں داخل ہوا تو ایک ہوشیار مستعد آدمی ضمضم بن عمر کو بیس مثقال سونا یعنی تقریباً دو ہزار روپیہ اجرت دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ تیز رفتار سانڈنی پر سوار ہو کر جلد سے جلد مکہ مکرمہ میں یہ خبر پہنچادے کہ ان کے قافلہ کو صحابہ کرامؓ سے خطرہ لاحق ہے۔

ضمضم بن عمر نے اس زمانہ کی خاص رسم کے مطابق خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے اپنی اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیئے اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالے اور کجاوہ کو الٹا کر کے اونٹنی کی پشت پر رکھا۔ یہ علامات اس زمانہ میں خطرہ کی گھنٹی سمجھی جاتی تھیں۔ جب وہ اس شان سے مکہ میں داخل ہوا تو پورے مکہ میں ہلچل مچ گئی اور تمام قریش مدافعت کے لئے تیار ہو گئے جو لوگ اس جنگ کے لئے نکل سکتے تھے خود نکلے اور جو کسی وجہ سے معذور تھے انہوں نے کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر جنگ کے لئے تیار کیا اور صرف تین روز میں یہ لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ تیار ہو گیا۔

ان میں جو لوگ اس جنگ میں شرکت سے ہچکچاتے اس کو یہ لوگ مشتبہ نظروں سے دیکھتے اور مسلمانوں کا ہم خیال سمجھتے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو خصوصیت سے جنگ کے واسطے نکلنے پر مجبور کیا۔ جو لوگ علانیہ طور پر مسلمان تھے اور ابھی تک بوجہ اپنے اعذار کے ہجرت نہیں کر سکے تھے بلکہ مکہ میں بس رہے تھے ان کو اور بنو ہاشم کے خاندان میں جس پر بھی یہ گمان تھا کہ یہ مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا ہے ان کو بھی اس جنگ کے لئے نکلنے پر مجبور کیا۔ انہیں مجبور لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور ابو طالب کے دو بیٹے طالب اور عقیل بھی تھے۔

اس طرح اس لشکر میں ایک ہزار جوان دو سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں اور ترانے گانے والی لونڈیاں اور ان کے طبلے وغیرہ لے کر بدر کی طرف نکل کھڑے ہوئے ہر منزل پر دس اونٹ ان لوگوں کے کھانے کے لئے ذبح ہوتے تھے۔

دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک تجارتی قافلہ کے انداز سے مقابلہ کی تیاری کر کے بارہ رمضان کو شنبہ کے دن مدینہ طیبہ سے نکلے اور کئی منزل طے کرنے کے بعد بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے دو شخصوں کو آگے بھیجا کہ وہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں۔ (مظہری)

مخبروں نے یہ خبر پہنچائی کہ ابوسفیان کا قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب کی خبر پا کر ساحل دریا کے کنارے کنارے گزر گیا اور اس کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر جنگ کے لئے آرہا ہے۔ (ابن کثیر)

ظاہر ہے کہ اس خبر نے حالات کا نقشہ پلٹ دیا۔ اس وقت رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کہ اس آنے والے لشکر سے جنگ کرنا

ہے یا نہیں ؟ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور بعض دوسرے حضراتؓ نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور نہ ہم اس قصد سے آئے ہیں اس پر حضرت صدیق اکبرؓ کھڑے ہوئے اور تعمیل حکم کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا پھر فاروق اعظمؓ کھڑے ہوئے اور اسی طرح تعمیل حکم اور جہاد کے لئے طیار ہونے کا اظہار کیا پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ

> یا رسول اللہ جو کچھ آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ملا ہے آپ اس کو جاری کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں بخدا ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ یعنی جایئے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں ملک حبشہ کے مقام برک الغماد تک بھی لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جنگ کے لئے چلیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ان کو دعائیں دیں۔ مگر ابھی تک حضرات انصارؓ کی طرف سے موافقت میں کوئی آواز نہ اٹھی تھی۔ اور یہ احتمال تھا کہ حضرات انصارؓ نے جو معاہدہ نصرت وامداد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا وہ اندرون مدینہ کا تھا۔ مدینہ سے باہر امداد کرنے کے وہ پابند نہیں۔ اس لئے آپ نے پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو مجھے مشورہ دو کہ اس جہاد پر اقدام کریں یا نہیں ؟ اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ سمجھ گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں سعد بن معاذؓ نے عرض کیا :

یارسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور اس کی شہادت دی کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں سب حق ہے اور ہم نے آپ سے عہدو پیان کئے ہیں کہ ہر حال میں آپ کی اطاعت کریں گے اس لئے آپ کو جو کچھ اللہ تعالی کا حکم ملا ہو اس کو جاری فرمائیے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ دریا میں گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا ہمیں اس میں کوئی گرانی نہیں کہ آپ کل ہی ہمیں دشمن سے بھڑادیں۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالی آپ کو ہمارے کام سے ایسے حالات کا مشاہدہ کرائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی ہمیں اللہ کے نام پر جہاں چاہیں لے چلئے۔

رسول اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور قافلہ کو حکم دے دیا کہ اللہ کے نام پر چلو اور یہ خوش خبری سنائی کہ مجھ سے اللہ تعالی نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر ہمارا غلبہ ہوگا دونوں جماعتوں سے مراد ایک ابوسفیان کا تجارتی قافلہ اور دوسرا یہ مکہ سے آنے والا لشکر ہے پھر فرمایا کہ خدا کی قسم میں گویا اپنی آنکھوں سے مشرکین کی قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں یہ پورا واقعہ تفسیر ابن کثیر اور مظہری سے لیا گیا ہے۔

واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد ان آیات مذکور الصدر کو دیکھئے پہلی آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا وَ اِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِهُوۡنَ۔ یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہاد کو بھاری سمجھ رہی تھی اس سے اشارہ اس حال کی طرف ہے جو صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے وقت بعض صحابہ کرام کی طرف سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے جہاد سے

پست ہمتی کا اظہار کیا۔

اور اسی واقعہ کا بیان دوسری آیت میں ہے يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ آپ سے حق کے معاملہ میں مجادلہ اور اختلاف کرتے ہیں گویا ان کو موت کی طرف کھینچا جا رہا ہے جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

صحابہ کرام نے اگرچہ کوئی عدول حکمی نہ کی تھی بلکہ مشورہ کے جواب میں اپنے ضعف اور پست ہمتی کا اظہار کیا تھا مگر رسولوں کے ساتھیوں سے ایسے رائے کا اظہار بھی ان کے مقام بلند کے اعتبار سے اللہ تعالی کے نزدیک ناپسند تھا اس لئے ناراضی کے الفاظ سے اس کو بیان فرمایا ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ اس آیت پانچ اور چھ میں پہلی وجہ بیان فرمائی گئی ہے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے تمہارا نہیں کہ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے حکم سے جہاد کے لئے نکلے اور ان کی حسن تدبیر سے یہ جہاد ہوا اور فتح نصیب ہوئی ورنہ تم لوگ تو جہاد کو پسند نہیں کرتے تھے۔

مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہونے کی دوسری اور تیسری وجہ :

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ o اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ o وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ

تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کردے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی تاکہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کرے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گنہگار۔ جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں مدد کو بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنے والے اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوش خبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ زور آور حکمت والا۔

تفسیر: آیات مذکورہ میں غزوہ بدر کا واقعہ اور اس میں جو حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت وامداد کے مخصوص انعامات مسلمانوں پر مبذول ہوئے ان کا بیان ہے۔

پہلی اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ قریشیوں کا ایک عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکل چکا ہے تو اب مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں ایک تجارتی قافلہ جس کو روایات میں عیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسری یہ مسلح فوج جو مکہ سے چلی تھی جس کو نفیر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اس آیت میں یہ بتلایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بواسطہ آپ کے سب مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر تمہارا مکمل قبضہ ہو جائے گا کہ اس کے متعلق جو تم چاہو گے کر سکو گے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ تجارتی قافلہ پر قبضہ آسان اور بے خطر تھا اور مسلح فوج پر مشکل اور خطرات سے پر۔ اس لئے اس مبہم وعدہ کو سن کر بہت سے صحابہ کرام کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ وہ جماعت جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ہوا ہے وہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہو جائے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے اکابر صحابہ کا باشارات ربانی یہ ارادہ ہوا کہ مسلح فوج پر قبضہ ہو تو بہتر ہوگا۔

اس آیت میں غیر مسلح جماعت پر قبضہ چاہنے والے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تمہیں تو اپنی سہولت پسندی اور خطرات سے یکسوئی کے پیش نظر یہی پسند تھا کہ غیر مسلح تجارتی قافلہ پر تمہارا قبضہ ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اسلام کا اصل مقصد حاصل ہو یعنی حق کا حق ہونا واضح ہو جائے اور کافروں کی جڑ کٹ جائے اور ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ مسلح فوج سے مقابلہ اور اس پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ اور غلبہ ہو۔

خلاصہ اس کا مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ تم نے جو صورت پسند کی وہ نہایت پست ہمتی اور آرام طلبی اور وقتی اور ہنگامی فائدہ کی چیز تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا وہ عالی ہمتی اور بلند مقاصد اور مکمل اور دائمی فوائد پر مشتمل تھا پھر دوسری آیت میں اس کو مزید واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے تو کوئی چیز باہر نہ تھی اگر وہ چاہتے تو تجارت قافلہ پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہو جاتا مگر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی شان کے شایان اس کو سمجھا کہ مسلح فوج سے مقابلہ ہو کر اس پر قبضہ ہو تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جائے۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ حق تعالیٰ تو علیم خبیر اور ہر کام کے آغاز وانجام سے باخبر ہیں ان کی طرف سے اس مبہم وعدہ میں کیا مصلحت تھی کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہوگا وہ ان میں سے کسی ایک کو متعین کر کے بھی فرما سکتے تھے کہ فلاں جماعت پر قبضہ ہو جائے گا۔

اس ابہام کی وجہ واللہ اعلم یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں صحابہ کرام کا امتحان

کرنا تھا کہ آسان کام کو پسند کرتے ہیں یا مشکل کو اور ان کی اخلاقی تربیت بھی تھی جس کے ذریعہ ان کو عالی ہمتی اور اعلیٰ مقاصد کی جدوجہد اور خطرات سے نہ گھبرانا سکھایا گیا۔

تیسری اور چوتھی آیتوں میں اس واقعہ کا بیان ہے جو مسلح فوج سے مقابلہ ٹھن جانے کے بعد پیش آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے رفقاء صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں اور مقابلہ پر تقریباً ایک ہزار جوانوں کا مسلح لشکر ہے تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں نصرت وامداد کی دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے آپ دعاء مانگتے تھے اور صحابہ کرام آپ کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے یہ کلمات نقل فرمائے ہیں۔

یا اللہ مجھ سے جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرمادے یا اللہ اگر یہ تھوڑی سی جماعت مسلمین فنا ہو گئی تو پھر زمین میں کوئی تیری عبادت کرنے والا باقی نہ رہے گا (کیونکہ ساری زمین کفر و شرک سے بھری ہوئی ہے یہی چند مسلمان ہیں جو صحیح عبادت بجالاتے ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر اسی طرح الحاح وزاری کے ساتھ دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کے شانوں سے چادر بھی سرک گئی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آگے بڑھ کر چادر اوڑھائی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ زیادہ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

آیت میں اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ کے الفاظ سے یہی مراد واقعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب تم اپنے رب سے استغاثہ کر رہے تھے اور مدد طلب کر رہے تھے۔ یہ استغاثہ اگرچہ دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا تھا مگر تمام صحابہ آمین کہہ رہے تھے اس لئے پوری جماعت کی طرف

منسوب کیا گیا۔

اس کے بعد اس دعاء کی قبولیت کا بیان اس طرح فرمایا فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ مُرْدِفِينَ۔ یعنی اللہ تعالی نے تمہاری فریاد سن لی اور فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کروں گا جو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں آنے والے ہوں گے۔

فرشتوں کو اللہ تعالی نے جو بے نظیر قوت و طاقت عطا فرمائی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو قوم لوط علیہ السلام کی زمین کا تختہ الٹنے کے وقت پیش آیا کہ جبریل امین نے ایک پر کے ذریعہ یہ تختہ الٹ دیا۔ ایسی بے مثال طاقت والے فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد مقابلہ میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی ایک بھی کافی تھا۔ مگر اللہ تعالی اپنے بندوں کی فطرت سے واقف ہیں کہ وہ تعداد سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس لئے مقابل فریق کی تعداد کے مطابق فرشتوں کی تعداد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کے قلوب پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔

چوتھی آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد فرمایا وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوبُكُمْ یعنی اللہ تعالی نے یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہیں بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔

غزوہ بدر میں جو اللہ تعالی کے فرشتے امداد کے لئے بھیجے گئے ان کی تعداد اس جگہ ایک ہزار مذکور ہے اور سورہ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے۔ اس کا سبب دراصل تین مختلف وعدے ہیں جو مختلف حالات میں کئے گئے ہیں۔ پہلا وعدہ ایک ہزار فرشتوں کا ہوا جس کا سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی۔ دوسرا وعدہ جو تین ہزار فرشتوں کا سورہ آل عمران میں پہلے

مذکور ہے وہ اس وقت کیا گیا جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ قریشی لشکر کے لئے اور کمک آرہی ہے۔ روح المعانی میں ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر وغیرہ سے بروایت شعبی منقول ہے کہ مسلمانوں کو بدر کے دن یہ خبر پہنچی کے کرزبن جابر محاربی مشرکین کی امداد کے لئے کمک لے کر آرہا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا اس پر آل عمران کی آیت اَلَنْ یَکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ نازل ہوئی جس میں تین ہزار فرشتے امداد کے لئے آسمان سے نازل کرنے کا وعدہ ذکر کیا گیا۔

اور تیسرا وعدہ پانچ ہزار کا اس شرط کی ساتھ مشروط تھا کہ اگر فریق مخالف نے یکبارگی حملہ کردیا تو پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیج دی جائے گی۔ وہ آل عمران کی آیت مذکورہ کے بعد کی آیت میں اس طرح مذکور ہے بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ۔ یعنی اگر تم ثابت قدم رہے اور تقوی پر قائم رہے اور مقابل لشکر یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑا تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو خاص نشان یعنی خاص وردی میں ہوں گے۔

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس وعدہ میں تین شرطیں تھیں ایک ثابت قدمی دوسرے تقوی تیسرے مخالف فریق کا یکبارگی حملہ۔ پہلی دو شرطیں تو صحابہ کرامؓ میں موجود تھیں اور اس میدان میں اول سے آخر تک ان میں کہیں فرق نہیں آیا مگر تیسری شرط یکبارگی حلہ کی واقعہ نہیں ہوئی اس لئے پانچ ہزار ملائکہ کے لشکر کی نوبت نہیں آئی۔

اس لئے معاملہ ایک ہزار اور تین ہزار میں دائر رہا جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تین ہزار سے مراد یہ ہو کہ ایک ہزار جو پہلے بھیجے گئے ان کے ساتھ مزید دو ہزار

شامل کر کے تین ہزار کر دیئے گئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تین ہزار اس سے پہلے ہزار کے علاوہ ہوں۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ان تین آیتوں میں ملائکہ کی تین جماعتوں کے بھیجنے کا وعدہ ہے اور ہر جماعت کے ساتھ ایک خاص صفت کا ذکر ہے۔ سورہ انفال کی آیت جس میں ایک ہزار کا وعدہ ہے اس میں توان ملائکہ کی صفت میں مُرْدِفِیْنَ فرمایا ہے جس کے معنی ہیں پیچھے لگانے والے اس میں شاید اس طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا گیا کہ ان فرشتوں کے پیچھے دوسرے بھی آنے والے ہیں اور سورہ آل عمران کی پہلی آیت میں ملائکہ کی صفت مُنْزَلِیْنَ ارشاد فرمائی یعنی یہ فرشتے آسمان سے اتارے جائیں گے اس میں اشارہ خاص اہمیت کی طرف ہے کہ زمین میں جو فرشتے پہلے سے موجود ہیں ان سے کام لینے کے بجائے خاص اہتمام کے ساتھ یہ فرشتے آسمان سے اسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے اور آل عمران کی دوسری آیت جس میں پانچ ہزار کا ذکر ہے اس میں ملائکہ کی صفت مُسَوِّمین ارشاد فرمائی ہے کہ وہ ایک خاص لباس اور علامت کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ روایات حدیث میں ہے کہ بدر میں نازل ہونے والے فرشتوں کے عمامے سفید اور غزوہ حنین میں مدد کے لئے آنے والے فرشتوں کے عمامے سرخ تھے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللهِ اِنَّ اللهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمادی کہ جو مدد بھی کہیں سے ملتی ہے خواہ ظاہری صورت سے ہو یا مخفی انداز سے سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اسی کے قبضہ میں ہے فرشتوں کی مدد بھی اسی کے تابع فرمان ہے اس لئے تمہاری نظر فطرت اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کی طرف رہنی چاہئے کیونکہ وہ بڑا قدرت والا حکمت والا ہے پس خلاصہ یہ

نکلا کہ آیت سات اور آٹھ میں دوسری وجہ بیان فرمائی ہے کہ مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا تھا کہ اس جنگ میں کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا ہوں تو اللہ نے ان کو شکست دی اور آیت نو میں مال غنیمت اللہ رسول کا ہونے کی دوسری وجہ بتائی ہے کہ تم نے فتح دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے وہ قبول فرمائی۔

چوتھی اور پانچویں وجہ کہ مال غنیمت اللہ اور رسول کا ہے

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ٥ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ٥ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ٥

جس وقت کہ ڈال دی اس نے تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کردے اور دور کردے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کردے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدم جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت رکھو مسلمانوں کے میں ڈال دوں گا دل میں کافروں کے دہشت سو مارو گردنوں پر اور کاٹو ان کی پور پور۔ یہ اس واسطے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور جو کوئی

مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے ہے عذاب دوزخ کا۔

تفسیر: شروع سورہ انفال سے اللہ تعالی کے ان انعامات کا بیان ہو رہا ہے جو اس کے فرمانبردار بندوں پر مبذول ہوئے۔ غزوہ بدر کے واقعات بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ غزوہ بدر میں جو انعامات حق تعالی کی طرف سے عطا ہوئے ان میں سے پہلا انعام تو خود اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے جس کا بیان آیت اِذْ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ میں ہوا ہے دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے جس کا ذکر آیت اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ میں آیا ہے۔ تیسرا انعام دعا کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے جس کا ذکر آیت اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ میں ہوا ہے۔ مذکور الصدر آیات میں سے پہلی آیت میں چوتھے انعام کا تذکرہ ہے جس میں مسلمانوں کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک سب پر نیند غالب آکر پریشانی اور تکان کا دور ہو جانا دوسرے بارش کے ذریعہ ان کے لئے پانی مہیا فرمانا اور میدان جنگ کو ان کے لئے ہموار اور دشمن کے لئے دلدل بنا دینا۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جس وقت کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ ٹھن گیا تو کفار مکہ کا لشکر پہلے پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا تھا جو اونچائی پر تھا۔ پانی اس کے قریب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وادی کے نچلے حصہ میں جگہ ملی۔ قرآن کریم نے اس میدان جنگ کا نقشہ اسی سورت کی بیالیسویں آیت میں اس طرح کھینچا ہے اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى جس کا مفصل بیان بعد میں آئے گا۔

جس جگہ پہنچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول قیام فرمایا اس مقام کے واقف کار حضرت حباب بن منذرؓ نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر

کھڑے تھے۔

معرکہ کی پہلی رات تھی تین سو تیرہ بے سامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنی تعداد یعنی ایک ہزار مسلح فوج سے تھا۔ میدان جنگ کا بھی اچھا مقام ان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ نچلا حصہ وہ بھی سخت ریتلا جس میں چلنا دشوار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ طبعی پریشانی اور فکر سب کو تھی بعض لوگوں کے دل میں شیطان نے یہ وساوس بھی ڈالنے شروع کئے کہ تم لوگ اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو اور اس وقت بھی بجائے آرام کرنے کے نماز تہجد وغیرہ میں مشغول ہو مگر حال یہ ہے کہ دشمن ہر حیثیت سے تم پر غالب اور تم سے بڑھا ہوا ہے ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک خاص قسم کی نیند مسلط فرمادی جس نے ہر مسلمان کو خواہ اس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں جبراً سلادیا۔

حافظ حدیث ابو یعلی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سو نہ گیا ہو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔

اور ابن کثیرؒ نے بحوالہ صحیح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں جب کہ اپنے عریش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آگئی۔ مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا اے ابو بکر خوشخبری سنو یہ جبرئیل علیہ السلام ٹیلہ کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر آپ سائبان سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ. یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے۔ یہ فلاں کی یہ فلاں کی۔ اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے۔ (تفسیر مظہری)

عرض کیا کہ یارسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ تعالی کے حکم سے ہے جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم خداوندی نہیں اس میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے تب حضرت حباب بن منذرؓ نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اس پر قبضہ کیا جائے وہاں ہمیں پانی افراط کے ساتھ مل جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ قبول فرمایااور وہاں جاکر پانی پر قبضہ کیا۔ ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا۔

اس سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کے لئے ایک سایہ بان کسی محفوظ جگہ میں بنادیں جہاں آپ مقیم رہیں اور آپ کی سواریاں بھی آپ کے پاس رہیں۔

منشاء اس کا یہ ہے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں جہاد کریں گے اگر اللہ تعالی نے ہمیں فتح نصیب فرمائی تو یہی مقصد ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی دوسری صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر ان صحابہ کرام کے ساتھ جاملیں جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے ہیں کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جانثاری اور آپ سے محبت میں ہم سے کم نہیں اور اگر ان کو آپ کے نکلنے کے وقت یہ خیال ہوتا کہ آپ کا اس مسلح لشکر سے مقابلہ ہوگا تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا آپ مدینہ میں پہنچ جائیں گے تو وہ آپ کے رفیق کار رہیں گے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس جانبازانہ پیش کش پر دعائیں دیں اور ایک مختصر سا سایہ بان آپ کے لئے بنادیا گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی نہ تھا حضرت معاذؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے تلوار لئے

کھڑے تھے۔

معرکہ کی پہلی رات تھی تین سو تیرہ بے سامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنی تعداد یعنی ایک ہزار مسلح فوج سے تھا۔ میدان جنگ کا بھی اچھا مقام ان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ نچلا حصہ وہ بھی سخت ریتلا جس میں چلنا دشوار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ طبعی پریشانی اور فکر سب کو تھی بعض لوگوں کے دل میں شیطان نے یہ وساوس بھی ڈالنے شروع کئے کہ تم لوگ اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو اور اس وقت بھی بجائے آرام کرنے کے نماز تہجد وغیرہ میں مشغول ہو مگر حال یہ ہے کہ دشمن ہر حیثیت سے تم پر غالب اور تم سے بڑھا ہوا ہے ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک خاص قسم کی نیند مسلط فرمادی جس نے ہر مسلمان کو خواہ اس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں جبراً سلادیا۔

حافظ حدیث ابو یعلی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سو نہ گیا ہو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔

اور ابن کثیرؒ نے بحوالہ صحیح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں جب کہ اپنے عریش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آگئی۔ مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا اے ابوبکر خوشخبری سنو یہ جبرئیل علیہ السلام ٹیلہ کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر آپ سائبان سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابوجہل کی قتل گاہ ہے۔ یہ فلاں کی یہ فلاں کی۔ اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے۔ (تفسیر مظہری)

سفیان ثوریؒ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن واطمینان کی نشانی ہوتی ہے اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے (ابن کثیر)

دوسری نعمت مسلمانوں کو اس رات میں یہ ملی کہ بارش ہوگئی جس نے میدان جنگ کا نقشہ بالکل پلٹ دیا قریشی لشکر نے جس جگہ پر قبضہ کیا تھا وہاں تو بارش بہت تیز آئی اور میدان میں دلدل ہوکر چلنا مشکل ہوگیا اور جس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مقیم تھے یہاں ریت کی وجہ سے چلنا مشکل تھا یہاں بارش ہلکی ہوئی جس نے تمام ریتے کو جما کر میدان کو نہایت ہموار خوشگوار بنادیا۔

آیت مذکورہ میں انہیں دو نعمتوں کا ذکر ہے نیند اور بارش جس نے میدان کار زار کا نقشہ پلٹ کروہ شیطانی وساوس دھوڈالے جو بعض کمزور لوگوں کو ستا رہے تھے کہ ہم حق پر ہونے کے باوجود مقہور و مغلوب نظر آتے ہیں اور دشمن باطل ہونے کے باوجود قوت وشوکت اور اطمینان کی حالت میں ہے۔

آیت مذکورہ میں فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کررہا تھا چین دینے کے لئے اور تم پر پانی برسارہا تھا تاکہ اس پانی سے تم کو پاک کردے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کردے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور تمہارے پاؤں جمادے۔

دوسری آیت میں پانچویں انعام کا ذکر ہے جو اس غزوہ بدر کے میدان کارزار میں مسلمانوں پر مبذول ہوا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجے تھے ان کو خطاب کرکے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم کفار کی گردنوں پر حربہ

مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کیے گئے ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آکر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتال میں حصہ لیں اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتال میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیئے مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بھی بڑھائی اور قتال میں بھی حصہ لیا اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر درمنثور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتال ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔

تیسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس معرکہ کفر و اسلام میں جو کچھ ہوا اس کا سبب یہ تھا کہ ان کفار نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور جو اللہ و رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب شدید اور سخت ہوا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غزوہ بدر میں ایک طرف تو مسلمانوں پر انعامات نازل ہوئے، فتح و نصرت ان کو حاصل ہوئی دوسری طرف کفار پر مسلمانوں کے ہاتھوں سے عذاب نازل فرما کر ان کی بدکرداریوں کی تھوڑی سی سزا دے دی گئی اور اس سے زیادہ بھاری سزا آخرت میں ہونے والی ہے جس کو چوتھی آیت میں بیان فرمایا ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ.

یعنی یہ ہمارا تھوڑا سا عذاب ہے اس کو چکھو اور سمجھ لو کہ اس کے بعد کافروں کے لئے جہنم کا عذاب آنے والا ہے جو نہایت شدید و مدید اور ناقابل قیاس ہے۔ پس

خلاصہ یہ نکلا کہ آیت گیارہ میں چوتھی وجہ بیان فرمائی ہے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تمہارا نہیں ہے کیونکہ اس نے غزوہ میں تم پر نیند اتاری اور تم پر بارش نازل فرمائی اور اس نے تمہارے قدم مضبوط کئے اور آیت بارہ میں پانچویں وجہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتوں کو حکم دیا انہوں نے کافروں کی گردنیں اڑائیں۔

دفعہ اول صف جہاد میں استقامت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے ایمان والو جب بھڑو تو کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ۔ اور جو کوئی ان سے پھیرے پیٹھ اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا جاملتا ہو فوج میں سو وہ پھرا اللہ کا غضب لے کر اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان، بیشک اللہ ہے سننے

والا جاننے والا یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست کر دے گا تدبیر کافروں کی اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ، اور اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر یہی کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے اور کچھ کام نہ آئے گا تمہارے تمہارا جتھا اگرچہ بہت ہوں اور جان لو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر : آیات مذکورہ میں سے پہلی دو آیتوں میں اسلام کا ایک جنگی قانون بتلایا گیا ہے پہلی آیت میں لفظ زحف سے مراد دونوں لشکروں کا مقابلہ اور اختلاط ہے معنی یہ ہیں کہ ایسی جنگ چھڑ جانے کے بعد پشت پھیرنا اور میدان سے بھاگنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

دوسری آیت میں اس حکم سے ایک استثناء کا ذکر اور ناجائز طور پر بھاگنے والوں کے عذاب شدید کا بیان ہے۔

استثناء دو حالتوں کا ہے اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ یعنی جنگ کے وقت پشت پھیرنا صرف دو حالتوں میں جائز ہے ایک تو یہ کہ میدان سے پشت پھیرنا محض ایک جنگی چال کے طور پر دشمن کو دکھلانے کے لئے ہو حقیقۃً میدان سے ہٹنا مقصد نہ ہو بلکہ مخالف کو ایک غفلت میں ڈال کر یکبارگی حملہ پیش نظر ہو۔ یہ معنی ہیں اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ کے کیونکہ تحرّف کے معنی کسی ایک جانب مائل ہونے کے آتے ہیں۔(روح المعانی)

دوسری استثنائی حالت جس میں میدان سے پشت پھیرنے کی اجازت ہے یہ ہے کہ اپنے موجودہ لشکر کی کمزوری کا احساس کر کے اس لئے پیچھے ہٹیں کہ مجاہدین کی مزید کمک حاصل کر کے پھر حملہ آور ہوں اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ کے یہی معنی ہیں

کیونکہ تَحَیُّز کے لفظی معنی انضمام اور ملنے کے ہیں اور فِئة کے معنی جماعت کے مطلب یہ ہے کہ اپنی جماعت سے مل کر قوت حاصل کرنے اور پھر حملہ کرنے کی نیت سے میدان چھوڑے تو یہ جائز ہے۔

یہ استثناء ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کی سزا کا ذکر ہے جنہوں نے استثنائی حالات کے بغیر ناجائز طور پر میدان چھوڑا یا پشت موڑی۔ ارشاد ہے فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللہِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ یعنی میدان سے بھاگنے والے اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ حکم معلوم ہوا کہ فریق مقابل کتنی ہی زیادہ تعداد اور قوت و شوکت میں ہو مسلمانوں کو ان کے مقابلہ سے پشت پھیرنا حرام ہے بجز دو استثنائی صورتوں کے یہ کہ پشت پھیرنا بھاگنے کے لئے نہ ہو بلکہ یا تو پینترا بدلنے کے طور پر ہو اور یا کمک حاصل کر کے دوبارہ حملہ کرنے کے قصد سے ہو۔

غزوہ بدر میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس وقت یہی حکم عام تھا کہ خواہ کتنی ہی بڑی تعداد سے مقابلہ ہو جائے اور اپنی تعداد سے ان کی کوئی نسبت نہ ہو پھر بھی پشت پھیرنا اور میدان چھوڑنا جائز نہیں۔ میدان بدر میں یہی صورت تھی کہ تین سو تیرہ کا مقابلہ تگنی تعداد یعنی ایک ہزار سے ہو رہا تھا بعد میں تخفیف کے احکام سورہ انفال کی آیت (۶۵) اور (۶۶) میں نازل ہوئے آیت (۶۵) میں بیس مسلمانوں کو دو سو کافروں کے اور سو مسلمانوں کو ایک ہزار کافروں کے مقابلہ میں جہاد کرنے کا حکم ہے اور آیت (۶۶) میں مزید تخفیف کا یہ قانون نازل ہو گیا۔ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللہُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ الآیۃ۔ یعنی اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی اور تمہارے ضعف کے پیش نظر یہ قانون جاری کر دیا

کہ اگر مسلمان سو آدمی ثابت قدم ہوں تو دو سو کفار پر غالب آسکیں گے۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ اپنے سے دوگنی تعداد تک تو مسلمانوں ہی کے غالب رہنے کی توقع ہے۔ اس لئے پشت پھیرنا جائز نہیں ہاں فریق مخالفت کی تعداد دوگنی سے بھی زیادہ ہو جائے تو ایسی حالت میں میدان چھوڑ دینا جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص اکیلا تین آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگا نہیں ہاں جو دو آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ (روح البیان) اب یہی حکم قیامت تک باقی ہے۔ جمہور امت اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حکم شرعی یہی ہے کہ جب تک فریق مخالف کی تعداد دوگنی سے زائد نہ ہو اس وقت تک میدان جنگ سے بھاگنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

صحیحین میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے سات کاموں کو انسان کے لئے مہلک فرمایا ان میں میدان جنگ سے بھاگنا بھی شمار فرمایا اور غزوہ حنین کے واقعہ میں صحابہ کرام کی ابتدائی پسپائی قرآن کریم نے ایک شیطانی لغزش قرار دیا جو اس کے گناہ عظیم ہونے کی دلیل ہے ارشاد فرمایا اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ۔

اور ترمذی، ابوداؤد کی ایک روایت میں جو قصہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا منقول ہے کہ ایک مرتبہ جنگ سے بھاگ کر انہوں نے مدینہ میں پناہ لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کیا کہ ہم میدان جنگ سے بھاگنے والے مجرم ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے اظہار ناراضی کے ان کو تسلی دی اور فرمایا بل انتم العکارون و انا فئتکم یعنی تم بھاگنے والے نہیں بلکہ کمک حاصل کر کے دوبارہ حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارے لئے کمک ہوں اس میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ ان لوگوں کا بھاگ کر مدینہ میں پناہ لینا اس استثناء کے اندر داخل ہے جس میں کمک حاصل کرنے کے لئے میدان چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حق تعالیٰ کے خوف اور ہیبت وعظمت کا جو مقام خاص حاصل تھا اس کی بنا پر وہ اس ظاہری پسپائی سے بھی گھبرائے اور اپنے آپؓ کو مجرم کی حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

تیسری آیت میں غزوہ بدر کے بقیہ واقعہ کا بیان کرنے کی ساتھ مسلمانوں کو اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ غزوہ بدر کی معجزانہ فتح میں کثرت کے قلت سے اور قوت کے ضعف سے مغلوب ہو جانے کو اپنی سعی و عمل کا نتیجہ نہ سمجھو بلکہ اس ذات پاک کی طرف دیکھو جس کی نصرت وامداد نے یہ نقشہ جنگ پلٹ دیا۔

واقعہ جو اس آیت میں بیان ہوا اس کی تفصیل ابن جریر طبریؒ اور بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ نقل کی ہے کہ معرکہ بدر کے دن جب مکہ کے ایک ہزار جوانوں کا لشکر ٹیلہ کے پیچھے سے میدان میں آیا تو مسلمانوں کی قلت و ضعف اور اپنی کثرت و قوت پر فخر کرتا ہوا متکبرانہ انداز سے سامنے آیا اس وقت رسول اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی کہ یا اللہ یہ تیرے جھٹلانے والے قریش فخر و تکبر کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ آپ نے جو فتح کا وعدہ مجھ سے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرما (روح البیان) تو جبریل امین نازل ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ایک مٹھی خاک کی لے کر دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیں۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا اور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن زید نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ مٹی اور کنکروں کی مٹھی بھری ایک لشکر کے داہنے حصہ پر دوسری بائیں حصہ پر تیسری سامنے کی جانب پھینک

دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ایک یا تین مٹھی بھر کنکریوں کو قدرت نے معجزانہ انداز میں اس طرح پھیلادیا کہ مخالف لشکر کا کوئی آدمی باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں اور چہروں پر یہ دھول اور کنکریاں نہ پہنچی ہوں جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا فرشتے الگ ان کے ساتھ شریک قتال تھے۔ (مظہری۔ روح)

بالآخر کچھ لوگ مخالف فریق کے قتل ہو گئے کچھ گرفتار کر لئے گئے، باقی بھاگ گئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔

بالکل مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں یہ فتح عظیم مسلمانوں کو حاصل ہوئی میدان جنگ سے واپس آکر آپس میں گفتگوئیں شروع ہوئیں۔ صحابہ کرام اپنے اپنے کارنامے ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ جس میں ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ اپنی سعی و عمل پر ناز نہ کرو یہ جو کچھ ہوا وہ صرف تمہاری محنت و کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ خالص حق تعالی کی نصرت و امداد کا ثمرہ تھا جو دشمن تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ان کو در حقیقت تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالی نے قتل کیا ہے۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی یہ مٹھی کنکریوں کی جو آپ نے پھینکی وہ در حقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالی نے پھینکی ہے مطلب یہ ہے کہ پھینکنے کا یہ نتیجہ کہ لشکر دشمن کے ہر فرد کی آنکھوں میں پہنچ کر سب کو سراسیمہ کر دے یہ آپ کے پھینکنے کا اثر نہیں تھا بلکہ حق تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ صورت پیدا فرمائی ۔

مارمیت اذ رمیت گفت حق　　کار ما بر کارہا دارد سبق

غور کیا جائے تو مسلمانوں کے لئے جہاد کی فتح و کامیابی سے زیادہ قیمتی یہ ہدایت تھی جس نے ان کے ذہنوں کو اسباب سے پھیر کر مسبب الاسباب سے وابستہ کر دیا اور اس کے ذریعہ اس فخر و عجب کی خرابی سے بچالیا جس کے نشہ میں عموماً فاتح اقوام مبتلا ہو جایا کرتی ہیں اور اس کے بعد یہ بتلایا کہ فتح و شکست ہمارے حکم کے تابع ہیں اور ہماری فتح و نصرت ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اطاعت گزار ہوں وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا یعنی یہ فتح عظیم ہم نے اس لئے دی کہ مومنین کو ان کی محنت کا پورا صلہ دے دے۔ بلاء کے لفظی معنی امتحان کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا امتحان کبھی مصیبت و مشقت میں مبتلا کر کے ہوتا ہے اور کبھی راحت و دولت دے کر بلاء حسن اس امتحان کو کہا گیا ہے جو راحت و دولت اور فتح و نصرت دے کر لیا جاتا ہے کہ یہ لوگ اس کو ہمارا انعام سمجھ کر شکر گزار ہوتے ہیں یا اس کو اپنی ذاتی قابلیت کا اثر سمجھ کر فخر و ناز میں مبتلا ہو جاتے اور اپنے عمل کو برباد کر دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کے فخر و ناز کی کوئی گنجائش نہیں ہے بقول مولانا رومیؒ ۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

چوتھی آیت میں اس کے بالمقابل اس فتح کا ایک اور فائدہ بھی یہ بتلایا گیا کہ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ. یعنی یہ فتح و نصرت اس لئے بھی مسلمانوں کو دی گئی کہ اس کے ذریعہ کافروں کی تدبیروں کو ناکام اور ناکارہ بنادیا جائے جس سے وہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ نہیں اور کوئی تدبیر بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے کامیاب نہیں ہو سکتی۔

پانچویں آیت میں شکست خوردہ قریشی کفار کو خطاب اور ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو قریشی لشکر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر مکہ سے نکلنے کے وقت پیش آیا تھا۔

وہ یہ کہ جب قریشی کفار کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے طیار ہو گیا تو مکہ سے نکلنے سے پہلے لشکر کے سردار ابو جہل وغیرہ نے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دعائیں مانگی تھیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس دعاء میں انہوں نے اپنی فتح کی دعاء کرنے کے بجائے عام الفاظ میں اس طرح دعا مانگی۔

یا اللہ دونوں لشکروں میں سے جو اعلی و افضل ہے اور دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے اور دونوں پارٹیوں میں سے جو زیادہ کریم و شریف ہے اور دونوں میں سے جو دین افضل ہے اس کو فتح دیجئے۔ (مظہری)

یہ بے وقوف تو یوں سمجھ رہے تھے کہ بمقابلہ مسلمانوں کے ہم ہی اعلی و افضل اور زیادہ ہدایت پر ہیں اس لئے یہ دعا ہمارے حق میں ہے اور اس دعاء کے ذریعہ وہ یہ چاہتے تھے کہ خدا تعالی کی طرف سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے اور جب ہم فتح پائیں تو یہ گویا اللہ تعالی کی طرف سے ہمارے حق پر ہونے کا فیصلہ ہے۔

مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ اس دعاء میں در حقیقت وہ اپنے لئے بد دعا اور مسلمانوں کے لئے دعاء کر رہے ہیں۔ انجام جنگ سامنے آنے کے بعد قرآن کریم نے ان کو بتلایا اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ یعنی اگر تم خدائی فیصلہ چاہتے ہو تو وہ سامنے آچکا کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہو گئی وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور اگر تم اب بھی اپنے کفر و عناد سے باز آگئے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ اور اگر تم پھر اپنی شرارت اور جنگ کی طرف لوٹے تو ہم بھی مسلمانوں کی امداد کی طرف لوٹیں گے۔ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ یعنی تمہاری جماعت اور جتھا کتنا ہی زیادہ ہو اللہ تعالی کی نصرت کے مقابلہ میں تمہیں کچھ کام نہ دے گا وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ. یعنی کوئی جماعت تمہیں کیا کام دے سکتی ہے جب کہ قادر مطلق اللہ

تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ آیت پندرہ میں میدان جہاد میں مجاہدین کو جہاد کی پہلی دفعہ اور ضابطہ بتایا گیا ہے کہ صف جہاد سے پیچھے نہیں ہٹنا مگر دو صورتوں میں ایک لڑائی میں ہنر کے لئے یا فوج سے ملنے کے لئے ان دو صورتوں کے علاوہ جو پیچھے ہٹے گا وہ دوزخی ہوگا۔

دفعہ دوم میدان جہاد میں اللہ اور اس کے رسول کے مطیع رہو اور دفعہ سوم اس اطاعت کو زندگی سمجھو

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ o وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ o اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَاللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَo وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ o يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ.

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس سے مت پھرو سن کر اور ان جیسے مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں بیشک سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہی جو نہیں سمجھتے اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا اور اگر ان کو اب سنا دے تو ضرور بھاگیں منہ پھیر کر اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو اور یہ کہ اسی کے پاس تم جمع ہو گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَ مِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَ یُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللهِ وَ عَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَ اِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ (متفق علیہ۔ مشکوۃ)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام ڈھال ہے اس کے پیچھے ہو کر جنگ لڑی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ بچا جاتا ہے اگر وہ تقوی کا حکم دے اور انصاف کرے تو اس کو اس کے بدلے میں اجر ملے گا اور اگر اس کے خلاف کوئی کام کرے تو اس پر اس کا وبال ہو گا۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةٍ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِیْ مَعْرُوْفٍ متفق علیه. مشکوۃ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں اطاعت نیکی میں ہے۔

غزوہ بدر جس کا واقعہ پچھلی آیات میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے اس میں اہل اسلام اور انصار دونوں کے لئے عبرت اور حکمت کے بہت سے اسباق ہیں جن کی طرف فیصلہ کے درمیانی جملوں میں تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

مثلاً پچھلی آیات میں مشرکین مکہ کی شکست و ذلت کا واقعہ بیان فرمانے کے

بعد ارشاد فرمایا تھا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی ہر طرح کی قوت وسامان کے باوجو مشرکین مکہ کی شکست کا اصلی سبب اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت تھی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے ایک تازیانہ عبرت ہے جو زمین و آسمان کے خالق و مالک کی قدرت کاملہ اور غیبی قوت سے قطع نظر کر کے صرف مادی قوتوں پر بھروسہ کرتے ہیں یا اللہ تعالی کی نافرمانیوں کے باوجود اس کی امداد و نصرت کی غلط آرزوؤں سے اپنے نفس کو فریب دیتے ہیں۔

آیات مذکورہ میں اسی مسئلہ کا دوسرا رخ مسلمانوں کو خطاب کر کے بیان فرمایا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو باوجود قلت تعداد اور بے سامانی کے یہ فتح عظیم صرف اللہ جل شانہ کی نصرت وامداد سے حاصل ہوئی اور یہ نصرت وامداد نتیجہ ہے ان کی اطاعت حق کا۔ اس اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کرو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو پھر اسی مضمون کی مزید تاکید کے لئے فرمایا وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ. یعنی قرآن اور کلمہ حق سن لینے کے باوجود اطاعت سے روگردانی نہ کرو۔

سن لینے سے مراد حق بات کا سننا ہے اور سننے کے چار درجات ہیں ایک یہ کہ کوئی آواز صرف کانوں سے سن لی مگر نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی نہ سمجھا اور نہ اس پر اعتقاد و اعتماد کیا اور نہ عمل کیا دوسرے یہ کہ کانوں سے سنا بھی اور سمجھا بھی مگر نہ اس پر اعتقاد کیا نہ عمل تیسرے یہ کہ سنا بھی اور سمجھا بھی اور اعتقاد بھی کیا مگر عمل نہیں کیا چوتھے یہ کہ سنا بھی سمجھا بھی اور اعتماد بھی کیا اور عمل بھی۔

یہ ظاہر ہے کہ سننے کا اصل مقصد پوری طرح تو چوتھے درجہ ہی سے حاصل

ہوتا ہے جو مومنین کاملین کا مقام ہے اور ابتدائی تینوں درجوں میں سننا ناقص اور نامکمل ہے جس کو ایک حیثیت سے نہ سننا بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اگلی آیات میں آتا ہے اور تیسرا درجہ جس میں حق کا سننا، سمجھنا، اعتقاد کرنا تو موجود ہے مگر عمل نہیں اس میں اگرچہ سننے کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا مگر اعتقاد بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے وہ بھی بیکار نہیں یہ درجہ گناہگار مسلمانوں کا ہے اور دوسرا درجہ جس میں صرف سننا اور سمجھنا ہے نہ اعتقاد ہے نہ عمل یہ منافقین کا درجہ ہے کہ قرآن کو سنتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں اور ظاہر میں اعتقاد و عمل کا دعویٰ بھی ہے مگر حقیقت میں عقیدہ اور عمل سے خالی ہیں اور پہلا درجہ عام مشرکین و کفار کا ہے جنہوں نے کلمہ حق اور قرآن کی آیات کانوں سے تو سن لی مگر کبھی سمجھنے اور غور کرنے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

آیت مذکورہ میں مسلمانوں کو خطاب ہے کہ تم لوگ حق بات کو سن تو لیتے ہی ہو یعنی سننا، سمجھنا اعتقاد رکھنا تو تمہاری طرف سے موجود ہے مگر آگے اس پر عمل بھی پورا کرو اطاعت سے روگردانی نہ کرو تا کہ سننے کا اصل مقصد مکمل ہو جائے۔

دوسری آیت میں اسی مضمون کی مزید تاکید کے لئے ارشاد فرمایا وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ. یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے سن لیا مگر درحقیقت سنا سنایا کچھ نہیں ان لوگوں سے مراد عام کفار بھی ہیں جو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں اعتقاد کا نہیں کرتے اور منافقین بھی ہیں جو سننے کے ساتھ سمجھنے اور اعتقاد رکھنے کے بعد بھی مدعی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ غور و فکر اور صحیح سمجھ سے یہ دونوں محروم ہیں اس لئے ان کا سننا نہ سننے کے حکم میں ہے مسلمانوں کو ان لوگوں کے مشابہ ہونے سے منع فرمایا گیا۔

تیسری آیت میں ان لوگوں کی شدید مذمت ہے جو حق بات کو غور و تدبر کے

ساتھ نہیں سنتے اور اس کو قبول نہیں کرتے ایسے لوگوں کو قرآن کریم نے جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَاللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ.

لفظ دوابّ دابة کی جمع ہے اصل لغت کے اعتبار سے ہر زمین پر چلنے والے کو دابہ کہا جاتا ہے مگر عرف و محاورہ میں صرف چوپایہ جانوروں کو دابہ کہتے ہیں معنی آیت کے یہ ہوئے کہ سب سے بدترین چوپائے اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو حق کو سننے سے بہرے اور اس کے قبول کرنے سے گونگے ہیں اور بہرے گونگے میں اگر کچھ عقل ہو تو وہ بھی اشاروں سے اپنے دل کی بات کہہ لیتا ہے اور دوسروں کی بات سمجھ لیتا ہے یہ لوگ بہرے گونگے ہونے کے ساتھ بے عقل بھی ہیں اور یہ ظاہر ہے جو بہرا گونگا عقل سے بھی خالی ہو اس کے سمجھنے سمجھانے کا کوئی راستہ نہیں۔

اس آیت میں حق تعالی نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کو جو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا اور اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات بنایا گیا یہ سب انعامات صرف اطاعت حق میں مضمر اور منحصر ہیں جب انسان نے حق بات کے سننے سمجھنے اور ماننے سے اعراض کیا تو یہ سارے انعامات اس سے سلب ہو جاتے ہیں اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ انسان اپنی اصلی خلقت کے اعتبار سے سب جانوروں سے افضل و اعلی ہے اور فرشتوں سے کم درجہ رکھتا ہے لیکن جب وہ اپنے سعی و عمل اور طاعت حق میں جدوجہد کرتا ہے تو فرشتوں سے بھی اعلی و اشرف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے اطاعت حق سے روگردانی کی تو پھر وہ اسفل سافلین میں جاتا ہے اور جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

چوتھی آیت میں ارشاد ہے وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ ھُمْ مُّعْرِضُوْنَ. یعنی اگر اللہ تعالی ان میں کوئی بھلائی دیکھتے تو ان کو اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بخش دیتے اور اگر ان کو بحالت موجودہ کہ ان میں طلب حق نہیں ہے حق بات سنادیں تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔

بھلائی سے مراد اس جگہ طلب حق ہے کہ طلب ہی کے ذریعہ تدبر اور فہم کے دروازے کھلتے ہیں اور اسی سے اعتقاد و عمل کی توفیق ہوتی ہے اور جس میں طلب حق نہیں گویا اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ معنی یہ ہیں کہ اگر ان میں کوئی بھلائی موجود ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالی کے علم میں ہوتی جب اللہ تعالی کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں تو معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ ہر بھلائی سے محروم ہیں اور اس محرومی کی حالت میں اگر ان کو غور و تدبر اور اعتقاد حق کی دعوت دی جائے تو وہ ہرگز قبول نہ کریں گے بلکہ اس سے منہ پھیر کر بھاگیں گے یعنی ان کی یہ روگردانی اس بنا پر نہ ہوگی کہ دین میں ان کو اعتراض کی بات نظر آگئی اس لئے نہیں مانا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حق بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

اس تقریر سے وہ منطقی شبہ بھی رفع ہو گیا جو اہل علم کے دلوں میں کھٹکتا ہے کہ یہ قیاس کی شکل اول ہے حد اوسط حذف کریں تو نتیجہ غلط نکل رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں حداوسط مکرر نہیں کیونکہ پہلے لا سمعھم کا مفہوم الگ ہے دوسرے اسمعھم کا الگ۔ پہلے میں سماع قبول اور سماع نافع مراد ہے دوسرے میں خالی سماع۔

پانچویں آیت میں پھر اہل ایمان کو خطاب کر کے اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل واطاعت کا حکم ایک خاص انداز سے دیا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم تمہیں جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس میں اللہ اور رسول کا اپنا کوئی فائدہ مضمر نہیں بلکہ سب احکام تمہارے ہی فائدہ کے لئے دیئے گئے ہیں۔

ارشاد فرمایا اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ یعنی بات مانو اللہ کی اور رسول کی جب کہ رسول تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے۔

وہ حیات جس کا ذکر اس آیت میں ہے کیا ہے اس میں کئی احتمال ہیں اس لئے علماء تفسیر نے مختلف قول اختیار کئے ہیں۔ سدی نے کہا کہ وہ حیات بخش چیز ایمان ہے کیونکہ کافر مردہ ہے قتادہ نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے جس میں دنیا و آخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے۔ مجاہد نے فرمایا کہ وہ حق ہے۔ ابن اسحق نے فرمایا کہ مراد اس سے جہاد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت بخشی اور یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں اور مراد یہ ہے کہ ایمان یا قرآن یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو غفلت و شہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کرلے۔

ترمذی اور نسائی نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ابی بن کعبؓ کو بلایا۔ ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری پکارنے پر آنے میں دیر کیوں لگائی؟ ابن بن کعبؓ نے عرض کیا کہ میں نماز میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ۔ ابن بن کعبؓ نے عرض کیا کہ آئندہ اس کی اطاعت کروں گا۔ اگر بحالتِ نماز بھی آپ بلائیں گے فوراً حاضر

ہو جاؤں گا۔

اس حدیث کی بنا پر بعض فقہاء نے فرمایا کہ حکم رسول کی اطاعت سے نماز میں جو کام بھی کریں وہ نماز میں خلل نہیں ہوتا اور بعض نے فرمایا کہ اگرچہ خلاف نماز افعال سے نماز قطع ہو جائے گی اور اس کی بعد میں قضا کرنا پڑے گی لیکن کرنا یہی چاہئے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں اور وہ نماز میں بھی ہو تو نماز کو قطع کر کے تعمیل حکم کرے۔

یہ صورت تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے لیکن دوسرے ایسے کام جن میں تاخیر کرنے سے کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو اس وقت بھی نماز قطع کر دینا اور پھر قضا کر لینا چاہئے جیسے کوئی نمازی یہ دیکھے کہ نابینا آدمی کنویں یا گڑھے کے قریب پہنچ کر گرا چاہتا ہے تو فوراً نماز توڑ کر اس کو بچانا چاہئے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ۔ یعنی یہ بات سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ آڑے آجایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان۔ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور دونوں میں عظیم حکمت و موعظت پائی جاتی ہے جو ہر انسان کو ہر وقت یاد رکھنی چاہئے۔

ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ جب کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آئے تو اس کو فوراً کر گزرو۔ دیر نہ کرو اور اس فرصتِ وقت کو غنیمت سمجھو کیونکہ بعض اوقات آدمی کے ارادہ کے درمیان قضاء الٰہی حائل ہو جاتی ہے وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی بیماری پیش آجائے یا موت آجائے یا کوئی ایسا مشغلہ پیش آجائے کہ اس کام کی فرصت نہ ملے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ فرصتِ عمر اور فرصتِ وقت کو غنیمت سمجھ کر آج کا کام کل پر نہ ڈالے کیونکہ معلوم نہیں کل کیا ہونا

ہے ؎

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش   ای ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

اور دوسرا مطلب اس جملہ کا یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے نہایت قرب ہونا بتلایا گیا ہے جیسے دوسری آیت میں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ میں اللہ تعالیٰ کا انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہونے کا بیان ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کا قلب ہر وقت حق تعالیٰ کے خاص تصرف میں ہے جب وہ کسی بندے کی برائیوں سے حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے قلب اور گناہوں کے درمیان آڑ کر دیتے ہیں اور جب کسی کی بدبختی مقدر ہوتی ہے تو اس کے دل اور نیک کاموں کے درمیان آڑ کر دی جاتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔ یعنی اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت اور قائم رکھئے۔

حاصل اس کا بھی وہی ہے کہ اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل میں دیر نہ لگاؤ اور فرصت وقت کو غنیمت جانکر فوراً کر گزرو۔ معلوم نہیں کہ پھر دل میں نیکی کا یہ جذبہ اور امنگ باقی رہتی ہے یا نہیں۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ آیت بیس میں دفعہ دو کا بیان ہے کہ میدان جہاد میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع رہو اور آیات کے ذیل میں جو حدیثیں دی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر کمانڈر کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن شرط ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے تحت آرڈر دے ورنہ اس کی اطاعت نہیں اور آیت چوبیس میں تیسری دفعہ کا بیان ہے کہ اللہ رسول کی اطاعت کو زندگی سمجھو اور امیر کی اطاعت بھی اس میں شامل ہے۔

☆☆☆

دفعہ چہارم: اللہ سے ڈرو اور ادائے فرض میں خیانت نہ کرو

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ o وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ o يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ o

اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر، اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس کی امانتوں میں جان کر اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

تفسیر:

قرآن کریم نے غزوہ بدر کی کچھ تفصیلات اور اس میں مسلمانوں پر اپنے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اس سے حاصل شدہ نتائج اور پھر اس کے مناسب مسلمانوں کو کچھ پند و نصیحت کے ارشادات بیان فرمائے ہیں جن کا سلسلہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ سے شروع ہوا۔ اسی سلسلہ کی یہ آیات ہیں جو اوپر لکھی گئی ہیں۔

ان میں سے پہلی آیت میں ایسے گناہ سے بچنے کی خاص طور پر ہدایت کی گئی ہے جس کا عذاب شدید صرف گناہ کرنے والوں پر محدود نہیں رہتا بلکہ ناکردہ گناہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

وہ گناہ کون سا ہے اس میں علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گناہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے روکنے کی جدو جہد کا ترک کر دینا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ کسی جرم و گناہ کو اپنے ماحول میں قائم نہ رہنے دیں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا یعنی جرم و گناہ دیکھتے ہوئے باوجود قدرت کے اس کو منع نہ کیا تو اللہ تعالی ان سب پر اپنا عذاب عام کر دیں گے جس سے نہ گناہگار بچیں گے نہ بے گناہ۔

اور بے گناہ سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اصل گناہ میں ان کے ساتھ شریک نہیں مگر امر بالمعروف کے ترک کر دینے کے گناہگار وہ بھی ہیں اس لئے یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک کے گناہ کا عذاب دوسرے پر ڈالنا بے انصافی اور قرآنی فیصلہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے خلاف ہے کیونکہ یہ گناہگار اپنے اصل گناہ کے وبال میں اور بے گناہ ترک امر بالمعروف کے گناہ میں پکڑے گئے کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا گیا۔

امام بغویؒ نے شرح السنۃ اور معالم میں بروایت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ و صدیقہ عائشہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے جب تک کہ ایسی صورت پیدا نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ

ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اس کو روک سکیں اس کے باوجود انہوں نے اس کو روکا نہیں تو اس وقت اللہ تعالی کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔

اور ترمذیؒ ابوداؤدوغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالی ان سب پر اپنا عذاب عام کردیں۔

صحیح بخاری میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالی کی قانونی حدود توڑنے والے گناہگار ہیں اور جو لوگ ان کو دیکھ کر مداہنت کرنے والے ہیں یعنی باوجود قدرت کے ان کو گناہ سے نہیں روکتے ان دونوں طبقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بحری جہاز کے دو طبقے ہوں اور نیچے کے طبقہ والے اوپر آکر اپنی ضرورت کے لئے پانی لیتے ہوں جس سے اوپر والے تکلیف محسوس کریں۔ نیچے والے یہ دیکھ کر یہ صورت اختیار کریں کہ کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کر کے اس سے اپنے لئے پانی حاصل کریں اور اوپر کے لوگ ان کی اس حرکت کو دیکھیں اور منع نہ کریں تو ظاہر ہے کہ پانی پوری کشتی میں بھر جائے گا اور جب نیچے والے غرق ہوں گے تو اوپر والے بھی ڈوبنے سے نہ بچیں گے۔

ان روایات کی بنا پر بہت سے حضرات مفسرین نے یہ قرار دیا کہ اس آیت

میں فتنہ سے مراد یہی گناہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کر دینا ہے۔

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ اس گناہ سے مراد ترک جہاد کا گناہ ہے خصوصا اس وقت جبکہ امیر المومنین کی طرف سے جہاد کی دعوت عام مسلمانوں کو دے دی جائے اور اسلامی شعائر کی حفاظت اس پر موقوف ہو کیونکہ اس وقت ترک جہاد کا وبال صرف تارکین جہاد پر نہیں بلکہ پورے مسلمانوں پر پڑتا ہے۔ کفار کے غلبہ کے سبب عورتیں، بچے، بوڑھے اور بہت سے بے گناہ مسلمان قتل وغارت کا شکار ہو جاتے ہیں ان کے جان ومال خطرہ میں پڑ جاتے ہیں اس صورت میں عذاب سے مراد دنیوی مصائب اور تکلیفیں ہوں گی۔

اور قرینہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ پچھلی آیات میں بھی ترک جہاد کرنے والوں پر ملامت کی گئی ہے وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۔ وغیرہ آیات سابقہ اسی بیان میں آئی ہیں۔

اور غزوہ احد میں جبکہ چند مسلمانوں کو لغزش ہوئی کہ گھاٹی کی حفاظت چھوڑ کر نیچے آگئے تو اس کی مصیبت صرف غلطی کرنے والوں پر نہیں بلکہ پو ے مسلم لشکر پر پڑی یہاں تک کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ ... م آیا۔

دوسری آیت میں بھی احکام الہیہ کی اطاعت کو آسان کرنے اور ن پر ترغیب دینے کے لئے مسلمانوں کو ان کی پچھلی خستہ حالی اور ضعف وکمزوری پھر اس کے بعد اپنے فضل وانعام سے حالات بدل کر ان کو قوت اور اطمینان عطا فرمانے کا ذکر ہے ارشاد فرمایا۔

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ.

یعنی اے مسلمانو اپنے اس حال کو یاد کرو جو قبل ہجرت مکہ معظمہ میں تھا کہ تعداد میں بھی کم تھے اور قوت میں بھی ہر وقت یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ دشمن ان کو نوچ کھسوٹ لیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینہ میں بہترین ٹھکانا عطا فرمایا اور نہ صرف ٹھکانا بلکہ اپنی تائید و نصرت سے ان کو قوت اور دشمنوں پر فتح اور اموال عظیمہ عطا فرما دیئے۔ آخر آیت میں فرمایا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ یعنی تمہارے حالات کی اس کایا پلٹ اور انعامات الٰہیہ کا مقصد یہ ہے کہ تم شکر گزار بندے ہو اور ظاہر ہے کہ شکر گزاری اس کے احکام کی اطاعت میں منحصر ہے۔

تیسری آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں یا آپس میں بندوں کے حقوق میں خیانت نہ کریں کہ حق ادا ہی نہ کریں یا اس میں کوئی اور کوتاہی کر کے ادا کریں۔ آخر آیت میں وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فرما کر یہ بتلا دیا کہ تم تو خیانت کی برائی اور اس کے وبال کو جانتے ہی ہو پھر اس پر اقدام کرنا قرین دانشمندی نہیں اور چونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے غفلت و کوتاہی کا سبب عموماً انسان کے اموال و اولاد ہوا کرتے ہیں اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ یعنی یہ بات سمجھ رکھو کہ تمہارے مال و اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔

فتنہ کے معنی امتحان کے بھی آتے ہیں اور عذاب کے بھی اور ایسی چیزوں کو بھی فتنہ کہا جاتا ہے جو عذاب کا سبب بنیں۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں ان تینوں

معنی کے لئے لفظ استعمال ہوا ہے یہاں تینوں معنی گنجائش ہے۔ بعض اوقات مال واولاد خود بھی انسان کے لئے دنیا ہی میں وبال جان بن جاتے ہیں اور ان کے سبب غفلت و معصیت میں مبتلا ہو کر سبب عذاب بن جانا تو بالکل ظاہر ہے۔ اول یہ کہ مال واولاد کے ذریعہ تمہارا امتحان لینا مقصود ہے کہ یہ چیزیں ہمارے انعامات ہیں تم انعام لے کر شکر گزار اور اطاعت شعار بنتے ہو یا ناشکرے اور نافرمان۔ دوسرے اور تیسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مال اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ تعالی کو ناراض کیا تو یہی مال واولاد تمہارے لئے عذاب بن جائیں گے بعض اوقات تو دنیا ہی میں یہ چیزیں انسان کو سخت مصیبتوں میں مبتلا کر دیتی ہیں اور دنیا ہی میں مال واولاد کو وہ عذاب محسوس کرنے لگتے ہیں ورنہ یہ تو لازمی ہے کہ دنیا میں جو مال اللہ تعالی کے احکام کے خلاف کمایا گیا یا خرچ کیا گیا وہ مال ہی آخرت میں اس کے لئے سانپ بچھو اور آگ میں داغ دینے کا ذریعہ بن جائے گا جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اور بے شمار روایات حدیث میں اس کی تصریحات موجود ہیں اور تیسرے معنی یہ کہ یہ چیزیں سبب عذاب بن جائیں یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب یہ چیزیں اللہ تعالی سے غفلت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کا سبب بنیں تو عذاب کا سبب بن گئیں آخر آیت میں فرمایا وَاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ یعنی یہ بھی سمجھ لو کہ جو شخص اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل میں مال واولاد کی محبت سے مغلوب نہ ہو اس کے لئے اللہ تعالی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

اس آیت کا مضمون تو سب مسلمانوں کو عام اور شامل ہے مگر واقعہ اس کے نزول کا اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ابو لبابہؓ کا قصہ ہے جو غزوہ بنو قریظہ میں پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بنو قریظہ کے قلعہ کا اکیس روز تک محاصرہ جاری رکھا جس سے عاجز ہو کر انہوں نے وطن چھوڑ کر ملک شام چلے جانے کی

درخواست کی۔ آپ نے ان کی شرارتوں کے پیش نظر اس کو قبول نہیں فرمایابلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ صلح کی صرف یہ صورت ہے کہ سعد بن معاذؓ تمہارے بارہ میں جو کچھ فیصلہ کریں اس پر راضی ہو جاؤ۔ انہوں نے درخواست کی کہ سعد بن معاذؓ کے بجائے ابو لبابہؓ کو یہ کام سپرد کر دیا جائے کیونکہ حضرت ابو لبابہؓ کے اہل و عیال اور جائداد بنو قریظہ میں تھے۔ ان سے یہ خیال تھا کہ وہ ہمارے معاملہ میں رعایت کریں گے۔ آپ نے ان کی درخواست پر حضرت ابو لبابہ کو بھیج دیا۔ بنو قریظہ کے سب مرد وزن ان کے گرد جمع ہو کر رونے لگے اور یہ پوچھا کہ اگر ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اتر آئیں تو کیا ہمارے معاملہ میں وہ کچھ نرمی فرمائیں گے۔ ابو لبابہؓ کو معلوم تھا کہ ان کے معاملے میں نرمی برتنے کی رائے نہیں ہے انہوں نے کچھ ان لوگوں کی گریہ وزاری سے اور کچھ اپنے اہل و عیال کی محبت سے متاثر ہو کر اپنے گلے پر تلوار کی طرح ہاتھ پھیر کر اشارہ سے بتلادیا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ گویا اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کر دیا۔

مال واولاد کی محبت میں یہ کام کر تو گزرے۔ مگر فوراً متنبہ ہوا کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو اس درجہ ندامت سوار ہوئی کہ آپ کی خدمت میں لوٹنے کے بجائے سیدھے مسجد میں پہنچے اور مسجد کے ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہو گی اسی طرح بندھا رہوں گا، چاہے اسی حالت میں موت آجائے۔ چنانچہ سات روز مکمل اسی طرح بندھے کھڑے رہے۔ ان کی بیوی اور لڑکی نگہداشت کرتی تھیں۔ انسانی ضرورت کے وقت اور نماز کے وقت کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر باندھ دیتی تھیں کھانے پینے کے پاس نہ جاتے تھے یہاں تک کہ غشی طاری ہو جاتی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اول اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ اگر وہ اول ہی میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا اور توبہ قبول ہو جاتی اب جب کہ وہ یہ کام کر گزرے تواب قبولیت توبہ نازل ہونے کا انتظار ہی کرنا ہے۔

چنانچہ سات روز کے بعد آخر شب میں آپ پر یہ آیتیں ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے ان کو خوشخبری سنائی اور کھولنا چاہا مگر انہوں نے کہا کہ جب تک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہ کھولیں گے میں کھلنا پسند نہ کروں گا۔ چنانچہ جب آپ صبح کی نماز کے وقت مسجد میں تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔ آیت مذکورہ میں جو خیانت کرنے اور مال واولاد کی محبت سے مغلوب ہونے کی ممانعت کا ذکر آیا ہے اس کا اصل سبب یہ واقعہ ہے واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ نکلا کہ آیت ستائیس میں چوتھی دفعہ کا بیان ہے کہ میدان جہاد میں خیانت نہ کرو یعنی کہ چور نہ ہو۔

دفعہ پنجم میدان جہاد میں حصول فرقان کے لئے التزام تقوی۔ اور چھٹی اور ساتویں وجہ کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ

اللہ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ○

اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ اور دور کر دے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا اور اللہ کا فضل بڑا ہے اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم سن چکے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں اگلوں کے اور جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر برسا دے پتھر آسمان سے یا لا ہم پر کوئی عذاب دردناک اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا ان میں اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرے گا ان پر جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے۔

تفسیر:

پچھلی آیت میں اس کا ذکر تھا کہ انسان کے لئے مال اور اولاد ایک فتنہ یعنی آزمائش کی چیز ہے کیونکہ ان چیزوں کی محبت میں مغلوب ہو کر انسان عموماً خدا تعالیٰ اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے حالانکہ اس عظیم نعمت کا عقلی تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی وجہ سے اس کی طرف اور زیادہ جھکتا۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت اسی مضمون کی تکمیل ہے اس میں فرمایا ہے کہ جو شخص عقل کو طبیعت پر غالب رکھ کر اس آزمائش میں ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و محبت کو سب چیزوں پر مقدم رکھے جس کو قرآن و شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ کہا جاتا ہے تو اس کو اس کے صلہ میں تین چیزیں عطا ہوتی ہیں

فرقان، کفارہ سئیات، مغفرت۔

فرقان اور فرق دونوں مصدر ایک ہی معنی کے ہیں۔ محاورات میں فرقان اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو دو چیزوں میں واضح طور پر فرق اور فصل کر دے اسی لئے فیصلہ کو فرقان کہتے ہیں کیونکہ وہ حق اور ناحق میں فرق واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کو بھی فرقان کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ اہل حق کو فتح اور ان کے مخالفت کو شکست ہو کر حق و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے غزوہ بدر کو یوم الفرقان کے نام سے موسوم کیا ہے۔

اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کو فرقان عطا ہونے کا اکثر مفسرین صحابہ کے نزدیک یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ کوئی دشمن ان کو گزند نہیں پہنچا سکتا اور تمام مقاصد میں کامیابی ان کی رفیق ہوتی ہے۔

ہر کہ ترسید از حق و تقوے گزید ترسد از وے جن و انس وہر کہ باد

تفسیر مہائمی میں ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پچھلے واقعہ میں حضرت ابو لبابہؓ سے جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کی خاطر لغزش ہو گئی تھی وہ اس لئے بھی خطا تھی کہ اہل و عیال کی حفاظت کا بھی صحیح راستہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کو اپنا شعار بنایا جاتا تو سب مال و اولاد اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں آجاتے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ فرقان سے مراد اس آیت میں وہ عقل و بصیرت ہے جس کے ذریعہ حق و باطل کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا سہل ہو جائے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ایسی بصیرت اور فراست عطا فرما دیتے ہیں کہ ان کو اچھے برے میں فیصلہ کرنا آسان

ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز جو تقویٰ کے صلہ میں عطا ہوتی ہے وہ کفارۂ سئیات ہے یعنی جو خطائیں اور لغزشیں اس سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں ان کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے یعنی اس کو ایسے اعمال صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو اس کی سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں تیسری چیز جو تقویٰ کے صلہ میں ملتی ہے وہ آخرت کی مغفرت اور سب گناہوں، خطاؤں کی معافی ہے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایاوَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ یعنی اللہ تعالیٰ بڑے فضل واحسان والے ہیں اس میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ عمل کی جزاء تو عمل کے پیمانہ پر ہوتی ہے یہاں بھی تقویٰ کی جو جزاء خیر تین چیزوں میں مذکور ہے وہ تو جزاء اور بدلہ کے طور پر ہے مگر اللہ تعالیٰ بڑے فضل واحسان والے ہیں ان کی داد و دہش کسی پیمانہ کے ساتھ مقید نہیں اور ان کے احسان و انعام کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا اس لئے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے ان تین چیزوں کے علاوہ بھی بہت بڑی امیدیں رکھنا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت انتیس میں پانچویں دفعہ کا بیان ہے کہ میدان جہاد میں تقویٰ اختیار کرو۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص انعام واحسان کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بلکہ پوری دنیا پر ہوا ہے کہ قبل از ہجرت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے نرغہ میں تھے اور وہ آپ کے قید یا قتل کرنے کے مشورے کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملادیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بسلامت وعافیت مدینہ طیبہ پہنچادیا۔

جس کا واقعہ تفسیر ابن کثیر اور مظہری میں بروایت محمد بن اسحاق وامام احمد وابن

جریرؒ وغیرہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ سے آنے والے انصار کا مسلمان ہو جانا مکہ میں مشہور ہوا تو قریش مکہ کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ اب تک تو ان کا معاملہ صرف مکہ میں دائر تھا جہاں ہر طرح کی قوت ہمارے ہاتھ میں ہے اور اب جب کہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا اور بہت سے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو اب ان کا ایک مرکز مدینہ طیبہ قائم ہو گیا جہاں یہ ہر طرح کی قوت ہمارے خلاف جمع کر سکتے ہیں اور پھر ہم حملہ آور ہو سکتے ہیں اور ان کو یہ بھی احساس ہو گیا کہ اب تک تو کچھ صحابہ کرام ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے ہیں اب یہ بھی قوی امکان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی وہاں چلے جائیں اس لئے رؤسا مکہ نے مشورہ کے لئے دارالندوہ میں ایک خاص مجلس طلب کی دارالندوہ مسجد حرام کے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا جس کو ان لوگوں نے قومی مسائل میں مشورہ اور مجلس کرنے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور زمانہ اسلام میں اس کو مسجد حرام میں داخل کر لیا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ موجودہ باب الزیادات ہی وہ جگہ تھی جس کو دارالندوہ کہا جاتا تھا۔

حسب عادت اس مہم مشورہ کے لئے قریشی سرداروں کا اجتماع دارالندوہ میں ہوا جس میں ابو جہل۔ نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف۔ ابو سفیان وغیرہ قریش کے تمام نمایاں اشخاص شامل ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ کی تدبیریں زیر غور آئیں۔

ابھی مشورہ کی مجلس شروع ہی ہوئی تھی کہ ابلیس لعین ایک سن رسیدہ عربی شیخ کی صورت میں دارالندوہ کے دروازہ پر آکھڑا ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم کون ہو کیوں آئے ہو، بتلایا کہ میں نجد کا باشندہ ہوں مجھے معلوم ہوا کہ آپ لوگ ایک اہم مشورہ کر رہے ہیں تو قومی ہمدردی کے پیش نظر میں بھی حاضر ہو گیا کہ ممکن ہے کہ میں کوئی

مفید مشورہ دے سکوں۔

یہ سن کر اس کو اندر بلالیا گیا اور مشورہ شروع ہوا تو سہیلی کی روایت کے مطابق ابوالبختری ابن ہشام نے یہ مشورہ پیش کیا کہ ان کو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آہنی زنجیروں میں قید کر کے مکان کا دروازہ بند کر دیا جائے اور چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ معاذ اللہ وہ آپ اپنی موت مر جائیں یہ سن کر شیخ نجدی ابلیس لعین نے کہا کہ یہ رائے صحیح نہیں کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو معاملے چھپے گا نہیں بلکہ اس کی شہرت دور دور پہنچ جائے گی اور ان کے صحابہ اور رفقاء کے فدایانہ کارنامے تمہارے سامنے ہیں بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور اپنے قیدی کو تم سے چھڑا لیں۔ سب طرف سے آوازیں اٹھیں کہ شیخ نجدی کی بات صحیح ہے۔ اس کے بعد ابوالاسود نے یہ رائے پیش کی کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے یہ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں ہمارا شہر ان کے فساد سے مامون ہو جائے گا اور ہمیں کچھ جنگ و جدال بھی کرنا نہ پڑے گا۔

شیخ نجدی یہ سن کر پھر بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ کیسے شیریں کلام آدمی ہیں۔ لوگ ان کا کلام سن کر مفتون اور مسحور ہو جاتے ہیں اگر ان کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا تو بہت جلد وہ اپنی طاقتور جماعت بنالیں گے اور تم پر حملہ کر کے شکست دے دیں گے۔ اب ابو جہل بولا کہ جو کرنے کا کام ہے تم میں سے کسی نے نہیں سمجھا۔ میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ ہم عرب کے سب قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک نوجوان لے لیں اور ہر ایک کو عمدہ کام کرنے والی تلوار دے دیں یہ سب لوگ یکبارگی ان پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ ہم ان کے فساد سے تو اس طرح نجات حاصل کر لیں اب رہا ان کے قبیلہ بنو عبد مناف کا مطالبہ جوان کے

قتل کے سبب ہم پر عائد ہو گا سو ایسی صورت میں جب کہ قتل کسی ایک نے نہیں بلکہ ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے کیا ہے تو قصاص یعنی جان کے بدلے جان کا مطالبہ تو باقی نہیں رہ سکتا صرف خون بہا یا دیت کے مال کا مطالبہ رہ جائے گا وہ ہم سب قبیلوں سے جمع کر کے انکو دے دیں گے اور بے فکر ہو جائیں گے۔

شیخ نجدی ابلیس لعین نے یہ سن کر کہا۔ بس رائے یہی ہے اور اس کے سوا کوئی چیز کارگر نہیں۔ پوری مجلس نے اسی کے حق میں رائے دے دی اور آج ہی رات میں اپنا یہ ناپاک عزم پورا کرنے کا تہیہ کر لیا گیا۔

مگر انبیاء علیہم السلام کی غیبی طاقت کو یہ جاہل کیا سمجھ سکتے تھے۔ اس طرح جبرئیل امین نے ان کے دار المشورہ کی ساری کیفیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کر کے یہ تدبیر بتلائی کہ آج رات میں آپ اپنے بستر پر آرام نہ کریں اور بتلایا کہ اب اللہ تعالی نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجوانوں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ آج کی رات وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آرام کریں اور یہ خوشخبری سنادی کہ اگرچہ بظاہر اس میں آپ کی جان کا خطرہ ہے مگر دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور آپ کے بستر پر لیٹ گئے مگر اب مشکل یہ درپیش تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس محاصرہ سے کیسے نکلیں۔ اس مشکل کو اللہ تعالی نے ایک معجزہ کے ذریعہ حل کیا وہ یہ کہ بامر الہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مٹھی بھر کر باہر تشریف لائے اور محاصرہ

کرنے والے جو کچھ آپ کے بارہ میں گفتگو کر رہے تھے اس کا جواب دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں اور فکروں کو آپ کی طرف سے پھیر دیا کہ کسی نے آپ کو نہ دیکھا حالانکہ آپ ان میں سے ہر ایک سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکلے چلے گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی آنے والے نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو تو انہوں نے بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتظار میں۔ اس نے کہا کہ تم کس خام خیالی میں ہو وہ تو یہاں سے نکل کر جا بھی چکے ہیں اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے گئے ہیں ان لوگوں نے اپنے اپنے سروں پر ہاتھ رکھا تو اس کی تصدیق ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر محاصرہ کرنے والوں نے ان کے کروٹیں بدلنے سے پہچان لیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں اس لئے قتل پر اقدام نہیں کیا۔ صبح تک محاصرہ کرنے کے بعد یہ لوگ خائب و خاسر ہو کر واپس ہو گئے۔ یہ رات اور اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا حضرت علی مرتضیٰؓ کے خاص فضائل میں سے ہے۔

قریشی سرداروں کے مشورے میں جو تین رائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش کی گئی تھیں ان تینوں کو قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر فرمایا ہے وَ اِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ۔ یعنی وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جو کہ کفار آپ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں۔

مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سب تدبیریں خاک میں ملا دیں۔ اسی لئے آخر آیت فرمایا وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاكِرِیْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنیوالے ہیں جو ساری تدبیروں

پر غالب آجاتی ہے جیسا کہ اس واقعہ میں مشاہدہ ہوا۔

لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں یہ ہیں کہ کسی حیلہ و تدبیر کے ذریعے اپنے مقابل شخص کو اس کے ارادہ سے روک دیا جائے پھر اگر یہ کام کسی نیک مقصد سے کیا جائے تو یہ مکر محمود اور اچھا ہے اور کسی برے مقصد سے کیا جائے تو مذموم اور برا ہے اس لئے یہ لفظ انسان کے لئے بھی بولا جاسکتا ہے اور اللہ تعالی کے لئے بھی مگر اللہ تعالی کے لئے صرف ایسے ماحول میں استعمال ہوتا ہے جہاں کلام کے سیاق اور تقابل کے ذریعہ مکر مذموم کا شبہ نہ ہو سکے (مظہری) جیسے یہاں ہے۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ آخر آیت میں جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ بصیغہ مضارع ہیں جو حال واستقبال کے معنی پر دلالت کرتا ہے ارشاد فرمایا وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰه یعنی وہ اہل ایمان کی ایذا رسانی کی تدبیریں کرتے رہیں گے اور اللہ تعالی ان کی تدبیروں کے ناکام کرنے کی تدبیر کرتے رہیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفار کا یہ دائمی شعار رہے گا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں کریں اسی طرح اللہ تعالی کی نصرت وامداد بھی ہمیشہ ہی سچے مسلمانوں سے ان کی تدبیروں کو دفع کرتی رہے گی۔

حاصل یہ ہے کہ آیت تیس میں چھٹی وجہ بیان فرمائی ہے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تمہارا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے بڑی حفاظت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ پہنچایا اور آپ کی کمان میں جہاد کرایا اور فتح عطا فرمائی ورنہ کفار تو آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

اکتیسویں اور بتیسویں آیتوں میں اسی دار الندوہ کے ایک شریک نضر بن حارث کی ایک بے ہودہ گفتگو اور تینتسویں آیت میں اس کا جواب مذکورہ ہے۔ نضر بن حارث چونکہ تجارت پیشہ آدمی تھا مختلف ملکوں کے سفر میں یہود ونصاری کی کتابیں اور

ان کی عبادتیں دیکھنے کا بار بار اتفاق ہوتا تھا اس لئے جب اس نے قرآن کریم میں پچھلی امتوں کے حالات سنے تو کہنے لگا کہ قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. یعنی یہ باتیں تو ہماری سنی ہوئی ہیں اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں یہ تو پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اور جب بعض صحابہ نے اس کو لاجواب کیا کہ اگر تم ایسا کلام کہہ سکتے ہو تو پھر کہتے کیوں نہیں جب کہ قرآن نے حق و باطل کا فیصلہ اس پر رکھ دیا ہے اور پوری دنیا کو یہ چیلنج دیا ہے کہ اگر خلاف کرنے والے سچے ہیں تو قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت ہی کی مثال پیش کریں اور خلاف میں سر دھڑ کی بازی لگانے والے مال و اولاد قربان کرنے والے سب مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورت قرآن کے مقابلہ میں پیش نہ کر سکے تو اب یہ کہنا کہ ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں ایک ایسی بات ہے جو کوئی غیرت مند آدمی نہیں کہہ سکتا پھر جب نضر بن حارث سے صحابہ کرامؓ نے اس کلام الٰہی کا حق ہونا بیان کیا تو اپنے غلط مذہب پر پختگی دکھلانے کے لئے کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ یعنی اے اللہ اگر یہی قرآن آپ کی طرف سے حق ہے تو ہم پر پتھر برسا دیجئے یا کوئی دوسرا سخت عذاب نازل کر دیجئے۔ حاصل یہ ہے کہ آیت بتیس میں ساتویں وجہ بیان فرمائی ہے کہ مال غنیمت خدا کا ہے اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تمہارا نہیں ہے کیونکہ کفار نے تو خود دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر محمد کا مذہب سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی ہے۔

قرآن کریم نے خود اس کا جواب دیا پہلے ارشاد فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کریں گے کہ آپ کے مکہ میں ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کریں کیونکہ اول تو سب ہی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حق تعالیٰ کا دستور

یہ ہے کہ جس بستی میں وہ موجود ہوں اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتے جب تک اپنے پیغمبروں کو وہاں سے نکال نہ لیں جیسے ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے معاملہ میں مشاہدہ ہوا کہ جب تک یہ حضرات بستی میں رہے عذاب نہیں آیا، جب وہاں سے نکال لئے گئے اس وقت عذاب نازل ہوا خصوصا سید الانبیاء جو رحمۃ للعالمین کا لقب دے کر بھیجے گئے ہیں آپ کے کسی بستی میں موجود ہوتے ہوئے ان پر عذاب آنا آپؐ کی شان کے خلاف تھا۔

خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ تم تو قرآن اور اسلام کی مخالفت کی وجہ سے اسی کے مستحق ہو کہ تم پر پتھر برسائے جائیں مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں موجود ہونا اس سے مانع ہے۔ امام ابن جریرؒ نے فرمایا کہ آیت کا یہ حصہ اس وقت نازل ہوا جب کہ آپ مکہ مکرمہ میں موجود تھے پھر ہجرت مدینہ کے بعد آیت کا دوسرا حصہ یہ نازل ہوا وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرنے والے نہیں جب کہ وہ استغفار کرتے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ آپ کے مدینہ شریف چلے جانے کے بعد اگرچہ عذاب عام کا یہ مانع رفع ہو گیا کہ آپ وہاں موجود تھے مگر اس وقت بھی ایک مانع عذاب کا یہ موجود رہا کہ بہت سے ضعفاء مسلمین جو ہجرت نہ کر سکتے تھے مکہ میں رہ گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے ان کی خاطر سے اہل مکہ پر عذاب نازل نہیں کیا گیا۔

پھر جب یہ سب حضرات بھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچ گئے تو بعد کی آیت کا یہ جملہ نازل ہوا وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اب مانع عذاب دونوں رفع ہو چکے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور نہ استغفار کرنے والے مسلمان مکہ میں باقی رہے تو اب عذاب آنے سے کوئی رکاوٹ باقی نہیں خصوصا ان کے استحقاق عذاب میں خود مخالف اسلام ہونے کے علاوہ اس جرم کا بھی اضافہ ہو گیا کہ یہ لوگ خود تو عبادت کے قابل نہ تھے اور جو مسلمان عبادت عمرہ و طواف کے لئے مسجد حرام میں جانا چاہیں ان کو روکنے لگے تو اب ان کا استحقاق عذاب بالکل مکمل ہو گیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے ذریعہ ان پر عذاب نازل کیا گیا۔

مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنے کا واقعہ غزوہ حدیبیہ میں پیش آیا تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کے قصد سے تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور آپ کو اور سب صحابہ کرام کو اپنے احرام کھولنے اور واپس جانے پر مجبور کیا۔ یہ واقعہ ۶ ہجری کا ہے اس کے دو سال بعد ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اس طرح ان پر مسلمانوں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔

ابن جریرؒ کی اس تفسیر کا مدار اس پر ہے کہ مانع عذاب آپ کا مکہ میں ہونا قرار دیا جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں وجود مانع عذاب ہے جب تک آپ دنیا میں تشریف فرما ہیں آپ کی قوم پر عذاب نہیں آسکتا اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ آپ کا حال دوسرے انبیاء کی طرح نہیں کہ وہ خاص خاص مقامات یا قبائل کی طرف مبعوث ہوئے تھے جب وہاں سے نکل کر کسی دوسرے خطہ میں پہنچ گئے تو ان کی قوم پر عذاب آجاتا تھا بخلاف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی نبوت و رسالت سارے عالم کے لئے اور قیامت تک کے لئے عام اور شامل

ہے پوری دنیا آپ کا مقام بعثت اور دائرۂ رسالت ہے اس لئے جب تک آپ دنیا کے کسی حصہ میں موجود ہیں آپ کی قوم پر عذاب نہیں آسکتا۔

اس تفسیر پر مطلب یہ ہوگا کہ اہل مکہ کے افعال کا تقاضا تو یہی تھا کہ ان پر پتھر برسائے جائیں مگر دو چیزیں اس عذاب سے مانع ہوئیں ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف فرما ہونا دوسرے اہل مکہ کا استغفار کرنا کیونکہ یہ لوگ مشرک و کافر ہونے کے باوجود اپنے طواف وغیرہ میں غفرانك غفرانك کہا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیا کرتے تھے ان کا یہ استغفار کفر و شرک کے ساتھ گو آخرت میں نافع نہ ہو مگر دنیا میں اس کا بھی یہ نفع ان کو مل گیا کہ دنیا میں عذاب سے بچ گئے اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتے کفار و مشرکین اگر کوئی نیک عمل کرتے ہیں تو اس کا بدلہ ان کو اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے اس کے بعد جو یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے حالانکہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں اس کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ دنیا میں عذاب نہ ہونے سے یہ لوگ مغرور اور مطمئن نہ ہو جائیں کہ ہم مجرم ہی نہیں یا ہم پر عذاب نہیں ہوگا اگر دنیا میں نہ ہوا تو آخرت کے عذاب سے ان کی کسی طرح نجات نہیں اس تفسیر پر مالھم لا یعذبھم میں عذاب آخرت مراد ہوگا۔

آیات مذکورہ سے چند فواید حاصل ہوئے اول یہ کہ جس بستی میں لوگ استغفار کرتے ہوں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ اس پر عذاب نازل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے آپ کی امت پر خواہ مسلم ہوں یا کافر عذاب نہیں آئے گا اور مراد اس سے یہ ہے کہ عذاب عام جس سے پوری قوم تباہ ہو جائے ایسا عذاب نہیں آئے گا جیسے قوم نوح، قوم لوط، قوم شعیب

وغیرہ کے ساتھ پیش آیا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا افراد واحاد یہ پر کوئی عذاب آجائے وہ اس کے منافی نہیں جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں خسف اور مسخ کا عذاب آئے گا خسف کے معنی زمین میں اتر جانا اور مسخ کے معنی صورت مسخ ہو کر بندر یا سؤر وغیرہ جانوروں کی شکل میں تبدیل ہو جانا اس کی مراد یہی ہے کہ بعض بعض افراد امت پر ایسے عذاب بھی آئیں گے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ہونا قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ آپ کی رسالت قیامت تک کے لئے ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی زندہ ہیں گو اس زندگی کی صورت سابق زندگی سے مختلف ہے اور یہ بحث لغو اور فضول ہے کہ ان دونوں زندگیوں میں فرق کیا ہے کیونکہ نہ اس پر امت کا کوئی دینی یا دنیوی کام موقوف ہے نہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ایسی فضول اور بے ضرورت بحثوں کو پسند فرمایا بلکہ منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روضہ میں زندہ ہونا اور آپ کی رسالت کا قیامت تک قائم رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ قیامت تک دنیا میں ہیں اس لئے یہ امت قیامت تک عذاب عام سے مامون رہے گی۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ○ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ

مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ o

اور ان میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ کرے ان پر اللہ اور وہ تو روکتے ہیں مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار والے نہیں اس کے اختیار والے تو وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اکثروں کو اس کی خبر نہیں اور ان کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں، سو چکھو عذاب بدلہ اپنے کفر کا بیشک جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے، سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہو گا وہ ان پر افسوس اور آخر مغلوب ہوں گے، اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تاکہ جدا کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے اور رکھے ناپاک کو ایک کو ایک پر پھر اس کو ڈھیر کر دے اکٹھا پھر ڈال دے اس کو دوزخ میں وہی لوگ ہیں نقصان میں تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں تو معاف ہو ان کو جو کچھ ہو چکا، اور اگر پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے راہ اگلوں کی۔

تفسیر:

پچھلی آیتوں میں یہ بتلایا گیا تھا کہ مشرکین مکہ اپنے کفر و انکار کی وجہ سے اگرچہ اس کے مستحق ہیں کہ ان پر آسمانی عذاب آجائے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں موجود ہونا عذاب عام آنے سے مانع ہے اور ہجرت کے بعد ان ضعفاء مسلمین کی وجہ سے ایسا عذاب نہیں آتا جو مکہ میں رہ کر اللہ سے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

مذکورہ آیتوں میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ضعفاء مسلمین کی رعایت سے اگر دنیا میں ان کا عذاب ٹل ہی گیا تو ان لوگوں کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ عذاب کے مستحق نہیں بلکہ ان کا استحقاق عذاب کھلا ہوا ہے اور علاوہ کفر و انکار کے اور بھی ان کے ایسے جرائم ہیں جن کی وجہ سے ان پر عذاب آجانا چاہئے۔ ان دونوں آیتوں میں ان کے تین جرم شمار کئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ یہ لوگ خود تو مسجد حرام میں عبادت گزاری کے قابل ہیں نہیں اور جو مسلمان وہاں عبادت نماز طواف وغیرہ ادا کرنا چاہتے ہیں انکو آنے سے روک دیتے ہیں۔ اس میں واقعہ حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ ٦ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے تھے اور مشرکین مکہ نے آپ کو روک کر واپس جانے پر مجبور کیا تھا۔

دوسرا جرم یہ فرمایا کہ یہ بے وقوف یوں سمجھتے تھے اور کہتے ہیں کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں جس کو چاہیں اس میں آنے کی اجازت دیں جس کو چاہیں نہ دیں۔

ان کا یہ خیال دو غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا اول یہ کہ اپنے آپ کو مسجد حرام کا متولی سمجھا حالانکہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ متولی کو یہ حق ہے کہ جس کو چاہے مسجد میں آنے سے روک دے جب کہ مسجد خانہ خدا ہے اس میں آنے سے روکنے کا کسی کو حق نہیں بجز ایسی خاص صورتوں کے جن میں مسجد کی بے حرمتی یا دوسرے نمازیوں کی تکلیف کا اندیشہ ہو جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو بچاؤ چھوٹے بچوں سے، اور پاگل آدمیوں سے اور باہمی جھگڑوں سے چھوٹے بچوں سے مراد وہ بچے ہیں جن سے ناپاکی کا خطرہ ہے اور پاگل سے ناپاکی کا بھی خطرہ ہے اور نمازیوں کی ایذا کا بھی اور باہمی جھگڑوں سے مسجد کی بے حرمتی بھی ہے اور

نمازیوں کی ایذا کا بھی۔

اس حدیث کی رو سے متولی مسجد کے لئے یہ تو حق ہے کہ ایسے چھوٹے بچوں، پاگلوں کو مسجد میں نہ آنے دے اور باہمی جھگڑے مسجد میں نہ ہونے دے لیکن بغیر ایسی صورتوں کے کسی مسلمان کو مسجد سے روکنے کا کسی متولی مسجد کو حق نہیں۔

قرآن کریم کی آیت متذکرہ میں صرف پہلی بات بیان کرنے پر اکتفاء کیا کہ ان لوگوں کو مسجد حرام کا متولی کیسے مانا جائے جب کہ اصول یہ ہے کہ اس کے متولی صرف متقی مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کا متولی مسلمان دیندار پرہیزگار ہونا چاہئے اور بعض حضرات مفسرین نے ان اولیاء کی ضمیر اللہ تعالی کی طرف راجع قرار دے کر یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ کے ولی صرف متقی پرہیزگار لوگ ہو سکتے ہیں۔

اس تفسیر کے مطابق آیت سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو لوگ شریعت و سنت کے خلاف عمل کرنے کے باوجود ولی اللہ ہونے کا دعوی کریں وہ جھوٹے ہیں اور جو ایسے لوگوں کو ولی اللہ سمجھیں وہ دھوکے میں ہیں۔

تیسرا جرم ان لوگوں کا یہ بتلایا کہ کفر و شرک کی گندگی تو تھی ہی ان کے افعال و اعمال تو عام انسانی سطح سے بھی گرے ہوئے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے جس فعل کا نام نماز رکھتے ہیں وہ بجز اس کے نہیں کہ اس میں کچھ منہ سے سیٹیاں بجائیں کچھ ہاتھوں سے تالیاں اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو ذرا بھی عقل ہو وہ ان افعال کو عبادت و نماز کیا کوئی صحیح انسانی فعل بھی نہیں کہہ سکتا اس لئے آخر آیت میں ارشاد فرمایا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ یعنی تمہارے کفر اور جرائم کا انجام یہی ہے کہ اب اللہ کا عذاب چکھو عذاب سے اس جگہ عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے اور عذاب دنیا بھی جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر نازل ہوا۔

اس کے بعد چھتیسویں آیت میں کفار مکہ کے ایک اور واقعہ کا بیان ہے جس میں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف قوت جمع کرنے کے لئے مال عظیم جمع کیا اور پھر اس کو دین حق اور مسلمانوں کے مٹانے کے لئے خرچ کیا مگر انجام کار یہ ہوا کہ وہ مال بھی ہاتھ سے گیا اور مقصد حاصل ہونے کے بجائے خود ذلیل و خوار ہوئے۔

واقعہ اس کا بروایت محمد بن اسحاق حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ غزوہ بدر کے شکست زدہ زخم خوردہ بچے کھچے کفار مکہ جب وہاں سے واپس مکہ پہنچے تو جن لوگوں کے باپ بیٹے اس جہاد میں مارے گئے تھے وہ تجارتی قافلہ کے امیر ابو سفیان کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ جنگ تمہارے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے لڑی گئی جس کے نتیجہ میں یہ تمام جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مشترکہ تجارتی کمپنی سے ہماری کچھ مدد کی جائے تاکہ ہم آئندہ مسلمانوں سے اپنا انتقام لے سکیں ان لوگوں نے اس کو منظور کر کے ایک بڑی رقم دے دی جس کو انہوں نے غزوہ بدر کا انتقام لینے کے لئے غزوہ احد میں خرچ کیا اور اس میں بھی انجام کار مغلوب ہوئے اور شکست کے غم کے ساتھ مال ضائع کرنے کی حسرت مزید ہو گئی۔

قرآن کریم نے اس آیت میں یہ واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے انجام کی خبر دے دی ارشاد فرمایا: وہ لوگ جو کافر ہیں اپنے مالوں کو اس کام کے لئے خرچ کرنا چاہتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے دین سے روک دیں سو اس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ اپنا مال بھی خرچ کر ڈالیں گے اور پھر ان کو مال خرچ کرنے پر حسرت ہوگی اور انجام کار مغلوب ہو جائیں گے چنانچہ غزوہ احد میں ٹھیک یہی صورت ہوئی کہ جمع شدہ مال بھی خرچ کر ڈالا اور پھر مغلوب ہوئے تو شکست کے غم

کے ساتھ مال ضائع ہونے پر الگ حسرت وندامت ہوئی۔

اور بغوی وغیرہ بعض مفسرین نے اس آیت کے مضمون کو خود غزوہ بدر کے اخراجات پر محمول فرمایا ہے کہ غزوہ بدر میں ایک ہزار جوانوں کا جو لشکر مسلمانوں کے مقابلہ پر گیا تھا ان کے کھانے پینے وغیرہ کے کل اخراجات مکہ کے بارہ سرداروں نے اپنے ذمہ لئے ہوئے تھے جن میں ابو جہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔ وغیرہ شامل تھے ظاہر ہے کہ ایک ہزار آدمیوں کے آنے جانے کھانے پینے وغیرہ کے اخراجات پر بڑی رقم خرچ ہوئی تو ان لوگوں کو اپنی شکست کے ساتھ اپنے اموال ضائع ہونے پر بھی شدید حسرت وندامت پیش آئی۔ (مظہری)

آخر آیت میں آخرت کے اعتبار سے ان لوگوں کے انجام بد کا بیان ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ یعنی جو لوگ کافر ہیں ان کا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔

مذکورہ آیتوں میں دین حق سے روکنے کے لئے مال خرچ کرنے کا جو انجام بد ذکر کیا گیا ہے اس میں آج کے وہ کفار بھی داخل ہیں جو لوگوں کو اسلام سے روکنے اور اپنے باطل کی طرف دعوت دینے پر لاکھوں روپیہ شفاخانوں تعلیم گاہوں اور صدقہ خیرات کے عنوان سے خرچ کرتے ہیں اسی طرح وہ گمراہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو اسلام کے اجماعی عقائد میں شبہات واوہام پیدا کر کے ان کے خلاف لوگوں کو دعوت دینے کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرماتے ہیں اور بہت سے مواقع میں مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ بڑے بڑے اموال خرچ کرنے کے باوجود اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔

سینتیسویں آیت میں واقعات مذکورہ کے کچھ نتائج کا بیان ہے جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ اپنے جو اموال کفار نے اسلام کے خلاف استعمال کیے اور پھر ان کو حسرت و ندامت ہوئی اور ذلیل و خوار ہوئے اس کا فائدہ یہ ہے کہ :

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ گندی چیز اور پاک صاف چیز میں فرق ظاہر کر دیں لفظ خبیث اور طیب دو متقابل لفظ ہیں۔ لفظ خبیث ناپاک، گندے اور حرام کے لئے بولا جاتا ہے اور طیب اس کے بالمقابل پاک، صاف ستھرے اور حلال کے لئے بولا جاتا ہے اس جگہ ان دونوں لفظوں سے کفار کے اموال خبیثہ اور مسلمانوں کے اموال طیبہ بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ کفار نے جو مال عظیم خرچ کیے وہ مال خبیث اور ناپاک تھے اس کا برا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ مال بھی گیا اور جانیں بھی گئیں اس کے بالمقابل مسلمانوں نے بہت تھوڑا مال خرچ کیا مگر وہ مال پاک اور حلال تھا ان کے خرچ کرنے والے کامیاب ہوئے اور مزید مال غنیمت بھی ہاتھ آیا اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فِيْ جَهَنَّمَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

یعنی اللہ تعالیٰ جمع کر دیتا ہے ایک خبیث کو دوسرے خبیث کے ساتھ پھر ان سب کو جمع کر دے گا جہنم میں یہی لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے کہربا گھاس کو کھینچتا ہے اور نئی سائنس کے تجربات میں ساری دنیا کا نظام ہی باہمی کشش پر قائم ہے اسی طرح اعمال و اخلاق میں بھی کشش ہے ایک برا عمل دوسرے برے عمل کو اور ایک اچھا عمل دوسرے اچھے عمل کو کھینچتا ہے۔ مال خبیث دوسرے مال خبیث کو کھینچتا ہے اور پھر یہ اموال خبیثہ آثار خبیثہ پیدا کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت

میں جتنے اموال خبیثہ ہیں سب کو جہنم میں جمع فرمادیں گے اور یہ مال والے بڑے خسارہ میں پڑجائیں گے۔

اور بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ خبیث اور طیب کی مراد عام قرار دی ہے یعنی پاک اور ناپاک۔پاک سے مومن اور ناپاک سے کافر مراد ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حالات مذکورہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ پاک وناپاک یعنی مومن وکافر میں امتیاز ہو جائے مومنین جنت میں اور کفار سب ایک جگہ جہنم میں جمع کردیئے جائیں۔

اڑتیسویں آیت میں کفار کے لئے پھر ایک مربیانہ خطاب ہے جس مین ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ترغیب اس کی ہے کہ اگر وہ ان تمام افعال شنیعہ کے بعد اب بھی توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو پچھلے سب گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور ترہیب یہ کہ اگر وہ اب بھی باز نہ آئے تو سمجھ لیں کہ ان لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی نیا قانون بنانا یا سوچنا نہیں پڑتا پہلے زمانہ کے کافروں کے لئے جو قانون جاری ہوچکا ہے وہ ہی ان پر بھی جاری ہوگا کہ دنیا میں ہلاک وبرباد ہوئے اور آخرت میں عذاب کے مستحق ہوئے۔

دفعہ ششم فتنوں کی سرکوبی تک جہاد جاری رہے

وَ قَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ○

اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے حکم سب اللہ کا پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کام کو دیکھتا ہے اور اگر وہ نہ مانیں تو

جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار ہے۔

تفسیر:

یہ سورہ نفال کی انتالیسویں آیت ہے اس میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ فتنہ دوسرا دین۔ یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین سے اس جگہ دو معنی منقول ہیں ایک یہ کہ فتنہ سے مراد کفر و شرک اور دین سے مراد دین اسلام لیا جائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے اس تفسیر پر معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے قتال اس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک کہ کفر مٹ کر اس کی جگہ اسلام آجائے اسلام کے سوا کوئی دین و مذہب باقی نہ رہے اس صورت میں یہ حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کے لئے مخصوص ہوگا کیونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گھر ہے اس میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین رہے تو دین اسلام کے لئے خطرہ ہے باقی ساری دنیا میں دوسرے ادیان و مذاہب کو قائم رکھا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔

اور دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذاء اور عذاب و مصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کیطرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا۔ جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے نرغہ میں پھنسے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل و غارت گری کرتے رہے مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی پوری مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ و غضب ظاہر ہوتا رہا۔

اور اس کے بالمقابل دین کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں اس صورت میں تفسیر آیت کی یہ ہو گئی کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے واقعہ یہ ہے کہ جب امیر مکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ پر چل رہی تھیں تو دو شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اس وقت جس بلاء میں مسلمان مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں حالانکہ آپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے میدان میں نہیں آتے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کا خون بہانا حرام قرار دیا ہے ان دونوں نے عرض کیا کہ کیا آپ قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی مقاتلہ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں ہم نے اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور غلبہ دین اسلام کا ہو گیا اور تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے فتنہ پھر پیدا کر دو اور غلبہ غیر اللہ کا اور دین حق کے خلاف کا ہو جائے مطلب یہ تھا کہ جہاد و قتال کا حکم فتنہ کفر اور مظالم کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کر چلے اور برابر کرتے رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔

خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور یہ صورت صرف قرب قیامت میں ہو گی اس لئے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔

اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال کے نتیجہ میں دو صورتیں پیدا ہو سکتی تھی ایک یہ کہ وہ مسلمانوں پر ظلم و جور سے باز آجائیں خواہ اس طرح کہ اسلامی برادری میں داخل ہو کر بھائی بن جائیں یا اس طرح کہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے مسلمانوں پر ظلم و ستم سے باز آجائیں اور اطاعت کا معاہدہ کر لیں۔

دوسرے یہ کہ وہ ان دونوں صورتوں میں سے کسی کو قبول نہ کریں اور مقابلہ پر جمے رہیں اگلی آیت میں ان دونوں صورتوں کے احکام مذکور ہیں ارشاد فرمایا۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

یعنی اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں۔

اس کے مطابق ان کی ساتھ معاملہ فرمادیں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے خلاف جہاد کو بند کر دیا جائے اس صورت میں مسلمانوں کو یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ معرکہ قتال کے بعد کفار کی طرف سے صلح کا معاہدہ یا مسلمان ہو جانے کا اظہار بہت ممکن ہے کہ محض کوئی جنگی چال اور دھوکہ ہو ایسی صورت میں جنگ بند کر دینا مسلمانوں کے لئے مضر ہو سکتا ہے اس کا جواب ان لفاظ سے دیا گیا کہ مسلمان تو ظاہری اعمال کے پابند ہیں دلوں کا دیکھنے والا اور ان کے مخفی سرائر کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لئے جب وہ مسلمان ہونے کا اظہار کریں یا معاہدہ صلح

کرلیں تو مسلمان اس پر مجبور ہیں کہ جہاد و قتال بند کر دیں رہا یہ معاملہ کہ انہوں نے سچے دل سے اسلام یا صلح کو قبول کیا ہے یا اس میں دھوکہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے جانتے ہیں اگر وہ ایسا کریں گے تو اس کا دوسرا انتظام ہو جائے گا مسلمانوں کو ان خیالات اور خطرات پر اپنے معاملات کی بنیاد نہیں رکھنا چاہئے۔

اگر اظہار اسلام یا معاہدہ صلح کے بعد ان پر ہاتھ اٹھایا گیا تو جہاد کرنے والے مجرم ہو جائیں گے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ میں دشمنان اسلام سے قتال کرتا رہو یہاں تک کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو قبول کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور جب وہ ایسا کرلیں تو ان کے خون اور اموال سب محفوظ ہو جائیں گے بجز اس کے کہ اسلامی قانون کے ماتحت کسی جرم کی پاداش میں ان کو سزا دی جائے اور ان کے دلوں کا حساب اللہ پر رہے گا کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ اور اعمال اسلام کو قبول کررہے ہیں یا نفاق سے۔

دوسری ایک حدیث جو ابو داؤد نے بہت سے صحابہ کرام کی روایت سے نقل کی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی معاہدہ پر یعنی اس شخص پر جس نے اسلامی حکومت کی اطاعت و وفاداری کا معاہدہ کرلیا ہو کوئی ظلم کرے یا اس کو نقصان پہنچائے یا اس سے کوئی ایسا کام لے جو اس کی طاقت سے زائد ہے یا اس کی کوئی چیز بغیر اس کی دلی رضامندی کے حاصل کرے تو میں قیامت کے دن اس مسلمان کے خلاف معاہد کی حمایت کروں گا۔

قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور روایات حدیث نے بظاہر مسلمانوں کو ایک سیاسی خطرے میں مبتلا کر دیا کہ بڑے سے بڑا دشمن اسلام جب ان کی زد میں آجائے اور

محض جان بچانے کے لئے کلمہ اسلام پڑھ لے تو مسلمانوں پر لازم کردیا کہ فوراً اپنا ہاتھ روک لیں اس طرح تو وہ کسی دشمن پر بھی قابو نہیں پاسکتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے مخفی سرائر کو اپنے ذمہ لے کر معجزانہ انداز میں یہ کر دکھایا کہ عملی طور پر مسلمانوں کو کسی میدان جنگ میں ایسا ابتلاء پیش نہیں آیا البتہ صلح کی حالت میں سینکڑوں منافقین پیدا ہوئے جنہوں نے دھوکہ دینے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور بظاہر نماز روزہ بھی ادا کرنے لگے ان میں سے بعض کم ظرف لوگوں کا تو اتنا ہی مقصد تھا کہ مسلمانوں سے کچھ فوائد حاصل کرلیں اور دشمنی کرنے کے باوجود ان کے انتقام سے محفوظ رہیں اور بعض وہ بھی تھے جو سیاسی مقصد لے کر مسلمانوں کے راز معلوم کرنے اور مخالفین سے سازش کرنے کے لئے ایسا کررہے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے قانون نے ان سب کے بارہ میں مسلمانوں کو یہی ہدایت دی کہ وہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں جب تک خود ان کی طرف سے اسلام دشمنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی ثابت نہ ہو جائے۔

قرآن کی یہ تعلیم تو اس صورت میں تھی جب کہ دشمنان اسلام اپنی دشمنی سے باز آجانے کا اقرار اور معاہدہ کرلیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں اس کے متعلق حکم اس کے بعد کی آیت میں ارشاد فرمایا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ یعنی اگر وہ بات نہ مانیں تو تم یہ سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار حمایتی ہے اور وہ بہت اچھا حمایتی اور بہت اچھا مددگار ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ اپنے ظلم و جور اور کفر و شرک سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں کے ذمہ وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ ان سے قتال جاری رکھیں اور جہاد و

قتال چونکہ بڑے لشکر اور بہت سے اسلحہ اور ساز و سامان پر عادۃً موقوف ہے اور مسلمانوں کو عام طور پر یہ چیزیں کم حاصل تھیں اس لئے یہ ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو حکم قتال بھاری معلوم ہو یا وہ اپنی قلت تعداد اور قلت سامان کی وجہ سے یہ محسوس کرنے لگیں کہ ہم مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے اس لئے اس کا علاج اس طرح کیا گیا کہ مسلمانوں کو بتلایا گیا کہ اگرچہ تعداد اور سامان ان لوگوں کے پاس مسلمانوں سے زائد سہی مگر وہ اللہ تعالی کی غیبی نصرت و حمایت کہاں سے لائیں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہے جس کو وہ ہر میدان میں اپنے ساتھ مشاہد کرتے رہے ہیں اور فرمایا کہ یوں تو امداد و حمایت دنیا میں ہر فریق کسی نہ کسی سے حاصل کر ہی لیتا ہے مگر مدار کار اس مددگار کی قوت و طاقت اور علم و تجربہ پر ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کی طاقت و قوت اور علم و بصر سے زیادہ کیا برابر بھی سارے جہان کو حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ سب سے بہتر حمایتی اور مددگار ہے۔

پس آیت چالیس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں چھٹی دفعہ بیان فرمائی ہے کہ فتنہ شرک ختم کرنے تک جہاد جاری رکھو۔

دفعہ ہفتم قانون تقسیم غنائم

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت

داروں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر کہ ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر:

اس آیت میں مال غنیمت کے احکام اور اس کی تقسیم کا قانون مذکور ہے اس سے پہلے چند ضروری الفاظ کی تشریح سن لیجئے۔

لفظ غنیمت لغت میں اس مال کے لئے بولا جاتا ہے جو دشمن سے حاصل کیا جائے۔ اصطلاح شریعت میں غیر مسلموں سے جو مال جنگ و قتال اور قہر و غلبہ کے ذریعہ حاصل ہو اس کو غنیمت کہتے ہیں اور جو صلح و رضامندی سے حاصل ہو جیسے جزیہ و خراج وغیرہ کو فئی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں انہیں دونوں لفظوں سے ان دونوں قسموں کے احکام بتلائے گئے ہی۔ سورہ نفال میں مال غنیمت کے احکام کا ذکر ہے جو جنگ و قتال کے وقت غیر مسلموں سے حاصل ہو۔

یہاں سب سے پہلے ایک بات پیش نظر رہنا چاہئے وہ یہ کہ اسلامی اور قرآنی نظریہ کے مطابق تمام کائنات کی اصلی ملکیت صرف اس ذات حق تعالی کی ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے انسان کی طرف کسی چیز کی ملکیت کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے قانون کے ذریعہ کسی شخص کی ملکیت قرار دے دی ہو جیسے سورہ یسین میں چوپائے جانوروں کے ذکر میں ارشاد فرمایا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مٰلِکُوْنَ. یعنی کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ چوپاؤں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا پھر لوگ ان کے مالک بن گئے مطلب یہ ہے کہ ان کی ملکیت ذاتی نہیں ہم نے اپنے فضل سے ان کو مالک بنا دیا۔

جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتی ہے یعنی کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پہلے حق تعالیٰ ان کی اصلاح کے لئے اپنے رسول اور کتابیں بھیجتے ہیں جو بدبخت اس انعام الٰہی سے بھی متاثر نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال کا حکم دے دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان باغیوں کے جان و مال سب مباح کر دیئے گئے ان کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اموال سے نفع اٹھانے کا حق نہیں رہا بلکہ ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہو گئے انہیں ضبط شدہ اموال کا دوسرا نام مال غنیمت ہے جو کفار کی ملکیت سے نکل کر خالص حق تعالیٰ کی ملکیت میں رہ گئے۔

ان ضبط شدہ اموال کے لئے زمانہ قدیم سے حق تعالیٰ کا قانون یہ رہا کہ ان سے کسی کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی بلکہ ایسے اموال کو جمع کر کے کسی کھلی جگہ میں رکھ دیا جاتا اور آسمان سے ایک بجلی آ کر ان کو جلا دیتی تھی یہی علامت ہوتی تھی اس جہاد کے قبول ہونے کی۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند خصوصیات حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت آپ کی امت کے لئے حلال کر دیا گیا (کما فی حدیث مسلم) اور حلال بھی ایسا کہ اس کو اطیب الاموال کہا جاتا ہے یعنی سب سے زیادہ پاک مال۔ وجہ یہ ہے کہ جو مال انسان اپنے کسب اور کمائی سے حاصل کرتا ہے اس میں انسانوں کی ملکیت سے واسطہ در واسطہ منتقل ہو کر ایک مال اس کی ملکیت میں آتا ہے اور ان واسطوں میں حرام و ناجائز یا مکروہ طریقوں کا احتمال رہتا ہے بخلاف مال غنیمت کے کہ کفار کی ملکیت ان سے ختم ہو کر براہ راست حق تعالیٰ کی ملکیت رہ گئی اور اب جس کو ملتا ہے براہ راست حق تعالیٰ کی ملکیت سے ملتا ہے جس میں کوئی شبہ اور شائبہ حرمت یا کراہت کا نہیں رہتا جیسے کنویں سے نکالا ہوا پانی یا خودرو گھاس جو براہ

راست حق تعالیٰ کا انعام انسان کو ملتا ہے۔ کوئی انسانی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مال غنیمت جو پچھلی امتوں کے لئے حلال نہیں تھا امت مرحومہ کے لئے بطور انعام حلال کر دیا گیا آیت مذکورہ میں اس کی تقسیم کا ضابطہ اس عنوان سے فرمایا گیا ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ اس میں عربی لغت کے قاعدہ سے اول تو لفظ ما عموم پر دلالت کرتا ہے پھر اس عموم کی تاکید مزید کے لئے لفظ من شئی بڑھایا گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ چھوٹی بڑی چیز مال غنیمت میں حاصل ہو وہ سب اسی قانون کے تحت میں داخل ہے کسی چیز کو معمولی یا چھوٹا سمجھ کر کوئی شخص قانون تقسیم کے علاوہ اگر لے لے گا تو وہ سخت مجرم قرار پائے گا۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سوئی اور اس کا دھاگہ بھی جو مال غنیمت کا جز ہو کسی کے لئے اس کا بغیر اپنے حصہ شرعی کے لے لینا جائز نہیں اور مال غنیمت میں سے کوئی چیز بغیر حصہ کے لینے کو حدیث میں غلول فرما کر اس پر شدید وعید فرمائی ہے اور عام چوری سے زیادہ شدید حرام قرار دیا ہے۔

ضابطہ تقسیم کا یہ عنوان دے کر تمام مجاہد مسلمانوں کو اس سے باخبر کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال تمہارے لئے حلال کر دیا ہے مگر ایک خاص ضابطہ کے تحت حلال ہے اس کے خلاف اگر کوئی لے گا تو وہ جہنم کا ایک انگارہ ہوگا۔

قرآنی قانون کا یہی وہ امتیاز ہے جو دنیا کے دوسرے قوانین کو حاصل نہیں اور یہی قانون قرآنی کی تاثیر کامل اور کامیابی کا اصلی راز ہے کہ اول خوف خدا و آخرت کو پیش نظر کر کے اس سے ڈرایا گیا دوسرے نمبر پر تعزیری سزائیں بھی جاری کی گئیں۔

ورنہ غور کا مقام ہے کہ عین میدان جنگ کی افراتفری کے وقت جو اموال غیر مسلموں کے قبضہ سے حاصل کئے جائیں جن کی تفصیل نہ پہلے سے مسلمانوں کے

امیر کے علم میں ہے نہ کسی دوسرے کے اور موقع میدان جنگ کا ہے جو عموماً جنگل اور صحرا ہوتے ہیں جن میں چھپنے چھپانے کے ہزاروں مواقع ہوتے ہیں نرے قانون کی زور سے ان اموال کی حفاظت کسی کے بس میں نہیں صرف خوف خدا او آخرت ہی وہ چیز تھی جس نے ایک ایک مسلمان کو ان اموال میں ادنی تصرف کرنے سے باز رکھا۔

اب اس ضابطہ تقسیم کو دیکھئے ارشاد فرمایا فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ. یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس کے رشتہ داروں کا اور یتیموں، مسکینوں، مسافروں کا ہے۔

یہاں پہلے تو یہ بات غور طلب ہے کہ ضابطہ پورے مال غنیمت کی تقسیم کا بیان ہو رہا ہے مگر قرآن نے صرف اس کے پانچویں حصے کی تقسیم کا ضابطہ یہاں ذکر فرمایا باقی چار حصوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اس میں کیا راز ہے اور باقی چار حصوں کی تقسیم کا کیا قانون ہے لیکن قرآن میں غور و تدبر کرنے سے ان دونوں باتوں کا جواب انہیں لفظوں میں یہ نکل آتا ہے کہ قرآن کریم نے جہاد کرنے والے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا ما غنمتم یعنی جو کچھ تم نے غنیمت میں حاصل کیا۔ اس میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ مال ان حاصل کرنے والوں کا حق ہے اور اس کے بعد جب یہ ارشاد فرمادیا کہ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور رسول وغیرہ کا ہے تو اس کا نتیجہ صاف یہ نکل آیا باقی چار حصے غانمین اور مجاہدین کے ہیں جیسے قرآن کریم کے قانون وراثت میں ایک جگہ ارشاد ہے وَوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ. یعنی جب کسی شخص کے وارث اس کے ماں باپ ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہاں بھی صرف ماں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ باقی پانچ حصے باپ کا حق ہیں اسی طرح ما غنمتم کے بعد جب صرف پانچویں حصہ کو اللہ کے لئے رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ باقی چار حصے مجاہدین کا حق

ہیں پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور عمل نے اس کو اور اس کی پوری تفصیلات کو واضح کردیا کہ یہ چار حصے مجاہدین میں ایک خاص قانون کے تحت تقسیم فرمائے۔

اب اس پانچویں حصہ کی تفصیل سنئے جس کو قرآن کریم نے اس آیت میں متعین فرمادیا ہے الفاظ قرآنی میں اس جگہ چھ الفاظ مذکور ہیں۔ لِلّٰہِ. لِلرَّسُوْلِ. لِذِی الْقُرْبیٰ. الْیَتٰمیٰ. الْمَسٰکِیْنِ. ابْنِ السَّبِیْلِ۔

اس میں لفظ اللہ تو ایک جلی عنوان ہے ان مصارف کا جن میں یہ پانچواں حصہ تقسیم ہوگا یعنی یہ سب مصارف خالص اللہ کے لئے ہیں اور اس لفظ کے اس جگہ لانے میں ایک خاص حکمت ہے جس کی طرف تفسیر مظہری میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے لئے صدقات کا مال حرام قرار دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے شایان شان نہیں کیونکہ عام لوگوں کے اموال کو پاک کرنے کے لئے ان میں سے نکالا ہوا حصہ ہے جس کو حدیث میں او ساخ الناس فرمایا گیا ہے یعنی لوگوں کا میل کچیل وہ شان نبوت کہ لائق نہیں۔

مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں سے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو بھی قرآن کی اس آیت نے حصہ دیا ہے اس لئے اس پر متنبہ کیا گیا کہ یہ حصہ لوگوں کی ملکیت سے منتقل ہو کر نہیں آیا بلکہ بلاواسطہ اللہ تعالی شانہ کی طرف سے ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کفار کی ملک سے نکل کر براہ راست حق تعالی کی خالص ملکیت ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالی کی طرف سے بطور انعام تقسیم ہوتا ہے اس لئے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذی القربیٰ کو جو حصہ مال غنیمت کے خمس سے دیا گیا ہے وہ لوگوں کے صدقات

کا نہیں بلکہ براہ راست حق تعالی کی طرف سے فضل و انعام ہے شروع آیت میں فرمایا گیا للہ یعنی یہ سب مال اصل میں خالص ملکیت اللہ تعالی کی ہے اسی کے فرمان کے مطابق مذکورہ مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔

اس لئے اس خمس کے اصلی مصارف پانچ رہ گئے رسول۔ ذی القربی۔ یتیم۔ مسکین۔ مسافر پھر ان میں استحقاق کے درجے مختلف ہیں قرآن کریم کی بلاغت دیکھئے کہ ان درجات استحقاق کا فرق کس باریک اور لطیف انداز سے ظاہر فرمایا گیا ہے کہ ان پانچ میں سے پہلے دو پر حرف لام لایا گیا للرسول. و لذی القربی. اور باقی تینوں قسموں کو بغیر حرف لام کے باہم معطوف بنا کر ذکر کر دیا گیا۔

حرف لام عربی زبان میں کسی خصوصیت کے اظہار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لفظ للہ میں حرف لام اختصاص ملکیت کے بیان کے لئے ہے کہ اصل مالک سب چیزوں کا اللہ تعالی ہے اور لفظ للرسول میں استحقاق کی خصوصیت کا بیان مقصود ہے کہ اللہ تعالی نے خمس غنیمت کے صرف کرنے اور تقسیم کرنے کا حق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جس کا حاصل امام طحاوی کی تحقیق اور تفسیر مظہری کی تقریر کے مطابق یہ ہے کہ اگرچہ اس جگہ خمس کے مصارف میں پانچ ناموں کا ذکر ہے لیکن در حقیقت اس میں پورا تصرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ اپنی صوابدید کے مطابق ان پانچ قسموں میں خمس غنیمت کو صرف فرمائیں جیسا کہ سورہ انفال کی پہلی آیت میں پورے مال غنیمت کا حکم یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہیں صرف فرمائیں جس کو چاہیں دیں۔ آیت واعلموا انما غنمتم نے کل مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار کو مجاہدین کا حق قرار دے دیا مگر پانچواں حصہ بدستور اسی حکم میں رہا کہ اس کا صرف کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی صولبدید پر چھوڑا گیا صرف اتنی بات کا اضافہ ہوا کہ اس پانچویں حصہ کے پانچ مصارف بیان کر دیئے گئے کہ یہ ان میں دائر رہے گا مگر جمہور ائمہ اہل تحقیق کے نزدیک آپ کے ذمہ یہ لازم نہیں تھا کہ اس خمس کے پانچ حصہ برابر کریں اور مندرجہ آیت پانچویں قسموں میں برابر تقسیم کریں بلکہ صرف اتنا ضروری تھا کہ خمس غنیمت کو انہیں پانچ قسموں کے اندر سب کو یا بعض کو اپنی صولبدید کے مطابق عطا فرمائیں۔

اس کی سب سے بڑی واضح دلیل خود اس آیت کے الفاظ اور ان میں بیان کی ہوئی مصارف کی قسمیں ہیں کہ یہ سب قسمیں عملاً الگ الگ نہیں بلکہ باہم مشترک بھی ہو سکتی ہیں مثلاً جو شخص ذوی القربیٰ میں داخل ہے وہ یتیم بھی ہو سکتا ہے مسکین اور مسافر بھی۔ اسی طرح مسکین اور مسافر یتیم بھی ہو سکتے ہیں ذوی القربیٰ بھی جو مسکین ہے وہ مسافر کی فہرست میں بھی آسکتا ہے اگر ان سب قسموں میں الگ الگ برابر تقسیم کرانا مقصود ہوتا تو یہ قسمیں ایسی ہونا چاہئے تھیں کہ ایک قسم کا آدمی دوسری قسم میں داخل نہ ہو ورنہ پھر یہ لازم آئے کہ جو ذوی القربیٰ میں سے ہے اور وہ یتیم بھی ہے مسکین بھی مسافر بھی تو اس کو ہر حیثیت سے ایک ایک حصہ ملا کر چار حصے دیئے جائیں جیسا کہ تقسیم فرائض و میراث کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک شخص کو میت کے ساتھ مختلف قسم کی قرابتیں حاصل ہیں تو ہر قرابت کا حصہ اس کو الگ ملتا ہے اور امت میں اس کا کوئی قائل نہیں کہ ایک شخص کو چار حصے دیئے جائیں اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اس آیت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی عائد کرنا نہیں ہے کہ ان سب قسموں کو ضرور ہی دیں اور برابر دیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ خمس غنیمت کا مال ان پانچ قسموں میں سے جس قسم پر جتنا خرچ کرنا آپ کی رائے میں مناسب ہو اتنا دے دیں (تفسیر مظہری)

یہی وجہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا نے جب اس خمس میں سے ایک خادم کا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور گھر کے کاموں میں اپنی محنت و مشقت اور کمزوری کا سبب بھی ظاہر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذر فرما کر ان کو دینے سے انکار کر دیا کہ میرے سامنے تمہاری ضرورت سے زیادہ اہل صفہ صحابہ کرام کی ضرورت ہے جو انتہائی فقر و افلاس میں مبتلا ہیں ان کو چھوڑ کر میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اس سے واضح ہو گیا کہ ہر ایک قسم کا الگ حق نہیں تھا اور نہ ذوی القربی کے حق میں فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کون مقدم ہو تا بلکہ یہ سب بیان مصارف ہے بیان استحقاق نہیں۔

تقسیم خمس بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جمہور ائمہ کے نزدیک خمس غنیمت میں جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا گیا وہ آپ کے منصب نبوت و رسالت کی بنا پر ایسا ہی تھا جیسے آپ کو خصوصی طور پر یہ بھی حق دیا گیا تھا کہ پورے مال غنیمت میں آپ اپنے لئے کوئی چیز انتخاب کر کے لے لیں جس کی وجہ سے بعض غنیمتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اشیاء لی بھی تھیں اور خمس غنیمت میں سے آپ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ ادا فرماتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ حصہ خود بخود ختم ہو گیا کیونکہ آپ کے بعد کوئی رسول و نبی نہیں۔

خمس ذوی القربی

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ فقراء ذوی القربی کا حق خمس غنیمت میں دوسرے مصارف یعنی یتیم مسکین، مسافر سے مقدم ہے کیونکہ فقراء ذوی القربی کی

امداد زکوۃ و صدقات سے نہیں ہو سکتی دوسرے مصارف زکوۃ و صدقات سے بھی ہو سکتے ہیں (کما صرح بہ فی الہدایہ ویقدمون) البتہ اغنیاء ذوی القربٰی کو اس میں سے دیا جائے گا یا نہیں اس میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا فرمانا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو ذوی القربٰی کو عطا فرماتے تھے تو اس کی دو بنیادیں تھیں ایک ان کی حاجت مندی اور فقر دوسرے اقامت دین اور دفاع عن الاسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و امداد۔ دوسرا سبب تو وفات نبوی کے ساتھ ختم ہو گیا صرف پہلا سبب فقر و حاجت مندی رہ گیا اس کی بنا پر تا قیامت ہر امام و امیر ان کو دوسروں سے مقدم رکھے گا ہدایہ۔ جصاص) امام شافعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے (قرطبی)

اور بعض فقہاء کے نزدیک سہم ذوی القربٰی حیثیت قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے باقی ہے جس میں اغنیاء اور فقراء سب شریک ہیں البتہ امیر وقت اپنی صوابدید کے مطابق ان کو حصہ دے گا۔ (مظہری)

اور اصل چیز اس معاملہ میں خلفاء راشدین کا تعامل ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا کیا۔ صاحب ہدایہ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

ان الخلفاء الاربعة الراشدين قسموه على ثلثة اسهم.

چاروں خلفاء راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس غنیمت کو صرف تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے یتیم، مسکین، فقیر۔

البتہ حضرت فاروق اعظمؓ سے ثابت ہے کہ فقراء ذوی القربٰی کو خمس غنیمت سے دیا کرتے تھے (اخرجہ ابوداؤد) اور ظاہر ہے کہ یہ تخصیص صرف فاروق اعظمؓ کی نہیں دوسرے خلفاء کا بھی یہی عمل ہو گا۔

اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اپنے آخری زمانہ خلافت تک ذوی القربیٰ کا حق نکالتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس کا متولی بنا کر ذوی القربیٰ میں تقسیم کراتے تھے (کمافی روایۃ کتاب الخراج لابی یوسف) تو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ تقسیم فقراء ذوی القربیٰ کے لئے مخصوص ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فائدہ:

ذوی القربیٰ کی تعیین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمادی کہ بنو ہاشم تو آپ کا اپنا قبیلہ ہی تھا بنو عبد المطلب کو بھی ان کے ساتھ اس لئے شامل فرمالیا تھا کہ یہ لوگ بھی جاہلیت واسلام میں کبھی بنو ہاشم سے الگ نہیں ہوئے یہاں تک کہ قریش مکہ نے جب غذائی مقاطعہ بنو ہاشم کا کیا اور انکو شعب ابی طالب میں بند کر دیا تو بنو عبد المطلب کو اگرچہ قریش نے مقاطعہ میں داخل نہیں کیا تھا مگر یہ لوگ اپنی رضامندی سے مقاطعہ میں شریک ہو گئے (مظہری)

غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا گیا

آیت مذکورہ میں بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ سب سے پہلے مادی اور ظاہری طور پر مسلمانوں کی واضح فتح اور کفار کی عبرتناک شکست اس دن میں ہونے کی بنا پر کفر واسلام کا ظاہری فیصلہ بھی اس دن ہو گیا۔ حاصل یہ ہے کہ آیت اکتالیس میں ساتویں دفعہ بیان فرمائی ہے کہ مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنا ہے۔ چار حصے مجاہدین اور پانچویں حصہ کی مدات اس آیت میں مذکور ہیں جن کی تفصیل ماسبق میں بیان ہو گئی ہے اور بقیہ احادیث میں آرہی ہیں۔

مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت کرنے کا بیان

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ رَاٰی ضَعْفَنَا وَ عَجْزَنَا فَطَیَّبَهَا لَنَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم سے پہلے غنیمت کا مال کسی کو حلال نہ تھا خداوند تعالی نے جب ہم کو کمزور نحیف دیکھا تو اس کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَیْنٍ فَلَمَّا الْتَقَیْنَا کَانَتْ لِلْمُسْلِمِیْنَ جَوْلَةٌ فَرَاَیْتُ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَضَرَبْتُهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ عَلٰی حَبْلِ عَاتِقِهٖ بِالسَّیْفِ فَقَطَعْتُ الدِّرْعَ وَ اَقْبَلَ عَلَیَّ فَضَمَّنِیْ ضَمَّةً وَ جَدْتُ مِنْهَا رِیْحَ الْمَوْتِ ثُمَّ اَدْرَکَهُ الْمَوْتُ فَاَرْسَلَنِیْ فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ فَقَالَ اَمْرُ اللهِ ثُمَّ رَجَعُوْا وَ جَلَسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا لَهٗ عَلَیْهِ بَیِّنَةٌ فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقُلْتُ مَنْ یَّشْهَدُ لِیْ ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُلْتُ مَنْ یَّشْهَدُ لِیْ ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُمْتُ فَقَالَ مَالَكَ یَا اَبَا قَتَادَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ وَ سَلَبُهٗ عِنْدِیْ فَاَرْضِهٖ مِنِّیْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ لَاهَا اللهِ اِذًا لَا یَعْمِدُ اِلٰی اَسَدٍ مِنْ اُسْدِ اللهِ یُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَیُعْطِیْكَ سَلَبَهٗ فَقَالَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَاعْطِهِ فَاَعْطَانِيْهِ فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِيْ بَنِيْ سَلِمَةَ فَاِنَّهٗ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهٗ فِي الْاِسْلَامِ متفق عليه.

حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ حنین کے سال میں (یعنی فتح مکہ کے بعد) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے چلے جب ہم کافروں سے معرکہ آرا ہوئے تو مسلمان کو شکست کی سی صورت نظر آئی میں نے دیکھا کہ ایک کافر ایک مسلمان پر قابو پا گیا ہے میں نے پیچھے سے کافر پر تلوار ماری جو اس کی گردن کی رگ پر پڑی اور اس کی زرہ کو کاٹ ڈالا وہ مجھ پر جھپٹ پڑا اور مجھ کو پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ موت کا مزہ آگیا پھر موت نے اس کو پکڑ لیا اور اس نے مجھ کو چھوڑ دیا پھر میری ملاقات عمر بن خطابؓ سے ہوئی میں نے کہا لوگوں کا کیا حال ہے (کہ دشمن کے سامنے سے بھاگ رہے ہیں) انہوں نے کہا خدا کا یہی حکم ہے اس کے بعد مسلمان (شکست کھا کر) واپس چلے آئے اور ایک موقع پر بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو اور اس پر گواہ رکھتا ہو اس کے سامان کا وہی مالک ہے میں نے اپنے دل میں کہا میری گواہی کون دے گا کہ (میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے) آخر میں خاموش بیٹھ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہیں الفاظ کا اعادہ کیا میں نے پھر اپنے دل میں کہا میری گواہی کون دے گا میں پھر خاموش بیٹھ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر (تیسری مرتبہ) ان الفاظ کا اعادہ فرمایا میں فوراً کھڑا ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا ابو قتادہؓ! کیا ہے میں نے واقعہ عرض کیا ایک شخص نے میرے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ اس مشرک کا سامان میرے

پاس ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے عرض کیا کہ آپ اس معاملہ میں ابو قتادہؓ کو راضی کر دیجئے (یعنی اس مشرک کے اسباب کے بدلے مجھ سے کچھ اور دلوا دیجئے یا اسباب پر دونوں کے درمیان مصالحت کرا دیجئے) ابو بکرؓ نے کہا نہیں یوں نہیں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خدا کے اس شیر (ابو قتادہؓ) کی طرف اس معاملہ میں (اس کی مرضی کے خلاف) کوئی ارادہ نہ کریں۔ ابو قتادہ خدا کے شیروں میں سے ایک شیر ہے اور خدا اور رسول خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے لڑتا ہے ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ اس کا سامان تجھ کو دے دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابو بکر کی بات سن کر) فرمایا ابو بکر نے سچ کہا تو اس مشرک کا سامان ابو قتادہ کو دے دے اس شخص نے اس کافر کا سامان مجھ کو دے دیا جس سے میں نے ایک باغ خریدا جو قبیلہ بنی سلمہ میں واقع ہے اور یہ پہلا مال تھا جس کو میں نے اسلام لانے کے بعد جمع کیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْھَمَ لِلرَّجُلِ وَ لِفَرَسِہٖ ثَلٰثَۃَ اَسْھُمٍ سَھْمًا لَہٗ وَسَھْمَیْنِ لِفَرَسِہٖ متفق علیہ۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مال غنیمت میں سے) ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے مقرر فرمائے یعنی ایک حصہ آدمی کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ یَزِیْدَ بْنِ ھُرْمُزَ قَالَ کَتَبَ نَجْدَۃُ الْحَرُوْرِیُّ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ یَسْئَالُہٗ عَنِ الْعَبْدِ وَالْمَرْاَۃِ یَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ ھَلْ یُقْسَمُ لَھُمَا

فَقَالَ لِيَزِيْدَ اُكْتُبْ اِلَيْهِ اَنَّهُ لَيْسَ لَهُمَا سَهْمٌ اِلَّا اَنْ يُحْذَيَا وَ فِي رِوَايَةٍ كَتَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّكَ كَتَبْتَ تَسْأَلُنِيْ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ بِالنِّسَآءِ وَ هَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَغْزُوْبِهِنَّ يُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى وَ يُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَ اَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ رواه مسلم.

حضرت یزید بن ہرمزؒ کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے ابن عباس کو خط لکھ کر یہ دریافت کیا کہ غلام اور لونڈی کو بھی مال غنیمت میں سے کچھ دیا جائے (جبکہ وہ جہاد میں شریک ہوں) یا نہیں ابن عباسؓ نے یزیدؒ سے کہا کہ اس کے جواب میں یہ لکھ بھیجو کہ غلام اور لونڈی کا مال غنیمت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہے ان کو کچھ دے دیا جائے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ابن عباس نے جواب میں یہ لکھا کہ تم مجھ سے یہ دریافت کرتے ہو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں شرکت کے لئے عورتوں کو لے جایا کرتے تھے اور کیا (مال غنیمت میں) ان کا کوئی حصہ مقرر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں لے جایا کرتے تھے وہ مریضوں کی تیمار داری کرتی تھیں اور ان کو مال غنیمت میں سے کچھ دیا جایا کرتا تھا لیکن آپ نے ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا تھا۔ (مسلم)

وَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرِهٖ مَعَ رَبَاحٍ غُلَامِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا مَعَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا اِذَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ الْفَزَارِيُّ قَدْ اَغَارَ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَلٰى اَكَمَةٍ فَاسْتَقْبَلْتُ

الْمَدِيْنَةِ فَنَادَيْتُ ثَلٰثًا يَا صَبَاحَاهُ ثُمَّ خَرَجْتُ فِیْ اٰثَارِ الْقَوْمِ اَرْمِيْهِمْ بِالنَّبْلِ وَ ارْتَجِزُ اَقُوْلُ اَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ وَ الْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ فَمَا زِلْتُ اَرْمِيْهِمْ وَ اَعْقِرُ بِهِمْ حَتّٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ بَعِيْرٍ مِنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا خَلَّفْتُهُ وَرَاءَ ظَهْرِیْ ثُمَّ اتْبَعْهُمْ اَرْمِيْهِمْ حَتّٰى اَلْقَوْا اَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثِيْنَ بُرْدَةً وَ ثَلٰثِيْنَ رُمْحًا يَسْتَخِفُّوْنَ وَلَا يَطْرَحُوْنَ شَيْئًا اِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ اٰرَامًا مِنَ الْحِجَارَةِ يَعْرِفُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُهُ حَتّٰى رَاَيْتُ فَوَارِسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحِقَ اَبُوْقَتَادَةَ فَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَتَلَهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ اَبُوْقَتَادَةَ وَ خَيْرُ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ اَعْطَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمَ الْفَارِسِ وَ سَهْمَ الرَّاجِلِ فَجَمَعَهُمَا لِیْ جَمِيْعًا ثُمَّ اَرْدَفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ عَلَى الْعَضْبَاءِ رَاجِعِيْنَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ رواه مسلم.

حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کے ساتھ اپنی سواری کے اونٹ بھیجے میں بھی رباح کے ساتھ تھا جب صبح ہوئی تو عبدالرحمٰن فزاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لوٹ لیا۔ میں ایک ٹیلہ پر چڑھ گیا اور مدینہ کی طرف منہ کر کے میں نے تین بار یہ آواز میں یہ الفاظ کہے خبردار ہو دشمن نے لوٹ لیا اس کے بعد میں عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے روانہ ہوا اور تیر پھینکنے اور رجزیہ الفاظ کہنے شروع کئے میں کہتا تھا میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن برے

آدمیوں یعنی کافروں کی ہلاکت کا دن ہے میں برابر تیر مارتا اور دشمن کی جو سواریاں ملتی جاتیں ان کی کونچیں کاٹتا جا رہا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ ملنا شروع ہوئے جو اونٹ راستہ میں ملتا میں اس کو وہیں چھوڑ دیتا اور آگے بڑھتا غرض ایک ایک کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اونٹ میں نے اپنے پیچھے چھوڑ دیئے پھر دشمنوں نے چادریں اور نیزے ڈالنا شروع کیئے تاکہ وہ ہلکے ہو جائیں اور آسانی سے بھاگ سکیں یہاں تک کہ انہوں نے تیں چادریں اور تیں نیزے پھینک دیئے۔ میں ان چادروں اور نیزوں پر نشان کے پتھر رکھتا جاتا تھا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ تشریف لائیں تو شناخت کر لیں مختصر یہ کہ میں نے ان کا پیچھے دور تک کیا یہاں تک کہ میری نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری پر پڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا آج کے دن ہمارے سواروں کا بہترین سوار ابو قتادہ ہے اور پیدلوں کا بہترین پیدل سلمہ بن اکوع ہے راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو (سلمہ کو) دو حصے مرحمت فرمائے یعنی ایک حصہ سوار کا اور ایک پیدل کا اور دونوں حصے میرے لئے جمع کیئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا جس کا نام عضباء تھا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِاَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوٰى قِسْمَةِ عَامَّةِ الْجَيْشِ متفق عليه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو جن کو لشکروں میں بھیجا کرتے تھے خاص طور پر ہم پر عام حصہ سے کچھ زیادہ دے دیا کرتے تھے۔

وَعَنْهُ قَالَ نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْلًا سِوٰى نَصِيْبِنَا مِنَ الْخُمُسِ فَاَصَابَنِيْ شَارِفٌ الْمُسِنُّ الْكَبِيْرُ متفق عليه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اس حصہ کے علاوہ جو خمس میں سے ہم کو ملا تھا کچھ زیادہ مرحمت فرمایا اور مجھ کو ایک بوڑھی اونٹنی ملی۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْهُ قَالَ ذَهَبَتْ فَرَسٌ لَهُ فَاَخَذَهَا الْعَدُوُّ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرُدَّ عَلَيْهِ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَبَقَ عَبْدٌ لَهُ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَدَّ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رواه البخاری.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کا گھوڑا بھاگ گیا اور دشمنوں نے اس کو پکڑ لیا جب کافروں پر مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا تو وہ گھوڑا (مال غنیمت میں شامل کیا گیا) ابن عمر کو دے دیا گیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ابن عمر کا غلام بھاگ گیا اور روم چلا گیا پھر مسلمانوں نے رومیوں پر فتح حاصل کی خالد بن ولید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس غلام کو ابن عمر کو واپس دے دے۔ (بخاری)

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ اَنَا وَعُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ اِلَى

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَعْطَيْتَ بَنِى الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَ تَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْكَ فَقَالَ اِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ وَ بَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ وَ بَنِيْ نُوْفَلٍ شَيْئًا رواه البخاری.

حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں اور عثمان بن عفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے جبیر کے خمس میں سے بنی مطلب کو حصہ دیا اور ہم کو نہیں دیا حالانکہ ہم اور وہ دونوں ایک مرتبہ کے ہیں (یعنی بنی مطلب اور بنو ہاشم دونو ایک ہی ہیں (آپ نے فرمایا بے شک بنو مطلب اور بنو ہاشم ایک ہیں جبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد الشمس اور بنو نوفل کو تقسیم میں سے کچھ نہیں دیا۔ (بخاری)

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا قَرْيَةٍ اَتَيْتُمُوْهَا وَ اَقَمْتُمْ فِيْهَا فَسَهْمُكُمْ فِيْهَا وَ اَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَاِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ رواه مسلم.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس آبادی میں تم جاؤ اور وہاں قیام کرو (اور وہاں کے لوگ صلح کے بعد اس آبادی کو خالی کر دیں) تو جو کچھ اس کے اندر وہ تمہارا حصہ ہے اور جس آبادی نے خدا اور سول کی نافرمانی کی (اور تم نے لڑ کر اس پر قبضہ کیا) اتو اس کے مال میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسول کے لئے ہے پھر جو باقی بچے وہ تمہارا ہے۔

(مسلم)

وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ رِجَالًا یَتَخَوَّضُوْنَ فِیْ مَالِ اللهِ بِغَیْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رواہ البخاری۔

حضرت خولہ انصاریہؓ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے بعض لوگ خدا کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔(بخاری)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَذَکَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِیَاحٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ متفق علیه۔ وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَهُوَ اَتَمُّ۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور مال غنیمت میں خیانت کا ذکر کیا آپ نے اس کو سخت گناہ بتایا اور پھر فرمایا میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو اور وہ بتلا ہو (یعنی جو شخص مثلاً اونٹ کو غنیمت کے مال میں سے خیانت کر کے لے گا تو قیامت کے دن وہ اونٹ اس کی گردن پر سوار ہوگا) اور وہ پھر مجھ سے یہ کہے کہ اے خدا کے رسول میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میرا جو کچھ فرض تھا میں دنیا میں تم تک پہنچا چکا ہوں اور میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہنہناتا ہوا اور وہ کہے کہ یارسول اللہ میری فریاد رسی کیجئے (یعنی میری سفارش فرمادیجئے اور میں یہ کہوں کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں نے تجھ کو شریعت کے احکام پہنچادیئے اور میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری ہو اور ممیاتی ہو (یعنی چلاتی ہو) اور وہ کہے کہ یارسول اللہ میری مدد فرمایئے اور میں یہ کہوں کہ تیرے لئے اب میں کچھ نہیں کر سکتا میں اپنا پیام تجھ تک پہنچا چکا اور میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر آدمی (غلام یا لونڈی) ہو اور وہ چلاتا ہو اور وہ کہے کہ یارسول اللہ مجھ کو اس سے چھایئے اور میری فریاد کو پہنچیے اور میں یہ کہوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا میں نے تجھ تک شریعت کے احکام پہنچادیا اور میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کپڑے ہوں اور

حرکت کرتے ہوں اور وہ مجھ سے کہے یارسول اللہ میری سفارش کردیجئے اور میں یہ کہوں کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتا میں نے شریعت تجھ تک پہنچادی اور میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سونا چاندی ہو اور وہ کہے کہ یارسول اللہ میری مدد فرمائیے اور میں یہ کہوں کہ تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتا میں شریعت کے احکام تجھ تک پہنچا چکا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْهُ قَالَ اَهْدٰی رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا یُقَالُ لَهٗ مِدْعَمٌ فَبَیْنَمَا مِدْعَمٌ یَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَهٗ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ النَّاسُ هَنِیْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِیْ اَخَذَهَا یَوْمَ خَیْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَیْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِکَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاکٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاکٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاکَانِ مِنْ نَارٍ متفق علیه.

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک غلام جس کا نام مدعم تھا رسول اللہ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا یہ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کجاوہ کو (ایک روز) اتار رہا تھا کہ اس کو ایک تیر آکر لگا جس کے پھینکنے والے کا پتہ نہ تھا اور مدعم مر گیا لوگوں نے کہا مدعم کو جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چادر جس کو مدعم نے خیبر کے دن مال غنیمت کی

تقسیم سے پہلے لے لیا تھا آگ کے شعلے بن کر مدعم پر بھڑک رہی ہے لوگوں نے آپ کے ان الفاظ کو سنا (تو اس وعید سے ڈر گئے) چنانچہ فوراً ایک شخص ایک یا دو تسمے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا (جن کو معمولی سی چیز سمجھ کر) اس نے مال غنیمت میں سے لے لیا تھا آپ نے فرمایا یہ تسمہ یا تسمے آگ کے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کَانَ عَلٰی ثَقَلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ کِرْکِرَۃُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ فِی النَّارِ فَذَھَبُوْا یَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَۃً قَدْ غَلَّھَا رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب کا ایک شخص محافظ یا داروغہ تھا جس کا نام کرکرہ تھا وہ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کے اندر ہے لوگوں نے اس کے سامان کو دیکھا تو اس میں ایک کملی پائی جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا تھا۔ (بخاری)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا نُصِیْبُ فِیْ مَغَازِیْنَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ فَنَاْکُلُہٗ وَلَا نَرْفَعُہٗ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوات میں شہد اور انگور کو پاتے تو کھا لیتے تھے لیکن اپنے ساتھ نہ لے جاتے تھے کھانے کی چیزوں میں سے بقدر ضرورت دار الحرب میں کھا لینا جائز ہے۔ (بخاری)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ اَصَبْتُ جِرَابًا مِّنْ شَحْمٍ یَوْمَ خَیْبَرَ

فَالْتَزَمْتُهُ فَقُلْتُ لَا اُعْطِيَ الْيَوْمَ اَحَدًا مِنْ هٰذَا شَيْئًا فَالْتَفَتُّ فَاِذَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ اِلَيَّ متفق عليه وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا اُعْطِيْكُمْ فِيْ بَابِ رِزْقِ الْوُلَاةِ.

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ خیبر کے دن مجھ کو چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی ملی میں نے اس کو اٹھالیا اور اپنے دل میں کہا یا زبان سے کہ آج میں اس چربی میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا میں میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے مسکرا رہے تھے یعنی میرے اس فعل پر تبسم فرمارہے تھے (بخاری و مسلم اور ابوہریرہ کی حدیث "ما اعطیکم" الخ رزق الولاۃ کے باب میں بیان کی جاچکی ہے۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللهَ فَضَّلَنِيْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ اَوْ قَالَ فَضَّلَ اُمَّتِيْ عَلَى الْاُمَمِ وَ اَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ رواه الترمذی.

حضرت ابی امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خداوند تعالی نے مجھ کو انبیاء پر فضیلت بخشی ہے یا آپ نے یہ فرمایا کہ خدا نے میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت بخشی ہے اور مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا ہے۔ (ترمذی)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِيْ يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقَتَلَ اَبُوْطَلْحَةَ يَوْمَئِذٍ عِشْرِيْنَ رَجُلًا وَ اَخَذَ اَسْلَابَهُمْ رواه الدارمی.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے

دن فرمایا جو شخص کسی کافر کو قتل کرے اسی کا اسباب اسی کے لئے ہے ابو طلحہ ؓ نے اسی روز بیس آدمیوں کو مارا اور ان کے سامان کو لے لیا۔ (دارمی)

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي السَّلَبِ لِلْقَاتِلِ وَلَمْ يُخَمِّسِ السَّلَبَ رواہ ابو دائود۔

حضرت عوف ؓ بن مالک اشجعی اور خالد ؓ بن ولید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے سامان کے متعلق یہ حکم دیا کہ وہ قاتل کے لئے ہے اور اس مال میں سے خمس نہیں نکالا۔ (ابو داوٗد)

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَفَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَيْفَ اَبِيْ جَهْلٍ وَ كَانَ قَتَلَهٗ رواہ ابو دائود۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے حصے سے) زیادہ مجھ کو ابو جہل کی تلوار دی اور ابو جہل کو سعود نے قتل کیا تھا۔ (ابو داوٗد)

وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اَبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِيْ فَكَلَّمُوْا نِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَلَّمُوْهُ اَنِّيْ مَمْلُوْكٌ فَاَمَرَلِيْ فَقُلِّدْتُ سَيْفًا فَاِذَا اَنَا اَجُرُّهٗ فَاَمَرَلِيْ بِشَيْئٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ وَ عَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ اَرْقِيْ بِهَا الْمَجَانِيْنَ فَاَمَرَنِيْ بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَ حَبْسِ بَعْضِهَا رواہ الترمذی و ابو دائود اِلَّا اَنَّ رِوَايَتَهٗ اِنْتَهَتْ عِنْدَ قَوْلِهِ الْمَتَاعِ۔

حضرت ابی اللحم کے آزاد کردہ غلام عمیر ؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے مالکوں

کے ساتھ خیبر کی لڑائی میں شریک ہوا۔ میرے مالکوں نے میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور بتایا کہ میں ان کا غلام ہوں پس آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں ہتھیار باندھوں (اور مجاہدوں کے ساتھ رہوں چنانچہ میرے جسم پر تلوار باندھی گئی (میرا قد چونکہ چھوٹا تھا) اس لئے میں تلوار کو گھسیٹتا ہوا چلتا تھا اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تھوڑا مال اس کو بھی دو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک منتر پیش کیا (یعنی پڑھ کر سنایا جس کو میں مجنوں و دیوانہ پر پڑھا کرتا تھا۔ آپؐ نے مجھ کو حکم دیا کہ اس کا اتنا حصہ موقوف کردو اور اتنا باقی رکھو (ترمذی)

وَعَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ قَالَ قُسِمَتْ خَيْبَرُ عَلٰى أَهْلِ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَسَمَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَكَانَ الْجَيْشُ أَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةٍ فِيْهِمْ ثَلٰثمِائَةِ فَارِسٍ فَأَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا رَوَاهُ ابوداود وَقَالَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ أَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَأَتَى الْوَهْمُ فِيْ حَدِيْثِ مُجَمِّعٍ أَنَّهُ قَالَ ثَلَاثَمِائَةِ فَارِسٍ وَإِنَّمَا كَانُوْا مِائَتَيْ فَارِسٍ۔

حضرت مجمع بن جاریہؓ کہتے ہیں کہ خیبر کا مال غنیمت اور زمین ان لوگوں پر تقسیم کی گئی جو حدیبیہ کی صلح میں شریک تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اٹھارہ حصے کے لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی جس میں تین سو سوار تھے سوار کو آپ نے دو حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ۔ (ابوداؤد)

ابو داؤد نے کہا کہ حدیث ابن عمر کی صحیح تر ہے اور اسی پر اکثر ائمہ کا عمل ہے اور حضرت مجمع ابن جاریہ کی حدیث میں گمان ہے کہ تین سو سوار نہ تھے بلکہ دو سو سوار تھے۔

وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْاءَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ رواه ابو دائود.

حضرت حبیبؓ بن مسلمہ الفہریؓ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جنگ میں سب سے پہلے حصے لیا تھا چوتھائی مال غنیمت دیا اور ان لوگوں کو جو لشکر کی واپسی پر دشمن کے مقابلہ میں رہتے تھے تہائی مال دیا۔ (ابو داؤد)

وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ يُنَفِّلُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَالثُّلُثَ بَعْدَ الْخُمُسِ إِذَا قَفَلَ رواه ابو داود.

حضرت حبیب بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس نکالنے کے بعد سب سے پہلے لڑنے والوں کو چوتھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور واپسی کے بعد لڑنے والوں کو تہائی زیادہ دیتے تھے۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ أَبِي الْجُوَيْرِيَّةِ الْجَرْمِيِّ قَالَ أَصَبْتُ بِأَرْضِ الرُّومِ جَرَّةً حَمْرَاءَ فِيهَا دَنَا نِيْرُ فِي إِمْرَةِ مُعَاوِيَةَ وَعَلَيْنَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ يُقَالُ لَهُ مَعْنُ بْنُ يَزِيدَ فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَعْطَانِي مِنْهَا مِثْلَ مَا أَتَى رَجُلاً مِنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُوْلُ لَا نَفَلَ اِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ لَاَعْطَيْتُكَ رواه ابو دائود.

حضرت ابی الجویریہ جرمیؒ کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کی خلافت کے ایام میں میں نے روم کی زمین میں ایک سرخ رنگ کی ٹھلیا پائی جس میں دینار بھرے ہوئے تھے اور ہمارا سردار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک شخص تھا جو قبیلہ بنی سلیم میں سے تھا اور جس کا نام معن بن یزید تھا میں اس ٹھلیا کو اپنے سردار کے پاس لے آیا سردار نے ان دیناروں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور مجھ کو بھی اتنا ہی دیا جتنا اور کسی شخص کو دیا تھا اور پھر کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ زیادہ دینا خمس کے بعد ہوتا ہے (یعنی اس مال میں سے کسی کو زیادہ دیا جا سکتا ہے) جس میں سے خمس نکالا جائے اور یہ مال چونکہ قہر و غلبہ سے حاصل نہیں کیا گیا ہے اس لئے اس میں سے خمس نکالا جا سکتا) تو میں ضرور تجھ کو اس مال میں سے کچھ زیادہ دیتا۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَدِمْنَا فَوَافَقْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ فَاَسْهَمَ لَنَا اَوْ قَالَ فَاَعْطَانَا مِنْهُمْ وَمَا قَسَمَ لِاَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهُ اِلَّا اَصْحَابَ سَفِيْنَتِنَا جَعْفَرًا وَ اَصْحَابَهُ اَسْهَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ رواه ابو دائود.

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم (حبشہ سے) واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر کو فتح کر چکے تھے آپ نے مال غنیمت میں سے ہم کو بھی حصہ دیا یا ابو موسی نے یہ کہا کہ خیبر کی

مال غنیمت میں سے ہم کو بھی دیا اور کسی ایسے شخص کو جو خیبر کی فتح کے وقت غائب تھا حصہ نہیں دیا مگر اس شخص کو جو آپ کے ساتھ حاضر تھا البتہ ہماری کشتی والوں کو یعنی جعفر اور ان کے ساتھیوں کو ان کے حصے دیئے۔

(ابوداؤد)

وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ففتشنا مَتَاعَهٗ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُوْدٍ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ — رواه مالك و ابوداؤد والنسائی.

حضرت یزید بن خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے خیبر کے دن ایک شخص مر گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم لوگ اپنے ساتھی کے جنازہ پر نماز پڑھو یہ سن کو خوف سے لوگوں کے چہروں کا رنگ بدل گیا آپ نے اس تغیر کو ملاحظہ کر کے فرمایا تمہارے ساتھی نے خدا کی راہ میں (یعنی مال غنیمت میں) خیانت کی ہے ہم نے اس کے اسباب کی تلاشی لی تو اس میں یہودی عورتوں کے پہننے کے پوتھوں کو پایا جن کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ تھی۔

(مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی)

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ غَنِيْمَةً اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِي النَّاسِ فَيَجِيْئُوْنَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهٗ وَيَقْسِمُهٗ فَجَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِنْ

شَعْرٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَا فِيْمَا كُنَّا اَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيْمَةِ قَالَ اَسَمِعْتَ بِلَالًا نَادٰى ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَجِيْءَ بِهٖ فَاعْتَذَرَ قَالَ كُنْ اَنْتَ تَجِيْءُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَلَنْ اَقْبَلَهُ عَنْكَ رواه ابو داود)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مال غنیمت کی تقسیم کا ارادہ فرماتے تو بلال کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں چنانچہ وہ مال غنیمت کی تقسیم کا اعلان کر دیتے اور لوگ اپنی اپنی غنیمتیں لے آتے آپ سارے مال میں سے پانچواں حصہ نکال دیتے اور پھر تقسیم فرمادیتے۔ایک دفعہ ایک شخص خمس نکالنے اور تقسیم کرنے کے بعد بالوں کی ایک رسی لایا اور عرض کیا یارسول اللہ یہ مال غنیمت میں کی چیز ہے جو ہم کو ملی تھی۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے بلال کے اعلان کو سنا تھا جو اس نے تین بار کیا تھا اس نے کہا ہاں فرمایا پھر تو اس کو اس وقت کیوں نہیں لایا" اس نے کچھ عذر کیا آپ نے فرمایا تو اسی حالت پر قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا۔ میں ہرگز ہرگز تجھ سے اس رسی کو نہ لوں گا۔(ابوداؤد)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ وَ اَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ حَرَّقُوْا مَتَاعَ الْغَالِّ وَ ضَرَبُوْهُ رواه ابو دائود.

حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابو بکرؓ نے اور حضرت عمر نے خیانت کرنے والے کے مال کو جلادیا اور اس کو مارا۔(ابوداؤد)

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَكْتُمْ غَالًّا فَاِنَّهٗ مِثْلُهٗ رواه ابو داؤد.

حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو خیانت کرنے والے کو چھپاتا ہے تو اسی کی طرح ہے۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَى الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ– رواه الترمذی.

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم سے پہلے اس کو خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ (دارمی)

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى اَنْ تُبَاعَ السِّهَامُ حَتّٰى تُقْسَمَ–رواه الدارمی.

حضرت ابی امامہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے تقسیم سے پہلے اس کے حصوں کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ هٰذِهِ الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَصَابَهٗ بِحَقِّهٖ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيْمَا شَاءَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَيْسَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا النَّارُ– رواه الترمذی.

حضرت خولہ بنت قیسؓ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ مال سبز ہے اور شیریں یعنی مال غنیمت پسندیدہ چیز ہے جس شخص کو یہ حق کے طور پر ملے اس کے لئے اس میں برکت دی جاتی ہے اور بہت سے لوگ ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کے مال میں سے (یعنی مال

غنیمت میں سے) جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے اپنے تصرف میں لے آتے ہیں قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لئے صرف دوزخ کی آگ ہے۔

(ترمذی)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَیْفَہٗ ذَاالْفِقَارِ یَوْمَ بَدْرٍ. رواہ ابن ماجہ و زاد الترمذی وَھُوا لَّذِیْ رَاٰی فِیْہِ الرُّؤیَا یَوْمَ اُحُدٍ.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن (اپنی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا اپنے حصہ سے زیادہ لی۔ (ابن ماجہ)

اور ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ تلوار وہ تھی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن خواب میں دیکھا تھا۔

وَعَنْ رُوَیْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَرْکَبُ دَابَّۃً مِنْ فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَعْجَفَھَا رَدَّھَا فِیْہِ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَلْبَسُ ثَوْبًا مِنْ فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَخْلَقَہٗ رَدَّہٗ فِیْہِ۔ رواہ ابو داود.

حضرت رویفع بن ثابتؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا پر اور آخرۃ کے دن پر ایمان رکھتا ہو (وہ مشترک مال غنیمت کی کسی سواری پر سوار نہ ہو اور جب وہ دبلی ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کردے اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مشترک مال غنیمت کا کوئی کپڑا نہ پہنے اور جب وہ پرانا ہو جائے تو اس کو واپس

کر دے۔ (ابو داؤد)

وَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِی الْمُجَالِدِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قُلْتُ هَلْ کُنْتُمْ تُخَمِّسُوْنَ الطَّعَامَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصَبْنَا طَعَامًا یَوْمَ خَیْبَرَ وَ کَانَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ فَیَاخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا یَکْفِیْهِ ثُمَّ یَنْصَرِفُ — رواہ ابو دائود۔

حضرت محمد بن ابی المجالدؓ عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھانے کی چیزوں میں سے پانچواں حصہ نکالا کرتے تھے انھوں نے کہا ہم کو خیبر کے دن کھانے کی چیزیں ملیں ہر ایک شخص آتا اور ان سے بقدر ضرورت لے جاتا تھا۔ (ابو داؤد)

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ جَیْشًا غَنِمُوْا فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا وَ عَسَلًا فَلَمْ یُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسُ — رواہ ابو دائود۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لشکر مال غنیمت میں سے کھانا اور شہد لایا۔ اس لشکر سے پانچواں حصہ اس میں سے نہ لیا گیا۔ (ابو داؤد)

وَ عَنِ الْقَاسِمِ مَوْلٰی عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنَّا نَاْکُلُ الْجُزُوْرَ فِی الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهٗ حَتّٰی اِذَا کُنَّا لَنَرْجِعُ اِلٰی رِحَالِنَا وَ اَخْرِجَتُنَا مِنْهُ مَمْلُوَّةً —رواہ ابو داو د۔

حضرت قاسمؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم غزوات میں اونٹوں کا گوشت کھایا کرتے اور تقسیم نہ کرتے تھے (یعنی مال غنیمت کی طرح تقسیم نہ کرتے تھے) یہاں تک کہ جب ہم اپنے ڈیروں خیموں کو واپس آتے اور ہماری خورجیاں گوشت سے بھری ہوئی تھیں۔(ابوداؤد)

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَدُّوا الْخِيَاطَ وَ الْمخيَطَ وَ اِيَّاكُمْ وَ الْغُلُوْلَ فَاِنَّهٗ عَارٌ عَلٰى اَهْلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ —رواه الدارمي و رواه النسائي عن عمر و بن شعيب بن ابيه عن جده.

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے (مال غنیمت میں سے) سوئی اور تاگا (بھی) ادا کرو اور خیانت سے بچو اس لئے کہ خیانت کرنا قیامت کے دن خیانت کرنے والا پر بار ہوگا۔(دارمی)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَنَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعِيْرٍ فَاَخَذَ وَبْرَةً مِنْ سَنَامِهٖ ثُمَّ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَيْسَ لِیْ مِنْ هٰذَا الْفَيْئِ شَيْئٌ وَلَا هٰذَا وَرَفَعَ اِصْبَعَهٗ اِلَّا الْخُمُسُ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ فَاَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمخيَطَ فَقَامَ رَجُلٌ فِیْ يَدِهٖ كُبَّةٌ فِیْ شَعْرٍ فَقَالَ اَخَذْتُ هٰذِهٖ لِاُصْلِحَ بِهَا بَرْذَعَةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا مَاكَانَ لِیْ وَلِبَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ اَمَّا اِذَا بَلَغَتْ مَا اَرٰى فَلَا اَرَبَ لِیْ فِيْهَا وَ نَبَذَهَا— رواه ابوداود.

حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے قریب تشریف لائے اور اس کے کوہان میں سے تھوڑے سے بال لئے اور پھر فرمایا لوگو مال فئ میں سے میرے لئے کچھ نہیں ہے اور نہ یہ اور کہہ کر آپ نے کوہان کے ان بالوں کو دکھایا جو آپؐ کی انگلی میں تھے مگر پانچواں حصہ (میرا ہے یعنی خدا اور اس کے رسول کا) اور یہ پانچواں حصہ بھی تمہیں پر خرچ کیا جاتا ہے پس تم (مال غنیمت میں سے جو تمہارے پاس ہو اور ابھی تقسیم نہ کیا گیا ہو سوئی اور تاگا بھی دے دو (یہ سن کر) ایک شخص کھڑا ہوا جس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ایک ٹکڑا تھا اور عرض کیا "میں نے رسی کا یہ ٹکڑا اس لئے اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ میں اس سے اپنے پالان کے نیچے کی کملی کو درست کر لوں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی رسی میں جس قدر میرا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ ہے اس کو میں نے تیرے لئے معاف کر دیا" اس شخص نے عرض کیا یہ رسی جب اس حد تک پہنچ گئی (یعنی اس درجہ کے گناہ تک) تو مجھ کو اس کی ضرورت نہیں" یہ کہہ کر اس نے رسی کو پھینک دیا۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَعِيْرٍ مِنَ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ وَبَرَةً مِنْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ ثُمَّ قَالَ وَلَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِثْلُ هٰذَا اِلَّا الْخُمُسُ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ رواه ابو داود۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مال غنیمت کے ایک اونٹ کی طرف نماز پڑھائی (یعنی اونٹ کو قبلہ رخ

سامنے بٹھا کر) سترہ کے طور پر جب آپؐ نے سلام پھیرا تو اونٹ کے پہلو سے تھوڑی سی اون اکھاڑی اور لوگوں کو دکھا کر فرمایا تمہاری غنیمتوں میں سے میرے لئے اتنی چیز بھی حلال نہیں ہے مگر پانچواں حصہ بھی تمہاری ضرورتوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَوِي الْقُرْبٰى مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَتَيْتُهُ اَنَا وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ هٰؤُلَاءِ اِخْوَانُنَا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ لَا نُنْكِرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِيْ وَضَعَكَ اللهُ مِنْهُمْ اَرَاَيْتَ اِخْوَانَنَا مِنْ بَنِيْ الْمُطَّلِبِ اَعْطَيْتَهُمْ وَ تَرَكْتَنَا وَ اِنَّمَا قَرَابَتُنَا وَ قَرَابَتُهُمْ وَاحِدَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ وَ بَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ رواه الشافعي و في روايته ابي دائود والنسائي نحوه وَ فِيْهِ اَنَا وَ بَنِي الْمُطَّلِب لَا نَفْتَرِقُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَ اِنَّمَا نَحْنُ وَ هُمْ شَيْءٌ وَاحِدٌ وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کا حصہ (مال غنیمت میں سے) بنو ہاشم اور بنو مطلب میں تقسیم کیا (یعنی پانچواں حصہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے) تو میں (یعنی جبیرؓ راوی) اور عثمان بن عفان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے بنو ہاشم بھائیوں کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں کہ آپ ان میں پیدا ہوئے لیکن یہ تو فرمایئے کہ آپ نے ہمارے بھائیوں بنو مطلب کو تو پانچواں حصہ دیا اور ہم کو عطا نہ فرمایا

حالانکہ ہم اور وہ ایک ہی ولدا کی اولاد ہیں یعنی ان کی اور ہماری قرابت ایک ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک چیز ہیں اس طرح یہ کہہ کر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل کیں (یعنی جس طرح یہ انگلیاں باہم وصل ہیں اسی طرح) یہ دونوں خاندان ایک ہیں (شافعی) اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "میں اور بنو مطلب کبھی جدا نہیں ہوتے نہ ایام جاہلیت میں اور نہ اسلام میں یعنی ہم (بنو ہاشم) اور وہ (بنو مطلب) ایک چیز ہیں یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں۔ (بخاری)

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِی الصَّفِّ یَوْمَ بَدْرٍ فَنَظَرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَ عَنْ شِمَالِیْ فَاِذَا اَنَا بِغُلَامَیْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ حَدِیْثَةً اَسْنَانُهُمَا فَتَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ بَیْنَ اَضْلَعَ مِنْهُمَا فَغَمَزَنِیْ اَحَدُهُمَا فَقَالَ اَیْ عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ اَبَا جَهْلٍ قُلْتُ نَعَمْ فَمَا حَاجَتُكَ اِلَیْهِ یَا ابْنَ اَخِیْ قَالَ اُخْبِرْتُ اَنَّهُ یَسُبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَئِنْ رَاَیْتُهُ لَا یُفَارِقُ سَوَادِیْ سَوَادَهُ حَتّٰی یَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ قَالَ وَ غَمَزَنِی الْاٰخَرُ فَقَالَ لِیْ مِثْلَهَا فَلَمْ انشب اَنْ نَظَرْتُ اِلٰی اَبِیْ جَهْلٍ یَجُوْلُ فِی النَّاسِ فَقُلْتُ اَلَا تَرَیَانِ هٰذَا صَاحِبُکُمَا الَّذِیْ تَسَالَانِّیْ عَنْهُ قَالَ فَابْتَدَرَاهُ بِسَیْفَیْهِمَا فَضَرَبَاهُ حَتّٰی قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَاهُ فَقَالَ اَیُّکُمَا قَتَلَهُ فَقَالَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَنَا قَتَلْتُهُ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَیْفَیْکُمَا فَقَالَا لَا فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّيْفَيْنِ فَقَالاَ كِلاَ كُمَا قَتَلَهٗ وَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بِسَلْبِهٖ لِمَعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْعِ وَالرَّجُلاَنِ مَعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْعِ وَ مَعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ متفق عليه.

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن میں صف میں کھڑا تھا کہ میں نے اپنے دائیں بائیں دو انصاری لڑکوں کو دیکھا جو بالکل نو عمر تھے میں نے اپنے دل میں کہا کاش میں دو طاقتور اور تجربہ کار لوگوں کے درمیان (یعنی ان لڑکوں کو میں نے ذلیل و حقیر جانا) ناگہاں ان میں سے ایک نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور مجھ سے پوچھا۔ ''چچا'' کیا تم ابو جہل کو پہچانتے ہو (یعنی دشمنوں کی صف میں وہ کہاں کھڑا ہے اور کون سا ہے۔ میں نے کہا۔ ''ہاں (میں جانتا ہوں) بھتیجے تم اس کو کیوں دریافت کرتے ہو۔ اس نے کہا مجھ کو بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کی جلد آنے والی موت ایک کو دوسرے سے جدا نہ کرے۔ (عبدالرحمٰن راوی) کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے ان الفاظ کو سن کر میں حیران رہ گیا پھر مجھ کو دوسرے لڑکے نے ٹھوکا دیا اور مجھ سے وہی الفاظ کہے جو پہلے نے کہے تھے۔ میں نے دشمن کے گروہ میں ابو جہل کو دیکھا جو لوگوں کے درمیان پھر رہا تھا اور ان لڑکوں سے کہا تم دیکھتے ہو تمہارا مطلوب جس کو تم دریافت کر رہے ہو وہ پھر رہا ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں یہ سن کر ان دونوں لڑکوں نے اپنی تلواریں کو سونت لیا اور ابو جہل کی طرف

دوڑ پڑے اور اس کو مار ڈالا پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ سے آگاہ کیا آپ نے پوچھا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے ان میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ میں نے اس کو مارا ہے آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنی تلواریں پونچھ ڈالیں عرض کیا نہیں آپ نے دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے اور پھر آپ نے ابو جہل کے سامان کو معاذ بن عمرو بن جموع کو دلوا دیا اور وہ دونوں لڑکے جنہوں نے ابو جہل کو قتل کیا تھا معاذؓ بن عمرو بن جموع اور معاذ بن عفرا ہیں۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَاصَنَعَ اَبُوْجَهْلٍ فَانْطَلَقَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَهٗ قَدْ ضَرَبَهٗ اِبْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰى بَرَدَ قَالَ فَاَخَذَ بِلِحْيَتِهٖ فَقَالَ اَنْتَ اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فَلَوْ غَيْرُ اَكَّارٍ قَتَلَنِيْ۔ متفق علیہ۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کون ہے جو یہ معلوم کر کے آئے کہ ابو جہل نے کیا کیا (یعنی اس کا کیا حشر ہوا مارا گیا یا زندہ ہے) چنانچہ ابن مسعودؓ گئے اور میدان میں جا کر دیکھا کہ عفرا کے دو بیٹوں نے اس کو مارا ہے اور وہ قریب المرگ ہے۔ ابن مسعود نے اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا تو ابو جہل ہے۔ اس نے کہاں ہاں مرتبہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص نہیں جس کو تم قتل کرو (یعنی تم اپنے ہاتھ سے مجھ کو قتل کر دو قریش میں میرا درجہ بلند ہو جائے گا) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں

کہ ابو جہل نے کہا کاش مجھ کو کوئی غیر زراعت پیشہ قتل کرتا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَھْطًا وَّاَنَا جَالِسٌ فَتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھُمْ رَجُلًا ھُوَ اَعْجَبُھُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَکَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاہُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا ذَکَرَہٗ ذٰلِکَ سَعْدٌ ثَلٰثًا وَّاَجَابَہٗ بِمِثْلِ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَیْرُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْہُ خَشْیَۃَ اَنْ یُّکَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْھِہٖ متفق علیہ فی روایۃ لھما قَالَ الزُّھْرِیُّ فَتَرٰی اَنَّ الْاِسْلَامَ الْکَلِمَۃُ وَالْاِیْمَانُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ مال عطا فرمایا اور اس جماعت میں سے صرف ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ دیا جو میرے نزدیک ان سب میں بہتر تھا۔ (یہ دیکھ کر) میں کھڑا ہو گیا اور عرض کیا۔ "کیا ہے فلاں شخص کے لئے (کہ آپ نے اس کو کچھ نہیں دیا) خدا کی قسم میں تو اس کو مومن صادق سمجھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ کہہ کہ) میں اس کو مسلمان سمجھتا ہوں سعد نے تین بار آپ کے سامنے یہ بات کہی اور آپ نے بھی ہر بار یہی جواب دیا اور پھر فرمایا کہ میں شخص کو (مال) دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اور یہ محض اس اندیشہ سے ایسا کرتا ہوں کہ کہیں وہ شخص منہ کے بل

دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَعْنِيْ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ اِنَّ عُثْمَانَ انْطَلَقَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ وَاِنِّيْ اُبَايِعُ لَهٗ فَضَرَبَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَهْمٍ وَلَمْ يَضْرِبْ لِاَحَدٍ غَابَ غَيْرُهٗ رواه ابو داود.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن کھڑے ہو کر فرمایا عثمان خدا اور خدا کے رسول کے کام سے گیا ہوا ہے اور میں اس کے نام سے بیعت کرتا ہوں اور پھر مال غنیمت میں سے ان کا حصہ نکالا اور ان کے سوا کسی دوسرے شخص کو جو جنگ میں شریک نہ تھا حصہ نہ دیا۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ قِسْمِ الْمَغَانِمِ عَشْرًا مِنَ الشَّاءِ بِبَعِيْرٍ رواه النسائی.

حضرت رافعؓ بن خدیج کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کی تقسیم میں دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیتے تھے۔ (نسائی)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزٰى نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهٖ لَا يَتَّبِعْنِيْ رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَاَةٍ وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا وَلَا اَحَدٌ بَنٰى بُيُوْتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوْفَهَا وَلَا رَجُلٌ اشْتَرٰى غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلَادَهَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلٰوةَ الْعَصْرِ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اِنَّكِ مَاْمُوْرَةٌ وَ

اَنَا مَامُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَ تْ يَعْنِي النَّار لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ اِنَّ فِيكُمْ غُلُوْلًا فَلْيُبَا يِعْنِيْ مِنْ كُلِّ قَبِيْلَةٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ فِيكُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاءُ وْا بِرَاسٍ مِثْلَ رَاسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَ تِ النَّارُ فَاَكَلَتْهَا زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ قَبْلَنَا ثُمَّ اَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ رَاٰى ضَعْفَنَا وَ عَجْزَنَا فَاَحَلَّهَا لَنَا متفق عليه.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی (یعنی یوشعؑ بن نون) نے جہاد کا ارادہ کیا اور اپنی قوم سے کہا کہ وہ شخص میرے ساتھ نہ جائے جس نے حال میں عورت سے نکاح کیا ہو اور اپنی عورت کو اپنے گھر میں لا کر اس سے مجامعت کا ارادہ رکھتا ہو اور ابھی وہ عورت کو اپنے گھر میں نہ لایا ہو اور وہ شخص بھی میرے ساتھ نہ جائے جس نے گھر بنایا ہو اور ابھی اس کی چھت نہ ڈالی ہو اور وہ شخص بھی میرے ساتھ نہ جائے جس نے گابھن بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے کا منتظر ہو پھر یہ نبی جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور عصر کے وقت اس آبادی کے قریب پہنچے جس پر حملہ آور ہونے یا جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور کہا اے آفتاب تو بھی خدا کا مامور ہے (یعنی اس کے حکم سے چلتا ہے) اور میں بھی خدا کا مامور ہوں (یعنی جہاد کا حکم مجھ کو دیا گیا ہے (اے اللہ تو اس آفتاب کو روک لے" چنانچہ خدا نے آفتاب کو ٹھہرا دیا یہاں تک کہ خدا نے ان نبی کو فتح بخشی پھر انہوں نے مال غنیمت کو فراہم کیا آگ آئی لیکن مال غنیمت کو اس نے نہیں جلایا (گذشتہ امتوں میں یہ دستور تھا کہ مال غنیمت کو

اکٹھا کر کے جنگل میں رکھدیتے تھے آسمان سے آگ آتی اور اس کو جلادیتی اور یہ قبولیت کی علامت تھی) ان نبی نے لوگوں سے فرمایا تم میں سے کسی نے مال غنیمت کے اندر خیانت کی ہے پس تم کو چاہئے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک شخص مجھ سے بیعت کرے (چنانچہ بیعت شروع ہوئی) اور ایک شخص کا ہاتھ ان نبی کے ہاتھ سے چپک گیا ان نبی نے فرمایا تیرے قبیلہ کے اندر خیانت ہے۔ پھر اس قبلہ کے لوگ سونے کا ایک سر لائے جو بیل کی سر کی مانند تھا اور اس کو جنگل میں رکھ دیا۔ آگ آئی اور اس نے اس کو جلادیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا ہم سے پہلے کسی امت کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا پھر خداوند تعالی نے غنیمتوں کو ہمارے لئے حلال فرمادیا اس لئے کہ خداوند نے ہم کو کمزور اور ضعیف پایا اور مال غنیمت سے ہماری مدد کی۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ وَ فُلَانٌ شَهِیْدٌ حَتّٰی مَرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا اِنِّیْ رَاَیْتُهٗ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلٰثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلٰثًا. (رواہ مسلم)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ بدر

کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابی آئے اور باہم یہ کہنا شروع کیا فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شخص شہید ہے (یعنی آج فلاں فلاں شخص شہید ہوا ہے) یہاں تک کہ وہ یہ کہتے ہوئے ایک شخص کی نعش پر سے گذرے اور کہا فلاں شخص شہید ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر کہا ہرگز نہیں۔ میں نے اس شخص کو دوزخ میں میں دیکھا ہے اس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر یا ایک کملی چرائی تھی) اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے جاؤ لوگوں کے درمیان پکار کر تین بار یہ کہہ دو کہ جنت میں صرف مومن کامل ہی داخل ہوں گے عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ میں گیا اور تین بار پکار کر یہ کہا کہ جنت میں صرف مومن آدمی داخل ہوں گے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ط وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ لا وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۵ لا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ط وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَا زَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

جس وقت تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ پرلے کنارے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے، اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام جو کو مقرر ہو چکا تھا تاکہ مرے جس کو مرنا ہے

قیامت حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد اور بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے جب اللہ نے وہ کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں تھوڑے، اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچالیا، اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تا کہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام۔

تفسیر:

غزوہ بدر کفر و اسلام کا وہ پہلا معرکہ تھا جس نے ظاہری اور مادی طور پر بھی اسلام کی برتری اور حقانیت کا ثبوت دیا۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کی تفصیلات بیان کرنے کا خاص اہتمام فرمایا۔ آیات متذکرہ میں اسی کا بیان ہے جس کے ذکر میں بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ ایک خاص مصلحت کا اظہار ہے کہ اس معرکہ میں ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کے فتح پانے کا کوئی امکان نہ تھا اور مشرکین مکہ کی شکست کا کوئی احتمال نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کی غیبی قوت نے سارے ساز و سامان اور ظاہری اسباب کی کایا پلٹ دی۔ اسی واقعہ کی وضاحت کے لئے ان آیات میں غزوۂ بدر کے محاذ جنگ کا پورا نقشہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے ان آیات کی تشریح سے پہلے چند الفاظ کی تشریح دیکھ لیجئے۔

عُدْوَة کے معنی ایک جانب کے آتے ہیں اور لفظ دنیا ادنی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر۔ آخرت کے مقابلہ میں اس جہان کو بھی دنیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم آخرت کی نسبت انسان کی طرف قریب تر ہے اور لفظ قُصْوٰی اقصٰی

سے بنا ہے اقصی کے معنی ہیں بعید تر۔

تینتالیسویں آیت میں ہلاکت اور اس کے مقابلہ میں حیات کا ذکر آیا ہے ان دونوں لفظوں سے موت و حیات کے کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ معنوی موت و حیات یا ہلاکت و نجات مراد ہے۔ معنوی حیات اسلام و ایمان ہے اور موت شرک و کفر۔ قرآن کریم نے کئی جگہ یہ الفاظ اس معنی میں استعمال کئے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔ یعنی اے ایمان والو تم کہا مانو اللہ و رسول کا جب تم کو وہ ایسی چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہاری حیات ہے مراد حیات سے وہ حقیقی حیات اور دائمی راحت ہے جو ایمان و اسلام کے صلہ میں ملتی ہے اب آیات کی تفسیر یہ ہوئی کہ۔

بیالیسویں آیت میں غزوہ بدر کے محاذ جنگ کا نقشہ یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان عدوہ دنیا کے پاس تھے اور کفار عدوہ قصوی کے پاس مسلمانوں کا مقام اس میدان کے اس کنارہ پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار میدان کے دوسرے کنارے پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا اور ابو سفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ بھی مکہ سے آنے والے لشکر کفار سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ اس نقشہ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ ٹھیرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے کا بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان ظاہری اعتبار سے نہ تھا۔ کیونکہ اس میدان کی وہ جانب جو مدینہ سے قریب تھی ایک ریتیلی زمین تھی جس میں چلنا بھی دوبھر تھا۔ پھر پانی کی کوئی جگہ ان کے پاس نہ تھی اور مدینہ سے بعید والی جانب جس پر کفار نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا وہ صاف زمین تھی اور پانی بھی وہاں سے قریب تھا۔

اور اس میدان کے دونوں کناروں کا پتہ دے کر یہ بھی بتلادیا کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے کہ کسی کی طاقت یا ضعف دوسرے سے مخفی نہ رہ سکتا نیز یہ بھی بتلادیا کہ مشرکین مکہ کے لشکر کو یہ بھی اطمینان حاصل تھا کہ ہمارا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اب اگر ہمیں ضرورت پڑے تو وہ بھی ہماری امداد کر سکتا ہے اس کے بالمقابل مسلمان اپنی جگہ کے اعتبار سے بھی تکلیف و پریشانی میں تھے اور کہیں سے کمک ملنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا اور یہ بات پہلے سے متعین اور ہر لکھے پڑھے آدمی کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی اور کفار کی تعداد ایک ہزار۔ مسلمانوں کے پاس نہ سواریوں کی تعداد کافی تھی اور نہ اسلحہ کی۔ اس کے بالمقابل لشکر کفار ان سب چیزوں سے آراستہ تھا۔

نہ مسلمان اس جہاد میں کسی مسلح لشکر سے جنگ کی طیاری کر کے نکلے تھے۔ ہنگامی طور پر ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے اور دشمن کی قوت کو پست کرنے کے خیال سے صرف تین سو تیرہ مسلمان بے سامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اچانک غیر ارادی طور پر ایک ہزار جوانوں کے مسلح لشکر سے مقابلہ پڑ گیا۔

قرآن کی اس آیت نے بتلایا کہ لوگوں کی نظر میں یہ واقعہ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ کی صورت میں بلا ارادہ پیش آیا لیکن دنیا میں جتنے اتفاقات غیر اختیاری صورت سے پیش آیا کرتے ہیں ان کی سطح اور صورت اگرچہ محض اتفاقات کی ہوتی ہے لیکن خالق کائنات کی نظر میں وہ سب کے سب ایک مستحکم نظام کی لگی بندھی کڑیاں ہوتی ہیں ان میں کوئی چیز بے ربط یا بے موقع نہیں ہوتی جب وہ پورا نظام سامنے آجائے اس وقت انسان کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اس اتفاقی واقعہ میں کیا کیا حکمتیں مستور تھیں۔

غزوہ بدر ہی کے واقعہ کو لے لیجئے۔ اس کی اتفاقی اور غیر اختیاری صورت سے

ظاہر ہونے میں یہ مصلحت تھی کہ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَادِ یعنی اگر عام دنیا کی جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی تمام پہلوؤں پر غور و فکر اور باہمی قرار دادوں کے ذریعہ لڑی جاتی تو حالات کا تقاضا یہ تھا کہ جنگ ہوتی ہی نہیں بلکہ اس میں اختلاف پڑ جاتا خواہ اس طرح کہ خود مسلمانوں کی رائیں اپنی قلت و کمزوری اور مقابل کی کثرت و قوت کو دیکھ کر مختلف ہو جاتی یا اس طرح کے دونوں فریق اہل کفر و اہل اسلام مقررہ وعدہ پر میدان میں نہ پہنچتے۔ مسلمان تو اپنی قلت و کمزوری کو دیکھ کر اقدام کی ہمت نہ کرتے اور کفار پر حق تعالی نے مسلمانوں کا رعب جمایا ہوا تھا وہ کثرت و قوت کے باوجود مقابلہ پر آنے سے گھبراتے۔

اس لئے قدرت کے مستحکم نظام نے دونوں طرف ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملے۔ مکہ والوں کو تو ابو سفیان کے قافلہ کی گھبرائی ہوئی فریاد نے ایک ہولناک صورت میں سامنے آکر بے سوچ سمجھے چلنے پر آمادہ کر دیا مسلمانوں کو اس خیال نے کہ ہمارے مقابلہ پر کوئی جنگی مسلح لشکر نہیں ایک معمولی تجارتی قافلے ہے مگر علیم و خبیر کو منظور یہ تھا کہ دونوں میں باقاعدہ جنگ ہو جائے تاکہ اس جنگ کے پیچھے جو نتائج فتح اسلام کے ظہور میں آنے والے ہیں وہ سامنے آجائیں۔ اسی لئے فرمایا وَلٰكِنْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا یعنی ان حالات کے باوجبد جنگ اس لئے ہو کر رہی کہ اللہ تعالی کو جو کام کرنا ہے اس کی تکمیل کر دکھائے اور وہ یہ تھا کہ ایک ہزار جوانوں کے مسلح باسامان لشکر کے مقابلہ میں تین سو تیرہ بے سروسامان فاقہ زد مسلمانوں کی ایک ٹولی اور وہ بھی محاذ جنگ کے اعتبار سے بے موقع جب اس پہاڑ سے ٹکراتی ہے تو یہ پہاڑ پاش پاش ہو جاتا ہے اور یہ چھوٹی سی جماعت فتح مند ہوتی ہے جو کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہے کہ اس جماعت کی پیٹھ پر کوئی بڑی قدرت اور طاقت کام

کررہی تھی جس سے یہ ایک ہزار کا لشکر محروم تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تائید اسلام کی وجہ سے اور اس کی محرومی کفر کی وجہ سے تھی جس سے حق وباطل اور کھرے کھوٹے کا پورا امتیاز ہر سمجھدار انسان کے سامنے آگیا اسی لئے آخر آیت میں ارشاد فرمایا لیهلك من هلك عن بينة و يحى من حى عن بينه۔ یعنی واقعہ بدر میں اسلام کی کھلی حقانیت اور کفر وشرک کے باطل ومردود ہونے کو اس لئے کھول دیا گیا کہ آئندہ جو ہلاکت میں پڑے وہ دیکھ بھال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بھال کر رہے اندھیرے اور مغالطہ میں کوئی کام نہ ہو۔

اس آیت کے الفاظ میں ہلاکت سے مراد کفر اور حیات وزندگی سے مراد اسلام ہے مطلب یہ ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد غلط فہمی کا احتمال اور عذر تو ختم ہو گیا اب جو کفر اختیار کرتا ہے وہ دیکھتی آنکھوں ہلاکت کی طرف جارہا ہے اور جو اسلام اختیار کرتا ہے وہ دیکھ بھال کر دائمی زندگی اختیار کررہا ہے پھر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ یعنی اللہ تعالی خوب سننے والے جاننے والے ہیں کہ سب کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر و ایمان تک ان کے سامنے ہیں اور ہر ایک کی سزا و جزا بھی۔

تینتالیسویں اور چوالیسویں دونوں آیتوں میں ایک خاص کرشمہ قدرت کا ذکر ہے جو غزوہ بدر کے میدان میں اس غرض کے لئے عمل میں لایا گیا کہ ایسا نہ ہونے پائے کہ دونوں لشکروں میں سے کوئی بھی میدان جنگ چھوڑ کر اس جنگ کو ہی ختم کر ڈالے کیونکہ اس جنگ کے نتیجہ میں مادی حیثیت سے بھی حقانیت اسلام کا مظاہرہ کرنا مقدر تھا۔

اور وہ کرشمہ قدرت یہ تھا کہ لشکر کفار اگرچہ واقع میں مسلمانوں سے تین گنا تھا مگر اللہ تعالی نے محض اپنی قدرت کاملہ سے مسلمانوں کو ان کی تعداد ابہت کم کر کے

دکھلائی تاکہ مسلمانوں میں کمزوری اور اختلاف نہ پیدا ہو جائے اور یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا آپ نے سب مسلمانوں سے بتلادیا جس سے ان کی ہمت بڑھ گئی دوسری مرتبہ عین میدان جنگ میں جب کہ دونوں فریق آمنے سامنے کھڑے تھے۔ مسلمانوں کو ان کی تعداد کم دکھلائی گئی آیت نمبر ۴۳ میں خواب کا واقعہ اور ۴۴ میں بیداری کا مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہماری نظروں میں اپنا مقابلہ لشکر ایسا نظر آرہا تھا کہ میں نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے کہا کہ یہ لوگ نوے آدمیوں کی تعداد میں ہوں گے۔اس شخص نے کہاں کہ نہیں سو ہوں گے۔

آخری آیت میں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے یُقَلِّلُکُمْ فِیٓ اَعْیُنِهِمْ یعنی اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بھی مقابل لشکر کی نظر میں کم کر کے دکھلایا اس کے یہ معنٰی بھی ہو سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تو حقیقت ہی میں کم تھی وہ صحیح تعداد ان کو دکھلادی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جتنی تعداد واقعی تھی اس سے بھی کم کر کے دکھلایا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کی تعداد تو اس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی جن کی خوراک ایک اونٹ ہو عرب میں کسی لشکر کی تعداد کو معلوم کرنے کے لئے اس سے اندازہ قائم کیا جاتا تھا کہ کتنے جانور ان کی خوراک کے لئے ذبح ہوتے ہیں۔ایک اونٹ سو آدمیوں کی خوراک سمجھا جاتا تھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میدان بدر میں وہاں کے کچھ لوگوں سے قریش مکہ کے لشکر کا پتہ چلانے کے لئے پوچھا تھا کہ ان کے لشکر میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں تو آپ کو دس اونٹ روزانہ بتلائے گئے جس سے آپ نے ایک ہزار لشکر کا تخمینہ قائم فرمایا۔خلاصہ یہ ہے کہ ابو جہل کی نظر میں مسلمان کل سو

آدمی کی تعداد امیں دکھلائے گئے۔ یہاں بھی کم کر کے دکھلانے میں یہ حکمت تھی کہ مشرکین کے قلوب پر مسلمانوں کا رعب پہلے ہی نہ چھا جائے جس کی وجہ سے وہ میدان چھوڑ بھاگیں۔

فائدہ:

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات معجزہ اور خرق عادت کے طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنکھوں کا مشاہدہ غلط ہو جائے جیسا یہاں ہوا۔

اسی لئے اس جگہ دوبارہ فرمایا لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا یعنی یہ کرشمہ قدرت اور آنکھوں کے مشاہدات پر تصرف اس لئے ظاہر کیا گیا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کرنا چاہتے ہیں وہ پورا ہو جائے یعنی مسلمانوں کو قلت و بے سامانی کے باوجود فتح دے کر اسلامی کی حقانیت اور تائید غیبی کا اظہار جو اس جنگ سے مقصود تھا وہ پورا کر دکھائے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یعنی آخر کار سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں جو چاہے کرے جو چاہے حکم دے قلت کو کثرت پر قوت کو ضعف پر غلبہ دے دے کم کو زیادہ زیادہ کو کم کر دے مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

گر تو خواہی عین غم شادی شود　　عین بند پائے آزادی شود

چوں تو خواہی آتش آب خوش شود　　در تو خواہی آب ہم آتش شود

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند　　با من و تو مردہ باحق زندہ اند

دفعہ ہشتم و نہم میدان جہاد میں ذکر الٰہی کا تحفظ رہے اور تلقین ترک منازعت۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

تُفۡلِحُوۡنَ o وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡہَبَ رِیۡحُکُمۡ وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ o وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ o

اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا اور صبر کرو، بے شک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے۔ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کو اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے، اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: جنگ وجہاد میں کامیابی کے لئے قرآنی ہدایات

پہلی دو آیتوں میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو میدان جنگ اور مقابلہ دشمن کے لئے ایک خاص ہدایت نامہ دیا ہے جو ان کے لئے دنیا میں کامیابی اور فتح مندی کا اور آخرت کی نجات وفلاح کا نسخہ اکسیر ہے اور قرون اولیٰ کی تمام جنگوں میں مسلمانوں کی فوق العادت کامیابیوں اور فتوحات کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اور وہ چند چیزیں ہیں۔

اول ثبات۔ یعنی ثابت رہنا اور جمنا۔ جس میں ثبات قلب اور ثبات قدم دونوں داخل ہیں کیونکہ جب تک کسی شخص کا دل مضبوط اور ثابت نہ ہو اس کا قدم اور اعضاء ثابت نہیں رہ سکتے اور یہ چیز ایسی ہے جس کو ہر مومن وکافر جانتا اور سمجھتا ہے اور دنیا کی ہر قوم اپنی جنگوں میں اس کا اہتمام کرتی ہے کیونکہ اہل تجربہ سے مخفی نہیں کہ میدان جنگ کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ کامیاب ہتھیار ثبات قلب وقدم ہی ہے

دوسرے سارے ہتھیار اس کے بغیر بیکار ہیں۔

دوسرے ذکر اللہ یہ وہ مخصوص اور معنوی ہتھیار ہے جس سے مومن کے سوا عام دنیا غافل ہے پوری دنیا جنگ کے لئے بہترین اسلحہ اور نئے سے نیا سامان مہیا کرنے اور فوج کے ثابت قدم رکھنے کی تو پوری تدبیریں کرتی ہے مگر مسلمانوں کے اس روحانی اور معنوی ہتھیار سے بے خبر اور ناآشنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر میدان میں جہاں مسلمانوں کا مقابلہ ان ہدایات کے مطابق کسی قوم سے ہوا مخالف کی پوری طاقت اور اسلحہ اور سامان کو بیکار کر دیا۔ ذکر اللہ کی اپنی ذاتی اور معنوی برکات تو اپنی جگہ ہیں ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ ثبات قدم کا اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں۔ اللہ کی یاد اور اس پر اعتماد وہ بجلی کی طاقت ہے جو ایک انسان ضعیف کو پہاڑوں سے ٹکرا جانے پر آمادہ کر دیتی ہے اور کیسی ہی مصیبت اور پریشانی ہو اللہ کی یاد سب کو ہوا میں اڑا دیتی ہے اور انسان کے قلب کو مضبوط اور قدم کو ثابت رکھتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھئے کہ جنگ و قتال کا وقت عادۃً ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرتا اپنی فکر پڑی ہوتی ہے اسی لئے جاہلیت عرب کے شعراء میدان جنگ میں بھی اپنے محبوب کو یاد کرنے پر فخر کیا کرتے ہیں کہ وہ بڑی قوت قلب اور محبت کی پختگی کی دلیل ہے۔ ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے ؎

ذکرتك والخطی یخطر بیننا — یعنی میں نے تجھے اس وقت بھی یاد کیا جب کہ نیزے ہمارے درمیان لچک رہے تھے۔

قرآن کریم نے اس پرخطر موقع میں مسلمانوں کو ذکر اللہ کی تلقین فرمائی اور وہ بھی کثیراً کی تاکید کے ساتھ۔

یہاں یہ بات بھی غورِ طلب ہے کہ پورے قرآن میں ذکر اللہ کے سوا کسی

عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں صلوٰۃ کثیرا، صیاما کثیرا کہیں مذکور نہیں سبب یہ ہے کہ ذکر اللہ ایک ایسی آسان عبادت ہے کہ اس میں نہ کوئی بڑا وقت خرچ ہوتا ہے نہ محنت نہ کسی دوسرے کام میں اس سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ذکر اللہ کے لئے کوئی شرط اور پابندی، وضو، طہارت، لباس اور قبلہ وغیرہ کی بھی نہیں لگائی ہر شخص ہر حال میں باوضو، بے وضو، کھڑے، بیٹھے لیٹے کر سکتا ہے اور اس پر اگر امام جزری کی اس تحقیق کا اضافہ کر لیا جائے جو انہوں نے حصن حصین میں لکھی ہے کہ ذکر اللہ صرف زبان یا دل سے ذکر کرنے ہی کو نہیں کہتے بلکہ ہر جائز کام جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں رہ کر کیا جائے وہ بھی ذکر اللہ ہے تو اس تحقیق پر ذکر اللہ کا مفہوم اس قدر عام اور آسان ہو جاتا ہے کہ سوتے ہوئے بھی انسان کو ذاکر کہہ سکتے ہیں جیسے بعض روایات میں ہے نوم العالم عبادۃ یعنی عالم کی نیند بھی عبادت میں داخل ہے کیونکہ عالم جو اپنے علم کے مقتضی پر عمل کرتا ہو اس کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کا سونا اور جاگنا سب اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے دائرہ میں ہو۔

میدان جنگ میں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اگرچہ بظاہر مجاہدین کے لئے ایک کام کا اضافہ نظر آتا ہے جو عادۃً مشقت و محنت کو چاہتا ہے لیکن ذکر اللہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وہ محنت نہیں لیتا بلکہ ایک فرحت و قوت اور لذت بخشتا ہے اور انسان کے کام میں اور معین و مددگار بنتا ہے۔ یوں بھی محنت و مشقت کے کام کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی کلمہ یا گیت گنگنایا کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اس کا نعم البدل دے دیا جو ہزاروں فوائد اور حکمتوں پر مبنی ہے اسی لئے آخر آیت میں فرمایا لعلکم تفلحون۔ یعنی اگر تم نے ثبات اور ذکر اللہ کے دو گر یاد کر لئے

اور ان کو میدان جنگ میں استعمال کیا تو فلاح و کامیابی تمہاری ہے۔

میدان جنگ کا ذکر ایک تو وہ ہے جو عام طور پر نعرہ تکبیر کے انداز میں کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اللہ تعالی پر نظر اور اعتماد و توکل اور دل سے اس کی یاد لفظ ذکر اللہ ان سب کو شامل ہے۔

چھیالیسویں آیت میں ایک تیسری چیز کی تلقین اور کی گئی وہ ہے اطیعو اللہ و رسولہ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ تعالی کی امداد و نصرت اس کی اطاعت ہی کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے معصیت اور نافرمانی تو اللہ کی ناراضی اور ہر فضل سے محرومی کے اسباب ہوتے ہیں اس طرح میدان جنگ کے لئے قرآنی ہدایت نامہ کی تین دفعات ہوگئیں ثبات، ذکر اللہ، اطاعت۔ اس کے بعد فرمایا وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا اس میں مضر پہلوؤں پر تنبیہ کر کے ان سے بچنے کی ہدایت ہے اور وہ مضر پہلو جو جنگ کی کامیابی میں مانع ہوتا ہے باہمی نزاع و اختلاف ہے اس لئے فرمایا وَلَا تَنَازَعُوا یعنی آپس میں نزاع اور کشاکش نہ کرو ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اس میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے دوسرے یہ کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے باہمی کشاکش اور نزاع سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو بدیہی امر ہے لیکن خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ اس میں کمزوری اور بزدلی آجائے اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اتحاد و اعتماد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے اور جب باہمی اتحاد و اعتماد نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ

گئی۔وہ ظاہر ہے جنگ وقتال کے میدان میں کوئی چیز نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا واصبروا یعنی صبر کو لازم پکڑو۔ قیاس کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتلایا گیا ہے اور بیان اس کا یہ ہے کہ کوئی جماعت کتنی ہی متحد الخیال اور متحد المقصد ہو مگر افراد انسانی کی طبعی خصوصیات ضرور مختلف ہوا کرتی ہیں نیز کسی مقصد کے لئے سعی و کوشش میں اہل عقل و تجربہ کی رایوں کا اختلاف بھی ناگزیر ہے اس لئے دوسروں کے ساتھ چلنے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آدمی خلاف طبع امور پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہو اور اپنی رائے پر اتنا جماؤ اور اصرار نہ ہو کہ اس کو قبول نہ کیا جائے تو لڑ بیٹھے۔اسی صفت کا دوسرا نام صبر ہے آج کل یہ تو ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ آپس کا نزاع بہت بری چیز ہے مگر اس سے بچنے کا جو گر ہے کہ آدمی خلاف طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑے یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے اسی لئے اتحاد واتفاق کے سارے وعظ و پند بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آدمی کو دوسرے سے اپنی بات منوانے پر تو قدرت نہیں ہوتی مگر خود دوسرے کی بات مان لینا اور اگر اس کی عقل و دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو نہ مانے تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لئے سکوت کر لینا تو بہر حال اختیار میں ہے اس لئے قرآن کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فرد جماعت کو کر دی تاکہ نزاع سے بچنا عملی دنیا میں آسان ہو جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ **لا تنازعوا** فرمایا ہے یعنی باہمی کشاکش کو روکا ہے رائے کے اختلاف یا اس کے اظہار سے منع نہیں کیا اختلاف رائے جو دیانت اور اخلاص کے ساتھ ہو وہ کبھی نزاع کی صورت میں اختیار

نہیں کیا کرتا۔ نزاع و جدال وہیں ہوتا ہے جہاں اختلاف رائے کے ساتھ اپنی بات منوانے اور دوسرے کی بات نہ ماننے کا جذبہ کام کر رہا ہو اور یہی یہ جذبہ ہے جس کو قرآن کریم نے واصبروا کے لفظ سے ختم کیا ہے اور آخر میں صبر کرنے کا ایک عظیم الشان فائدہ بتلا کر صبر کی تلخی کو دور فرمادیا ان اللہ مع الصابرین۔ یعنی صبر کرنے والوں کو اللہ تعالی کی معیت حاصل ہوتی ہے اللہ تعالی ہر وقت ہر حال میں ان کا رفیق ہوتا ہے اور یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ دونوں جہان کی ساری دولتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

رسول اللہ نے بعض غزوات میں انہیں ہدایات کو متحضر کرانے کے لئے عین میدان جنگ میں یہ خطبہ دیا" اے لوگو دشمن سے مقابلہ کی تمنانہ کرو بلکہ اللہ تعالی سے عافیت مانگو اور جب ناگزیر طور پر مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر صبر و ثبات کو لازم پکڑو اور یہ سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ (مسلم)

سینتالیسویں آیت میں ایک اور مضر پہلو پر تنبیہ اور اس سے پرہیز کی ہدایت دی گئی ہے۔ وہ ہے اپنی قوت و کثرت پر ناز یا کام میں اخلاص کے بجائے اپنی کوئی اور غرض مضمر ہونا کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی بڑی بڑی طاقتور جماعتوں کو پسپا اور زیر کر دیا کرتی تھیں۔

اس آیت میں اشارہ قریش مکہ کے حالات کی طرف بھی ہے جو اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے بھاری تعداد اور سامان لے کر اپنی قوت و کثرت پر اتراتے ہوئے نکلے تھے اور جب تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے باہر ہو گیا اس وقت بھی اس لئے واپس نہیں ہوئے کہ اپنی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرنا تھا۔

مستند روایات میں ہے کہ جب ابو سفیان اپنا تجارتی قافلہ لے کر مسلمانوں کی

زد سے بچ نکلے تو ابو جہل کے پاس قاصد بھیجا کہ اب تمہارے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں رہی واپس آجاؤ اور بھی بہت سے قریش سرداروں کی یہی رائے تھی مگر ابو جہل اپنے کبر و غرور اور شہرت پرستی کے جذبہ میں قسم کھا بیٹھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہ ہوں گے جب تک چند روز مقام بدر پر پہنچ کر اپنی فتح کا جشن نہ منالیں۔

جس کے نتیجہ میں وہ اس کے بڑے بڑے ساتھی سب وہیں ڈھیر ہوئے اور ایک گڑھے میں ڈالے گئے اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے طریقہ کار سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔

وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور جس وقت خوش نما کردیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

☆☆☆

تفسیر:

سورہ انفال میں شروع سے غزوہ بدر میں پیش آنے والے واقعات اور حالات کا اور ان سے حاصل ہونی والی نصائح اور عبر توں کا اور متعلقہ احکام کا بیان چل رہا ہے۔

اسی میں ایک واقعہ قریش مکہ کو شیطان کے فریب دے کر مسلمانوں کو مسلمانوں کے مقابلہ پر ابھارنے اور پھر عین میدان جنگ میں ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جانے کا ہے جو آیات مذکورہ کے شروع میں مذکور ہے۔

شیطان کا یہ فریب قریش کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی صورت سے تھا یا انسانی شکل میں آکر روبرو گفتگو سے۔ اس میں دونوں احتمال ہیں مگر الفاظ قرآن سے زیادہ تر تائید دوسری ہی صورت کی ہوتی ہے کہ بشکل انسانی سامنے آکر فریب دیا۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب قریش مکہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ سے نکلا تو ان کے دلوں پر ایک خطرہ اس کا سوار تھا کہ ہمارے قریب میں قبیلہ بنو بکر بھی ہمارا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ پر جائیں اور یہ دشمن قبیلہ موقع پا کر ہمارے گھروں اور عورتوں بچوں پر چھاپہ مار دے۔ امیر قافلہ ابوسفیان کی گھبرائی ہوئی فریاد پر طیار ہو کر نکل تو کھڑے ہوئے مگر یہ خطرہ ان کے لئے زنجیر پا بنا ہوا تھا کہ اچانک شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں اس طرح سامنے آیا کہ اس کے ہاتھ میں جھنڈا اور اس کے ساتھ ایک دستہ بہادر فوج کا ہے سراقہ بن مالک اس علاقہ اور قبیلہ کا بڑا سردار تھا جن سے حملہ خطرہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر قریشی جوانوں کے لشکر سے خطاب کیا اور دو طرح فریب میں مبتلا کیا اول یہ کہ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ یعنی آج تمام لوگوں میں تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں مطلب یہ تھا کہ مجھے تمہارے مقابل فریق کی قوت

بھی اندازہ ہے اور تمہاری قوت و کثرت کو بھی دیکھ رہا ہوں اس لئے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم بے فکر ہو کر آگے بڑھو تمہیں غالب رہو گے کوئی تمہارے مقابلہ پر غالب آنے والا نہیں۔

دوسرے یہ کہ اِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ یعنی تمہیں جو بنی بکر وغیرہ سے خطرہ لگا ہوا ہے کہ وہ تمہارے پیچھے مکہ پر چڑھ دوڑیں گے اس کی میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ ایسا نہ ہوگا میں تمہارا حامی ہوں قریش مکہ سراقہ بن مالک اور اس کی بڑی شخصیت اور اثر و رسوخ سے پہلے سے واقف تھے اس کی بات سن کر ان کے دل جم گئے اور قبیلہ بنی بکر کے خطرہ سے بے فکر ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس دو گونہ فریب سے شیطان نے ان لوگوں کو اپنے مقتل کی طرف ہانک دیا فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ جب مشرکین مکہ اور مسلمانوں کی دونوں جماعتیں (مقام بدر میں) آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان پچھلے پاؤں لوٹ گیا۔

غزوہ بدر میں چونکہ مشرین مکہ کی پیٹھ پر ایک شیطانی لشکر بھی آگیا تھا اس لئے اللہ تعالی نے ان کے مقابلہ میں فرشتوں کا لشکر جبرئیل و میکائیل کی قیادت میں بھیج دیا امام ابن جریر وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ شیطان نے جو اس وقت بشکل انسانی سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنے شیطانی لشکر کی قیادت کر رہا تھا جب جبریل امین اور ان کے ساتھ فرشتوں کا لشکر دیکھا تو گھبرا اٹھا اس وقت اس کا ہاتھ ایک قریشی جوان حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا فوراً اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہا حارث نے ٹوکا کہ یہ کیا کرتے ہو تو اس کے سینہ پر مار کر حارث کو گرا دیا اور اپنے شیطانی لشکر کو لے کر بھاگ پڑا حارث نے اس کو سراقہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اے عرب کے سردار سراقہ تو نے تو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں اور عین میدان جنگ

میں یہ حرکت کر رہے ہو تو شیطان نے بشکل سراقہ جواب دیا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ یعنی میں تمہارے معاہدہ سے بری ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو جو تمہاری آنکھیں نہیں دیکھیں مراد فرشتوں کا لشکر تھا اور یہ کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس لئے تمہارا ساتھ چھوڑتا ہوں۔

شیطان نے فرشتوں کا لشکر دیکھا تو ان کی قوت سے وہ واقف تھا سمجھ گیا کہ اب اپنی خیر نہیں اور یہ جو کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں امام تفسیر قتادہ نے کہا کہ یہ اس نے جھوٹ بولا اگر وہ خدا سے ڈرا کرتا تو نافرمانی کیوں کرتا مگر اکثر حضرات نے فرمایا کہ ڈرنا بھی اپنی جگہ صحیح ہے کیونکہ وہ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ اور عذاب شدید کو پوری طرح جانتا ہے اس لئے نہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، البتہ نرا خوف بغیر ایمان واطاعت کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

ابو جہل نے جب سراقہ اور اس کے لشکر کی پسپائی سے اپنے لشکر کی ہمت ٹوٹتے دیکھا تو بات بنائی اور کہا کہ سراقہ کے بھاگ جانے سے تم متاثر نہ ہو اس نے تو خفیہ طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سازش کر رکھی تھی شیطان کی پسپائی کے بعد ان کا جو حشر ہونا تھا ہو گیا پھر جب یہ لوگ مکہ واپس آئے اور ان میں سے کسی کی ملاقات سراقہ بن مالک کے ساتھ ہوئی تو اس نے سراقہ کو ملامت کی کہ جنگ بدر میں ہماری شکست اور سارے نقصان کی ذمہ داری تجھ پر ہے تو نے عین میدان جنگ میں پسپا ہو کر ہمارے جوانوں کی ہمت توڑ دی۔ اس نے کہا کہ میں نہ تمہارے ساتھ گیا نہ تمہارے کسی کام میں شریک ہوا میں نے تو تمہاری شکست کی خبر بھی تمہارے مکہ پہنچنے کے بعد سنی۔

یہ سب روایات امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ

شیطان لعین کی یہ عام عادت ہے کہ انسان کو برائی میں مبتلا کر کے عین موقع پر الگ ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کی یہ عادت بار بار بیان فرمائی ایک آیت میں ہے کَمَثَلِ الشَّیْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ.

شیطانی دجل و فریب اور اس سے بچنے کا طریقہ

آیت متذکرہ کے اس واقعہ سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

اول یہ کہ شیطان انسان کا دشمن ہے اس کو نقصان پہنچانے کے لئے طرح طرح کے حیلے کرتا اور بہروپ بدلتا ہے بعض اوقات محض دل میں وسوسہ ڈال کر پریشان کرتا ہے اور بعض اوقات سامنے آکر دھوکا دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت دی ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتا ہے ایک مشہور حنفی فقیہ کی کتاب آکام المرجان فی احکام الجان میں اس کو بوضاحت ثابت کیا گیا ہے اسی لئے محققین صوفیائے کرام جو اصحاب کشف و شہود ہیں انہوں نے لوگوں کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ کسی شخص کو دیکھ کر یا اس کا کلام سن کر بغیر تحقیق حال کے اس کے پیچھے چلنا بڑا خطرناک ہوتا ہے کشف والہام میں بھی شیطانی تلبیسات ہو سکتی ہیں مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ست　　پس بہر دستے نشاید داد دست

اور حافظ نے فرمایا ؎

درراہ عشق وسوسہ اہرمن بے ست　　ھشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

پیام سروش سے مراد وحی الٰہی ہے۔

☆☆☆

کامیابی کے لئے صرف اخلاص نیت ہی کافی نہیں

اس سے پہلے راستہ سیدھا ہونا ضروری ہے

تیسرے یہ کہ جو لوگ کفر و شرک یا دوسرے ناجائز اعمال میں مبتلا ہوتے ہیں اس کا بیشتر سبب یہی ہوتا ہے کہ شیطان ان کے اعمال بد کو خوبصورت مستحسن اور نفع بخش ظاہر کر کے ان کے دل و دماغ کو حق و صدق اور صحیح نتائج کی طرف سے پھیر دیتا ہے وہ اپنے باطل ہی کو حق اور برے کو بھلا سمجھنے لگتے ہیں اور اہل حق کی طرح اپنے باطل پر جان دینے کے لئے طیار ہو جاتے ہیں اسی لئے قریشی لشکر اور اس کے سردار جب بیت اللہ سے رخصت ہو رہے تھے تو بیت اللہ کے سامنے ان الفاظ سے دعا کر کے چلے تھے کہ اللھم انصر اھدی الطائفتین یعنی اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے اس کی مدد فرمایئے اور فتح دیجئے یہ بے خبر لوگ شیطانی فریب میں آکر اپنے آپ ہی کو زیادہ ہدایت پر اور حق جانب سمجھتے تھے اور پورے اخلاص کے ساتھ اپنے باطل کی حمایت و نصرت میں جان مال قربان کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ نرا اخلاص کافی نہیں جب تک کہ عمل کا رخ درست نہ ہو۔

اس کے بعد کی دوسری آیت میں منافقین مدینہ اور مشرکین مکہ کا ایک مشترک مقولہ مسلمانوں کے بارے میں یہ نقل کیا جو گویا ان پر ترس کھا کر کہا گیا ہے کہ غر ھولاء دینھم یعنی میدان بدر میں یہ مٹھی بھر مسلمان اتنے بھاری اور قوی لشکر سے ٹکرانے آگئے۔ ان بے چاروں کو ان کے دین نے فریب میں ڈال کر موت کے منہ

میں دے دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ. یعنی جو شخص اللہ پر توکل اور بھروسہ کرلیتا ہے تو یاد رکھو کہ وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس کی حکمت کے سامنے سب کی عقل و دانش رکھی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ صرف مادہ اور مادیات کو جاننے والے اور اسی پر بھروسہ کرنے والے ہو تمہیں اس مخفی طاقت کی خبر نہیں جو اس مادہ اور مادیات کے پیدا کرنے والے کے خزانوں میں ہے اور جو ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعتماد رکھتے ہیں۔

آج بھی دیندار بھولے بھالے مسلمانوں کو دیکھ کر بہت سے عقل و دانش کے مدعی یوں ہی کہا کرتے ہیں کہ ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

لیکن اگر ان میں اللہ پر ایمان اور اعتماد پورا ہو تو انہیں اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِo ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِo کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ط کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ط اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِo ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌo

اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔ یہ بدلہ

ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر بیشک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہر گز بدلنے والا نہیں اس نعمت کو جو دی تھی اس نے کسی قوم کو جب تک وہی نہ بدل ڈالیں اپنے جیوں کی بات اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر:

مذکورہ آیات میں سے پہلی دو آیتوں میں موت کے وقت کافروں کے عذاب اور فرشتوں کی تنبیہات کا ذکر ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اگر آپ ان کافروں کا حال اس وقت دیکھتے جبکہ اللہ کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے وقت ان کے چہروں اور پشتوں پر مار رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ آگ میں جلنے کا عذاب چکھو۔ تو آپ ایک بڑا ہیبت ناک منظر دیکھتے۔

ائمہ تفسیر میں سے بعض حضرات نے اس کو ان کفار قریش کے متعلق قرار دیا ہے جو میدان بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے اور اللہ تعالی نے مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا تھا۔ اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ میدان بدر میں جو قریشی سردار مارے گئے ان کے مارنے میں فرشتوں کا ہاتھ تھا جو ان کے سامنے سے چہروں پر اور پیچھے سے ان کی پشتوں پر مار کر ان کو ہلاک کر رہے تھے اور ساتھ ہی آخرت میں جہنم کے عذاب کی خبر سنا رہے تھے۔

اور جن حضرات نے الفاظ آیت کے عموم کی بنا پر اس کا مضمون عام رکھا ہے ان کے مطابق معنی آیت کے یہ ہیں کہ جب کوئی کافر مرتا ہے فرشتہ موت ان کی روح

قبض کرنے کے وقت ان کے چہرے اور پشت پر مارتا ہے بعض روایات میں ہے کہ آگ کے کوڑے اور لوہے کے گرز ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جن سے وہ مرنے والے کافر کو مارتے ہیں مگر چونکہ اس عذاب کا تعلق اس عالم عناصر سے نہیں بلکہ عالم قبر سے ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے اس لئے یہ عذاب عام طور پر آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا۔

اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کیا گیا کہ اگر آپ دیکھتے تو بڑا عبرتناک منظر دیکھتے اس سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد عالم برزخ میں کفار کو عذاب ہوتا ہے مگر اس کا تعلق عالم غیب سے ہے اس لئے عام طور پر دیکھا نہیں جاتا عذاب قبر کا ذکر قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی آیا ہے اور روایات حدیث تو اس معاملہ میں بے شمار ہیں۔

دوسری آیت میں کفار کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ عذاب دنیا و آخرت تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے چونکہ عام کاروبار ہاتھوں ہی سے وجود میں آتے ہیں اس لئے ہاتھوں کا ذکر کر دیا گیا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے اور یہ کہ اللہ تعالی اپنے بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں کہ بلاوجہ کسی کو عذاب میں مبتلا کر دیں۔

تیسری آیت میں بتلایا گیا کہ ان مجرموں پر اللہ تعالی کا یہ عذاب کوئی انوکھی چیز نہیں بلکہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ان کو عقل و فہم دیتے ہیں گرد و پیش میں ان کے لئے بیشمار ایسی چیزیں موجود ہوتی ہیں جن میں غور و فکر کرنے سے وہ اللہ تعالی کی عظیم قدرت و عظمت کو پہچانیں اور عاجز مخلوق کو اس کا شریک نہ بنائیں پھر مزید تنبیہ کے لئے اپنی کتابیں اور رسول بھیجتے ہیں اللہ کے رسول ان کے افہام و تفہیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے وہ ان کو اللہ تعالی کی قوت قاہرہ کے

مظاہر بھی بشکل معجزات دکھلاتے ہیں جب کوئی فرد یا قوم ان سب چیزوں سے بالکل آنکھیں بند کرلے اور خدائی تنبیہات میں سے کسی پر کان نہ دھرے تو پھر عادت اللہ تعالیٰ کی ایسی لوگوں کے بارہ میں یہی ہے کہ دنیا میں بھی ان پر عذاب آتا ہے اور آخرت کے دائمی عذاب میں بھی گرفتار ہوتے ہیں ارشاد فرمایا کداب ال فرعون والذین من قبلھم ۔داب کے معنیٰ عادت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے ال فرعون اور ان سے پہلے کافروں سرکشوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عادت دنیا کو معلوم ہو چکی ہے کہ فرعون کو اس کے سارے حشم وخدم سمیت دریا میں غرق کردیا اور ان سے پہلے عاد و ثمود کی قوموں کو مختلف قسم کے عذابوں سے ہلاک کردیا۔

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ. ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوی ہے کوئی قوت وشجاعت والا اپنی قوت کے بل پر اس کے عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا اور اللہ تعالیٰ کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔

چوتھی آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے انعام و عطاء کے قائم اور باقی رکھنے کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں اس کو اس وقت تک بدلتے نہیں جب تک یہ لوگ خود ہی اپنے حالات اور اعمال کو نہ بدل دیں۔

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عطاء نعمت کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بیان فرمایا نہ اس کے لئے کوئی قید وشرط لگائی نہ اس کو کسی کے اچھے عمل پر موقوف رکھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلی نعمت جو خود ہمارا وجود ہے اور اس میں قدرت حق جل شانہ کی عجیب صنعت گری سے ہزاروں حیرت انگیز نعمتیں ودیعت

رکھی گئی ہیں یہ نعمتیں ظاہر ہے کہ اس وقت عطا ہوئی جب کہ نہ ہم تھے نہ ہمارا کوئی عمل تھا۔

مانبودیم و تقاضا مانبود　　لطف تو ناگفتہ مامی شنود

اگر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات بندوں کے نیک اعمال کے منتظر رہا کرتے تو ہمارا وجود ہی قائم نہ ہوتا۔

حق تعالیٰ کی نعمت ورحمت تو اس کے رب العالمین اور رحمٰن ورحیم ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ہے ہاں اس نعمت ورحمت کے قائم اور باقی رہنے کا ایک ضابطہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں اس سے اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ اپنے حالات اور اعمال کو بدل کر خود ہی اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دے۔

حالات کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال اور حالات کو بدل کر برے اعمال اور برے حالات اختیار کر لے یا یہ کہ اللہ کی نعمتیں مبذول ہونے کے وقت جن اعمال بد اور گناہوں میں مبتلا تھا نعمتوں کے ملنے کے بعد ان سے زیادہ برے اعمال میں مبتلا ہو جائے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن قوموں کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے یعنی کفار قریش اور آل فرعون کا تعلق اس آیت سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کے وقت بھی کچھ اچھے حالات میں نہیں تھے سب کے سب مشرک اور کافر ہی تھے لیکن انعامات کے بعد یہ لوگ اپنی بد عملیوں اور شرارتوں میں پہلے سے زیادہ تیز ہو گئے۔

آل فرعون نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم کرنے شروع کر دیئے

پھر حضرت موسے علیہ السلام کے مقابلہ اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے جو ان کے پچھلے جرائم میں ایک شدید اضافہ تھا جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے حالات مزید برائی کی طرف بدل ڈالے تو اللہ تعالی نے بھی اپنی نعمت کو نقمت اور عذاب سے بدل دیا۔ اسی طرح قریش مکہ اگرچہ مشرک اور بد عمل تھے لیکن اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال صلہ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت، بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے اللہ تعالی نے ان پر دین و دنیا کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے دنیا میں ان کی تجارتوں کو فروغ دیا اور ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گزر سکتا تھا ان لوگوں کے تجارتی قافلے ملک شام و یمن میں جاتے اور کامیاب آتے تھے جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ لایلف میں رحلۃ الشتاء والصیف کے عنوان سے کیا ہے۔

اور دین کے اعتبار سے وہ عظیم نعمت ان کو عطا ہوئی جو پچھلی قوم کو نہیں ملی تھی کہ سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان میں مبعوث ہوئے اللہ تعالی کی آخری اور جامع کتاب قرآن ان میں بھیجی گئی۔

مگر ان لوگوں نے اللہ تعالی کے ان انعامات کی شکر گزاری اور قدر کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے حالات کو درست کرنے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ گندے کر دیئے کہ صلہ رحمی کو چھوڑ کر مسلمان ہو جانے والے بھائی بھتیجوں پر وحشیانہ مظالم کرنے لگے مہمان نوازی کے بجائے ان مسلمانوں پر آب و دانہ بند کرنے کے عہد نامہ لکھے گئے حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے لگے یہ وہ حالات تھے جن کو کفار قریش نے بدلا اس کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے اپنی نعمتوں کو نقمتوں اور عذاب کی صورت میں تبدیل کر دیا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور جو ذات رحمۃ للعالمین بن کر آئی تھی اسی کے ذریعہ انہوں نے اپنی موت و ہلاکت کو

دعوت دے دی۔

اور تفسیر مظہری میں معتمد کتب تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلاب بن مرہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں تیسرے دادا ہیں یہ ابتداء سے دین ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کے پابند اور اس پر قائم تھے اور نسلا بعد نسل اس دین کی قیادت وسیادت ان کے ہاتھ میں رہی قصی بن کلاب کے زمانہ میں ان لوگوں میں بت پرستی کا آغاز ہوا ان سے پہلے کعب بن لوی ان کے دینی قائد تھے جمعہ کے روز جس کو ان کی زبان میں عروبہ کہا جاتا تھا سب لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے اور بتلایا کرتے تھے کہ ان کی اولاد میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے ان کا اتباع سب پر لازم ہو گا۔ جو ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کوئی عمل قابل قبول نہ ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ان کے عربی اشعار شعراءِ جاہلیت میں مشہور و معروف ہیں اور یہی قصیٰ بن کلاب تمام حجاج کے لئے کھانے اور پانی کا انتظام کرتے تھے یہاں تک کہ یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں آپ کے عہد مبارک تک قائم رہیں۔ اس تاریخی تشریح سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قریش کی تبدیلِ حالات سے یہ مراد ہو کہ دینِ ابراہیمی کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی۔

بہر حال مضمون آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اوقات حق تعالی اپنی نعمت بعض ایسے لوگوں کو بھی عطا فرماتے ہیں جو اپنے عمل سے اس کے مستحق نہیں ہوتے لیکن عطاءِ نعمت کے بعد اگر وہ اپنے اعمال کا رخ اصلاح و درستی کی طرف پھیرنے کے بجائے اعمال بد میں اور زیادتی کرنے لگیں تو پھر یہ نعمت ان سے چھین لی جاتی ہے اور وہ عذابِ الہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا وان اللہ سمیع علیم یعنی اللہ تعالی ان کی ہر گفتگو کو

سننے والے اور ان کے تمام اعمال وافعال کو جاننے والے ہیں اس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کا امکان نہیں۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ ج وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ o اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ o فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ o وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ o۔

جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ انہوں نے جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی پھر ہلاک کر دیا ہم نے انکو ان کے گناہوں پر اور ڈبو دیا ہم نے فرعون والوں کو اور سارے ظالم تھے بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں ایمان لاتے جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے ان میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے سو اگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں تو ان کو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے تا کہ ان کو عبرت ہو اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغاباز۔

تفسیر:

آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت کا مضمون بلکہ الفاظ تقریباً وہی ہیں جو ایک

آیت پہلے آچکے ہیں كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ مگر مقصد بیان دونوں میں جدا جدا ہے پہلی آیت میں اس کا بیان مقصود تھا کہ ان لوگوں کا کفران کے عذاب کا سبب بنا اور اس آیت میں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں مبذول ہوں اور وہ ان کی قدر نہ پہچانے اور اللہ کے سامنے نہ جھکے تو اس کی نعمتیں نقموں اور مصیبتوں سے بدل دی جاتی ہیں۔ قوم فرعون اور ان سے پہلی اقوام نے بھی جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی تو ان سے نعمتیں چھین لی گئیں اور نعمتوں کے بجائے عذاب میں پکڑ لئے گئے۔ کچھ الفاظ میں بھی کہیں کہیں فرق کر کے خاص خاص اشارے فرمائے گئے ہیں مثلاً پہلی آیت میں كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کے الفاظ تھے اور یہاں بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ کا لفظ ہے لفظ اللہ کے بجائے صفت رب ذکر کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ بڑے ہی ظالم ناحق شناس تھے کہ جو ذات ان کی رب ہے ان کے ابتداء وجود سے لے کر موجودہ حالات تک اس کی نعمتوں ہی میں ان کی پرورش ہوئی ہے اسی کی نشانیوں کو جھٹلانے لگے۔

نیز پہلی آیت میں فَاَخَذَهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ فرمایا تھا یہاں فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ارشاد فرمایا۔ اس میں اس اجمال کی تفصیل و تشریح ہو گئی کیونکہ پہلی آیت میں ان کا عذاب میں پکڑا جانا ذکر کیا گیا جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ زندہ اور باقی رہتے ہوئے مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیں یا سرے سے ان کا وجود ہی ختم کر دیا جائے اس آیت میں اهلكنهم فرما کر واضح کر دیا کہ ان سب قوموں کی سزا سزائے موت تھی۔ ہم نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا ہر قوم کی ہلاکت کی مختلف صورتیں ظاہر ہوئیں ان میں سے فرعون چونکہ خدائی کا دعویدار تھا اور اس کی قوم اس کی تصدیق کرتی تھی اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا و اغرقنا آل فرعون یعنی ہم نے آل فرعون کو

غرق کر دیا دوسری قوموں کی ہلاکت کی صورتیں یہاں بیان نہیں کی گئی دوسری آیات میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ کسی پر زلزلہ آیا، کوئی زمین کے اندر دھنسا دی گئی، کسی کی صورتیں مسخ ہو گئی، کسی پر ہوا کا طوفان مسلط ہو گیا اور آخر میں مشرکین مکہ پر غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے عذاب آیا۔

اس کے بعد کی آیت میں انہیں کافروں کے بارہ میں ارشاد فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَاللہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس میں لفظ دوآب، دابۃ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی زمین پر چلنے والے کے ہیں۔ اس لئے انسان اور جتنے جانور زمین پر چلتے ہیں سب کو یہ لفظ شامل ہے۔ مگر عام محاورات میں یہ لفظ خاص چوپائے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا حال بے شعوری میں جانوروں سے بھی زیادہ گرا ہوا تھا اس لئے اس لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ معنی آیت کے واضح ہیں کہ تمام جانوروں اور انسانوں میں سب سے بدترین جانور یہ لوگ ہیں۔ آخر آیت میں فرمایا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی خداداد استعداد و قابلیت کو ضائع کر دیا۔ چوپائے جانوروں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے کو مقصد زندگی بنا لیا اس لئے ان کی رسائی ایمان تک نہیں ہو سکتی۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ یہ آیت یہود کے چھ آدمیوں کے بارہ میں آئی ہے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ یہ لوگ آخر تک ایمان نہیں لائیں گے۔

نیز اس لفظ میں ان لوگوں کو عذاب سے مستثنیٰ کرنا منظور ہے جو اگرچہ اس وقت کفار کے ساتھ لگے ہوئے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف جدوجہد میں مشغول ہیں مگر آئندہ کسی وقت اسلام قبول کر کے اپنی سابق غلط کاریوں سے توبہ کر لیں گے

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان میں سے بہت بڑی جماعت مسلمان ہو کر نہ صرف خود صالح و متقی بن گئی بلکہ دنیا کے لئے مصلح اور تقوی کی داعی بن کر کھڑی ہوئی۔

تیسری آیت اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ. یہ آیت یہود مدینہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق ہے پچھلی آیتوں میں مشرکین مکہ پر میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب الہی نازل ہونے کا ذکر اور پچھلی امتوں کے کفار سے ان کی تمثیل کا بیان ہوا تھا۔ اس آیت میں اس ظالم جماعت کا ذکر ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کے لئے مار آستین بنی اور جو ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ صلح و آشتی کی دعویدار تھی دوسری طرف مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتی تھیں۔ یہ لوگ مذہبا یہود تھے اور جس طرح مشرکین مکہ میں اسلام کے خلاف سب سے بڑا علمبردار ابو جہل تھا اسی طرح یہود مدینہ میں اس کا علمبردار کعب بن اشرف تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب تو ہوئے مگر دل میں اسلام دشمنی کی آگ ہمیشہ سلگتی رہتی تھی۔

اسلامی سیاست کا تقاضا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو یہود مدینہ کو کسی نہ کسی معاہدہ کے تحت ساتھ لگایا جائے تاکہ وہ مکہ والوں کو مدد نہ پہنچائیں یہود بھی اپنی مرعوبیت کی بنا پر اسی کے خواہش مند تھے۔

اسلامی سیاست کا پہلا قدم اسلامی قومیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر اسلامی سیاست کی سب سے پہلی بنیاد اس کو بنایا کہ مہاجرین وانصار کی وطنی اور قومی عصبیتوں کو ختم کر کے ایک

نئی قومیت اسلام کے نام پر قائم فرمائی۔ مہاجرین وانصار کے مختلف قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا۔

دوسرا قدم معاہدہ یہود :

اس سیاست کا دوسرا قدم یہ تھا کہ حریف مقابل دو تھے ایک مشرکین مکہ جن کی ایذاؤں نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا دوسرے یہود مدینہ جواب مسلمانوں کے پڑوسی بن گئے تھے ان میں سے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا جس کا عہدنامہ مفصل لکھا گیا۔ اس معاہدہ کی پابندی اطراف مدینہ کے سب یہودیوں پر اور اس طرف تمام مہاجرین وانصار پر عائد تھی۔ معاہدہ کا پورا متن البدایہ والنہایہ لابن کثیر میں اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مفصل موجود ہے۔ اس کا سب سے اہم جزیہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کے لئے واجب التعمیل ہوگا دوسرا جزیہ تھا کہ یہود مدینہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کو ظاہراً یا اطنا کوئی امداد نہیں دیں گے لیکن ان لوگوں نے غزوہ بدر کے وقت عہد شکنی کر کے مشرکین مکہ کو اسلحہ اور سامان جنگ سے مدد پہنچائی مگر جب غزوہ بدر کا انجام مسلمانوں کی فتح مبین اور کفار کی ہزیمت وشکست کی صورت میں سامنے آیا تو پھر ان لوگوں پر رعب غالب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر عذر کیا کہ اس مرتبہ ہم سے غلطی ہوگئی اس کو معاف فرمادیں آئندہ عہد شکنی نہیں کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حلم وکرم جو آپ کا شعار تھا اس کی بنا پر دوبارہ معاہدہ کی تجدید فرمائی مگر یہ لوگ اپنی سرشت سے مجبور تھے۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست اور نقصان کا علم ہو کر ان کے حوصلہ بڑھ گئے اور ان کا سردار کعب بن اشرف خود سفر کر کے مکہ پہنچا اور مشرکین مکہ کو اس پر آمادہ کیا گیا کہ اب

پوری طیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کریں اور یہود مدینہ ان کے ساتھ ہوں گے۔

یہ دوسری عہد شکنی تھی جو ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کی۔ آیت مذکورہ میں اس بار بار کی عہد شکنی کا ذکر فرما کر ان لوگوں کی شرارت بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کر لیا مگر یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑتے رہے۔ آخر آیت میں ارشاد فرمایا وھم لا یتقون یعنی یہ لوگ ڈرتے نہیں اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بد نصیب لوگ چونکہ ہوس دنیا میں مست و بے ہوش ہیں آخرت کی فکر ہی نہیں اس لئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے بدکردار عہد شکن لوگوں کا جو انجام بد اس دنیا میں ہوا کرتا ہے یہ لوگ اپنی غفلت و نادانی کی وجہ سے اس سے نہیں ڈرتے۔

پھر ساری دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے اپنی اس بدکرداری کی سزا چکھی۔ ابو جہل کی طرح کعب بن اشرف مارا گیا اور یہود مدینہ جلاوطن کئے گئے۔ چوتھی آیت میں حق تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بد عہدوں کے بارے میں ایک عہد نامہ دیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ .

اس میں لفظ تثقفنھم کے معنی ہیں ان پر قابو پانے کے اور شرد مصدر تشرید سے بنا ہے جس کے اصلی معنی بھگا دینے اور منتشر کر دینے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ اگر آپ کسی جنگ میں ان لوگوں پر قابو پالیں تو ان کو ایسی سخت دردناک سزا دیں جو دوسروں کے لئے عبرت ہو جائے ان کے پیچھے جو لوگ ان کے سہارے پر اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں وہ یہ سمجھ لیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ان کو ایسی سزا دی جائے جس کو دیکھ کر

مشرکین مکہ اور دوسرے دشمن قبائل بھی متاثر ہوں اور آئندہ ان کو مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ رہے۔

آخر آیت میں لعلهم یذکرون فرماکر رب العالمین کی رحمت عامہ کی طرف اشارہ کردیا کہ اس دردناک سزا کا اصلی مقصد بھی کوئی انتقام لینا یا اپنے غصہ کو فرو کرنا نہیں بلکہ انہیں کی یہ مصلحت ہے کہ شاید یہ صورت حال دیکھ کر یہ لوگ کچھ ہوش میں آجائیں اور اپنے کئے پر نادم ہو کر اپنی اصلاح کرلیں۔

صلح معاہدہ کو ختم کرنے کی صورت :

پانچویں آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ و صلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ بتلائی گئی ہے جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف سے خیانت یعنی عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو صاف طور پر ختم کردینے سے پہلے ہم ان کے خلاف کوئی اقدام کریں بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ ان کو اطمینان و فرصت کی حالت میں اس سے آگاہ کردیا جائے کہ تمہاری بدنیتی یا خلاف ورزی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے یا یہ کہ تمہارے معاملات مشتبہ نظر آتے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے۔ تم کو بھی ہر طرح اختیار ہے کہ ہمارے خلاف جو کارروائی چاہو کرو آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِیَانَۃً فَانۡۢبِذۡ اِلَیۡہِمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡخَآئِنِیۡنَ۔

یعنی اگر آپ کو کسی قوم معاہد سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے

تو ان کا عہد ان کی طرف ایسی صورت سے واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اگرچہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے وہ بھی جائز نہیں البتہ اگر دوسری طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسا کیا جا سکتا ہے کہ کھلے طور پر ان کو اعلان کے ساتھ آگاہ کر دیں کہ ہم آئندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے مگر یہ اعلان ایسی طرح ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اس میں برابر ہوں یعنی ایسی صورت نہ کی جائے کہ اس اعلان و تنبیہ سے پہلے ان کے مقابلہ کی طیاری کر لی جائے اور وہ خالی الذہن ہونے کی بنا پر طیاری نہ کر سکیں بلکہ جو کچھ طیاری کرنا ہے وہ اس اعلان و تنبیہ کے بعد کریں۔

یہ ہے اسلام کا عدل و انصاف کہ خیانت کرنے والے دشمنوں کے بھی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پیشتر کوئی طیاری بھی ان کے خلاف نہ کریں۔ (مظہری وغیرہ)

ایفائے عہد کا ایک واقعہ عجیبہ :

ابو داؤد، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبلؒ نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا ایک قوم کے ساتھ ایک میعاد کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ تھا حضرت معاویہؓ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ اس قوم کے قریب پہنچا دیں تاکہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی وہ دشمن پر ٹوٹ پڑیں مگر عین اس وقت جب حضرت معاویہؓ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا یہ دیکھا گیا

کہ ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر وفاءً لا غدرا۔ یعنی نعرہ تکبیر کے ساتھ یہ کہا کہ ہم کو معاہدہ پورا کرنا چاہئے اس کی خلاف ورزی نہ کرچاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس قوم سے کوئی صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی خبر کی گئی دیکھا تو یہ کہنے والے بزرگ حضرت عمرو بن عنبسہ صحابی تھے حضرت معاویہؓ نے فوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا تاکہ التواء جنگ کی میعاد میں لشکر کشی پر اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں۔ (ابن کثیر)

دفعہ دہم و یازدہم آلات جہاد کی تیاری اور اسلام مصالحت کے لئے ہر وقت تیار ہے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے، وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم کو اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا۔

تفسیر : مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں ان کفار کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے اس لئے بچ گئے یا شریک ہونے کے بعد بھاگ نکلے اس طرح اپنی جان بچالی ان لوگوں کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ یوں نہ سمجھیں کہ ہم بچ نکلے کیونکہ غزوہ بدر کفار کے لئے ایک عذاب الہی تھا اور اس کی پکڑ سے بچنا کسی کے بس میں نہیں اس لئے فرمایا انھم لا یعجزون یعنی یہ لوگ اپنی چالاکی سے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ جب پکڑنا چاہیں گے یہ ایک قدم نہ سرک سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا ہی میں پکڑ لئے جائیں ورنہ آخرت میں تو ان کی گرفتاری ظاہر ہے۔

اس آیت نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ کوئی مجرم گناہ گار اگر کسی مصیبت اور تکلیف سے نجات پا جائے اور پھر بھی توبہ نہ کرے بلکہ اپنے جرم پر ڈٹا رہے تو یہ اس کی علامت نہ سمجھو کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا بلکہ وہ ہر وقت اللہ تعالی کی گرفت میں ہے اور یہ ڈھیل ہے اس کے عذاب اور مصیبت کو اور بڑھا رہی ہے گو اس کو محسوس نہ ہو۔

جہاد کے لئے اسلحہ اور سامان حرب کی تیاری فرض ہے

دوسری آیت میں اسلام سے دفاع اور کفار کے مقابلہ کے لئے طیاری کے احکام ہیں ارشاد فرمایا واعدوا لھم ماستطعتم یعنی سامان جنگ کی طیاری کرو کفار کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے۔ اس میں سامان جنگ کی طیاری کے ساتھ ما استطعتم کی قید لگا کر یہ اشارہ فرما دیا کہ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان ہے تم بھی اتنا ہی حاصل کر لو بلکہ اتنا کافی ہے کہ اپنی مقدور بھر جو سامان ہو سکے وہ جمع کر لو تو اللہ تعالی کی نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہو گی۔

اس کے بعد اس سامان کی کچھ تفصیل اس طرح فرمائی من قوۃ یعنی مقابلہ کی قوت جمع کرو اس میں تمام جنگی سامان اسلحہ، سواری وغیرہ بھی داخل ہیں اور اپنے بدن کی ورزش، فنون جنگ کا سیکھنا۔ قرآن کریم نے اس جگہ اس زمانہ کے مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ قوت کا عام لفظ اختیار فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ قوت ہر زمانہ اور ہر ملک و مقام کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ اس زمانہ کے اسلحہ، تیر، تلوار، نیزے تھے اس کے بعد بندوق توپ کا زمانہ آیا پھر اب بموں اور راکٹوں کا وقت آگیا۔ لفظ قوت ان سب کو شامل ہے اس لئے آج کے مسلمانوں کو بقدر استطاعت ایٹمی قوت، ٹینک اور لڑاکا طیارے، آب دوز کشتیاں جمع کرنا چاہئے کیونکہ یہ سب اسی قوت کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس کے لئے جس علم و فن کو سیکھنے کی ضرورت پڑے وہ سب اگر اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کا اور کفار کے مقابلہ کا کام لیا جائے گا تو وہ بھی جہاد کے حکم میں ہے۔

لفظ قوت عام ذکر کرنے کے بعد ایک خاص قوت کا صراحۃً بھی ذکر فرمادیا ومن رباط الخیل لفظ رباط مصدری معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مربوط کے معنی میں بھی۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہوں گے گھوڑے باندھنا اور دوسری صورت میں بندھے ہوئے گھوڑے۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ جہاد کی نیت سے گھوڑے پالنا اور ان کو باندھنا۔ پلے ہوئے گھوڑوں کو جمع کرنا سامان جنگ میں سے خصوصیت کے ساتھ گھوڑوں کا ذکر اس لئے کر دیا کہ اس زمانہ میں کسی ملک و قوم کے فتح کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر و مفید گھوڑے ہی تھے اور آج بھی بہت سے ایسے مقامات ہیں جن کو گھوڑوں کے بغیر فتح نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی میں اللہ تعالی نے برکت رکھ دی ہے۔

صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان جنگ فراہم کرنے اور اس کے استعمال کی مشق کرنے کو بڑی عبادت اور موجب ثواب عظیم قرار دیا ہے تیر بنانے اور چلانے پر بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

اور چونکہ جہاد کا اصل مقصد اسلام اور مسلمانوں سے دفاع ہے اور دفاع ہر زمانہ اور ہر قوم کا جدا ہوتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی عن انسؓ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح دفاع و جہاد ہتھیاروں سے ہوتا ہے بعض اوقات زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلم بھی زبان ہی کے حکم میں ہے۔ اسلام اور قرآن سے کفر والحاد کے حملوں اور تحریفوں کی مدافعت زبان یا قلم سے یہ بھی اس صریح نص کی بنا پر جہاد میں داخل ہے۔

آیت مذکورہ میں سامان جنگ کی طیاری کا حکم دینے کے بعد اس سامان کے جمع کرنے کی مصلحت اور اصل مقصد بھی ان الفاظ میں بیان فرمایا تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ یعنی سامان جنگ و دفاع جمع کرنے کا اصل مقصد قتل و قتال نہیں بلکہ کفر و شرک کو زیر کرنا اور مرعوب و مغلوب کردینا ہے وہ کبھی صرف زبان یا قلم سے بھی ہوسکتا ہے اور بعض اوقات اس کے لئے قتل و قتال ضروری ہوتا ہے جیسی صورت حال ہو اس کے مطابق دفاع کرنا فرض ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جنگ و جہاد کی طیاری سے جن لوگوں کو مرعوب کرنا مقصود ہے ان میں سے بعض کو تو مسلمان جانتے ہیں اور وہ وہ لوگ ہیں جن سے مسلمانوں کا مقابلہ جاری تھا یعنی کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ اور کچھ وہ لوگ ہیں جن کو ابھی

تک مسلمان نہیں جانتے مراد اس سے پوری دنیا کے کفار و مشرکین ہیں جو ابھی تک مسلمانوں کے مقابلہ پر نہیں آئے مگر آئندہ ان سے بھی تصادم ہونے والا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے بتلادیا کہ اگر مسلمانوں نے اپنے موجودہ حریف کے مقابلہ کی تیاری کرلی تو اسکا رعب صرف انہیں پر نہیں بلکہ دور دور کے کفار کسری و قیصر وغیرہ پر بھی پڑے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلفائے راشدین کے عہد میں یہ سب مغلوب و مرعوب ہو گئے۔

جنگی سامان جمع کرنے اور جنگ کرنے میں ضرورت مال کی بھی پڑتی ہے بلکہ سامان جنگ بھی مال ہی کے ذریعہ طیار کیا جاسکتا ہے اس لئے آخر آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اس کا اجر عظیم اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اس راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دے دیا جائے گا بعض اوقات تو دنیا میں بھی مال غنیمت کی صورت میں یہ بدلہ مل جاتا ہے ورنہ آخرت کا بدلہ تو متعین ہے اور ظاہر ہے کہ وہ زیادہ قابل قدر ہے۔

☆☆☆

سامانِ جہاد کی تیاری کی فضیلت

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ رواه مسلم.

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا ہے کافروں سے لڑنے کے لئے تم جس قدر اپنی قوت کو مضبوط کر سکو کرو خبردار تیر اندازی قوت ہے خبردار تیر اندازی قوت ہے خبردار تیر اندازی قوت ہے (یعنی قرآن مجید میں مااستعطتم من قوۃ کے جو الفاظ آئے ہیں ان سے مراد تیر اندازی ہی کی قوت ہے۔(مسلم)

وَ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الرُّوْمُ وَ يَكْفِيْكُمُ اللهُ فَلَا يَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّلْهُوَ بِاَسْهُمِهٖ رواه مسلم.

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ عنقریب تمہارے لئے روم کو فتح کیا جائے گا اور (روم کے شر سے) خدا تم کو کفایت کرے گا پس تم کو چاہئے کہ تم تیروں کے ساتھ کھیلنے میں سستی نہ کرو (یعنی تیر اندازی کی خوب مشق کرو کہ روم والے تیروں کی لڑائی لڑتے ہیں۔(مسلم)

وَ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ

عَلِمَ الرَّمْیَ ثُمَّ تَرَکَهٗ فَلَیْسَ مِنَّا اَوْ قَدْ عَصٰی رواہ مسلم۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے تیر اندازی کو سیکھا اور پھر اس کو چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے یا آپ نے یہ فرمایا اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

وَعَنْ سَلْمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَوْمٍ مِنْ اَسْلَمَ یَتَنَاضَلُوْنَ بِالسُّوْقِ فَقَالَ ارْمُوْا بَنِیْ اِسْمٰعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا وَ اَنَا مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ لِاَحَدِ الْفَرِیْقَیْنِ فَاَمْسَکُوْا بِاَیْدِیْهِمْ فَقَالَ مَالَکُمْ فَقَالُوْا کَیْفَ نَرْمِیْ وَ اَنْتَ مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ قَالَ ارْمُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ کُلِّکُمْ رواہ البخاری۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی اسلم میں تشریف لے گئے جب کہ وہ لوگ بازار میں تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا اے اولاد اسمٰعیلؑ (یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے) تیر اندازی کرو تمہارے باپ تیر انداز تھے اور میں فلاں فریق کے ساتھ ہوں (یعنی ایک فریق کا نام لے کر بتایا) پھر دوسرے فریق نے تیر اندازی چھوڑ دی یعنی تیر پھینکنے سے ہاتھ روک لیا آپ نے پوچھا تم کو کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا ہم اس حالت میں کیونکر تیر اندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ اس فریق کے ساتھ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ (بخاری)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ یَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتُرْسٍ وَاحِدٍ وَکَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْیِ فَکَانَ اِذَا رَمٰی

تَشَرَّفَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَنْظُرُ اِلٰی مَوْضِعِ نَبْلِہٖ رواہ البخاری.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہؓ ایک ڈھال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کر رہے تھے (یعنی تیر اندازی بھی کرتے جاتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت بھی) ابوطلحہؓ مشہور تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر پھینکتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جھانک کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں جاکر پڑا ہے یا کس کو لگا ہے۔ (بخاری)

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَرَکَۃُ فِیْ نَوَاصِیْ الْخَیْلِ متفق علیہ.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے۔ (بخاری ومسلم)

وَعَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَلْوِیْ نَاصِیَۃَ فَرَسٍ بِاِصْبَعِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ الْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ الْاَجْرُ وَالْغَنِیْمَۃُ رواہ مسلم.

حضرت جریرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو انگلی سے بل دیتے ہوئے دیکھا (آپ بل دیتے جاتے تھے اور) فرماتے جاتے تھے گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے قیامت تک (یعنی) حاصل ہوتا ہے ان کے ذریعہ اجر (ثواب آخرۃ اور مال غنیمت)۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ

احْتَبَسَ فَرَساً فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اِیْمَاناً بِاللهِ وَ تَصْدِیْقاً بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شِبْعَهٗ وَ رِیَّهٗ وَ بَوْلَهٗ فِیْ مِیْزَانِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ رواہ البخاری۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خدا کی راہ میں (کام لینے کے لئے اپنے گھر میں) گھوڑا باندھے خدا پر ایمان کامل رکھتا ہو اور اس کے وعدہ کو سچ جانتا ہے تو گھوڑے کی سیری اور سیرابی (یعنی کھانا اور پینا) اور لید اور پیشاب سب قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں تولے جائیں گے) یعنی یہ سب چیزیں اعمال صالحہ میں شامل ہوں گی اور ان پر ثواب ملے گا۔ (بخاری)

وَ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ فِی الْخَيْلِ وَ الشِّكَالُ اَنْ يَّكُوْنَ الْفَرَسُ فِیْ رِجْلِهِ الْيُمْنٰى بَيَاضٌ وَ فِیْ يَدِهِ الْيُسْرٰى اَوْ فِیْ يَدِهِ الْيُمْنٰى وَرِجْلِهِ الْيُسْرٰى رواه مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے میں شکال کو برا سمجھتے تھے اور شکال کے معنی یہ ہیں کہ گھوڑے کے داہنے پاؤں میں اور بائیں ہاتھ میں یا داہنے ہاتھ میں اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۔ (مسلم)

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِیْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ اَمْيَالٍ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِیْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِیْ زُرَيْقٍ بَيْنَهُمَا مِيْلٌ متفق عليه۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو

گھوڑوں کو دوڑایا اضمار کے بعد مقام حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک (ان دونوں مقامات کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا) اور جن گھوڑوں کا اضمار نہیں کیا گیا تھا ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک مقرر کی جس کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ وَ كَانَتْ لَا تُسْبَقُ فَجَاءَ اَعْرَابِیٌّ عَلٰى قَعُوْدٍ لَّهٗ فَسَبَقَهَا فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَا يَرْتَفِعَ شَیْءٌ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهٗ رواه البخاری.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جس کا نام عضباء تھا دوڑ میں کسی اونٹنی کو آگے نہ نکلنے دیتی تھی۔ ایک اعرابی اپنے جوان اونٹ پر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سے اپنے اونٹ کو دوڑایا اور آگے نکل گیا۔ مسلمانوں کو اس بات کا سخت ملال ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا حکم وامر خدا ہی کے لئے ثابت ہے دنیا کی کوئی چیز سربلند نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو پست کردیتا ہے۔ (بخاری)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ فِى الْجَنَّةِ صَانِعَهٗ يَحْتَسِبُ فِیْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِیَ بِهٖ وَمُنَبِّلَهٗ فَارْمُوْا وَارْكَبُوْا وَاَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا كُلُّ شَیْءٍ يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ اِلَّا

رَمْيَهٗ بِقَوْسِهٖ وَ تَادِيْبَهٗ فَرَسَهٗ وَمُلَا عَبَتَهٗ اِمْرَاَتَهٗ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ رواه الترمذی و ابن ماجه و زاد ابوداؤد والدارمی وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهٗ رَغْبَةً عَنْهُ فَاِنَّهٗ نِعْمَةٌ تَرَكَهَا اَوْ قَالَ كَفَرَهَا.

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے خداوند تعالیٰ ایک تیر پھینکنے کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے ایک تو تیر بنانے والے کو جو ثواب کی نیت سے بنائے دوسرے تیر چلانے والے کو اور تیسرے تیر دینے والے کو پس تم تیر اندازی کرو اور سواری کرو (گھوڑوں پر یعنی ان باتوں کی مشق کرو) اور تمہارا تیر اندازی کرنا میرے نزدیک سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور جو چیز کہ آدمی اس کے ساتھ کھیلے باطل و ناروا ہے مگر کمان سے تیر اندازی کرنا گھوڑے کو ادب سکھانا اور بیوی کے ساتھ تفریح کرنا یہ سب چیزیں حق (یعنی پسندیدہ) ہیں (ترمذی۔ ابن ماجہ) اور ابوداؤد۔ دارمی کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اور جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو چھوڑ دے اور اس سے بے پرواہ ہو جائے تو اس نے ایک نعمت کو چھوڑ دیا یا آپ نے یہ فرمایا کہ کفران نعمت کیا۔

وَعَنْ اَبِیْ نَجِیْحِ السُّلَمِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهٗ دَرَجَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَمَنْ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهٗ عَدْلُ مُحَرَّرٍ وَمَنْ شَابَ شَیْبَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رواه البیهقی فی شعب الایمان و رواه ابوداؤد الفصل الاول والنسائی الاول والثانی و الترمذی

الثانی والثالث وَ فِیْ رِوَایَتِہَا مَنْ شَابَ شَیْبَۃً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَدَلَ فِی الْاِسْلَامِ۔

حضرت ابی نجیح سلمیؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یہ سنا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں (تیر پھینکے کافر پر اور اس کو مار ڈالے) اس کے لئے جنت میں ایک درجہ بڑا ہے اور جو شخص خدا کی راہ میں تیر پھینکے (خواہ وہ کافر کو لگے یا نہ لگے) اس کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے اور جو شخص اسلام میں، بوڑھا ہو جائے تو اس کا بوڑھاپا قیامت کے دن ایک نور ہو گا (بیہقی اور نسائی اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں بوڑھا ہو یعنی اسلام میں بوڑھا ہونے کے جائے یہ الفاظ ہیں)

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دوڑ میں یا بازی میں مال لینا جائز نہیں ہے مگر تیر اندازی اونٹ اور گھوڑا دوڑانے میں مال لینا جائز ہے۔ (ترمذی۔ابوداؤد۔نسائی)

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَساً بَیْنَ فَرَسَیْنِ فَاِنْ کَانَ یُؤْمِنُ اَنْ یُسْبَقَ فَلَاخَیْرَ فِیْہِ وَ اِنْ کَانَ لَا یُؤْمِنُ اَنْ یُسْبَقَ فَلَا بَاسَ بِہٖ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَ فِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَساً بَیْنَ فَرَسَیْنِ یَعْنِیْ وَھُوَ لَا یَاْمَنُ اَنْ یُسْبَقَ فَلَیْسَ بِقِمَارٍ وَمَنْ اَدْخَلَ فَرَساً بَیْنَ فَرَسَیْنِ وَقَدْ اَمِنَ اَنْ یُسْبَقَ فَھُوَ قِمَارٌ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں میں اپنا تیسرا گھوڑا شامل کرے (اس شرط پر کہ اگر میرا گھوڑا آگے نکل جائے گا میں دونوں سے بازی لے لوں گا اور اگر نہ نکلا تو میں کچھ نہ دوں گا) اگر اس کو اس کا یقین ہو کہ وہ ضرور آگے نکل جائے گا تو اس شرط میں بھلائی نہیں ہے۔ اور اگر اس کا یقین نہ ہو کہ وہ ضرور آگے نکلے گا تو کوئی مضائقہ نہیں (شرح السنۃ) اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا تیسرا گھوڑا شامل کرے اور اس کو اس کا یقین نہ ہو کہ وہ ضرور آگے نکل جائے گا تو یہ شرط جوا نہیں ہے اور اگر اس کا یقین ہو کہ وہ ضرور آگے نکل جائے گا تو یہ شرط جوا ہے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ زَادَ يَحْيَى فِيْ حَدِيْثِهِ فِى الرِّهَانِ رواه ابو داود والنسائی و رواه الترمذی مع زِيَادَةٍ فِي بَابِ الْغَصَبِ.

حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (گھوڑ دوڑ میں) جلب اور جنب جائز نہیں ہے (جلب یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں ایک شخص کو گھوڑے کے پیچھے لگا لے تا کہ وہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر آگے بڑھائے اور جنب یہ ایک اور گھوڑے اپنے گھوڑے کے پہلو میں رکھے تا کہ سواری کا گھوڑا تھک جائے تو اس پر سوار ہو لے۔) (ابوداؤد۔ نسائی)

وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْاَدْهَمُ الْاَقْرَحُ الْاَرْثَمُ ثُمَّ الْاَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْيَمِيْنِ فَاِنْ لَّمْ

يَكُنْ اَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلٰے هٰذِهِ الشِّيَةِ رواه الترمذی والدارمی.

حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بہترین گھوڑا سیاہ ہوتا ہے جس کی پیشانی میں تھوڑی سی سفیدی ہو اور ناک کی جانب سفید ہو پھر وہ گھوڑا بہتر ہے جس کی پیشانی پر سفیدی ہو اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں لیکن دایاں ہاتھ سفید نہ ہو اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو (یعنی میسر نہ ہو) تو پھر کمیت اسی قسم کا۔ (ترمذی۔ دارمی)

وَعَنْ اَبِیْ وَهَبْ الْجُشَمِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِكُلِّ كُمَيْتٍ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَشْقَرَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَدْهَمَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ رواه ابوداود والنسائی.

حضرت ابی وہب جشمیؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لازم ہے تم پر (یعنی اگر گھوڑا رکھو تو) کمیت گھوڑا (رکھو) جس کی پیشانی ور پاؤں سفید ہوں یا اشقر یعنی سرخ رنگ کا گھوڑا جس کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں یا سیاہ سفید پیشانی اور سفید پاؤں ہوں (کمیت اور اشقر یکساں ہوتے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ کمیت کی دم اور عیال سیاہ ہوتی ہے اور اشقر کی سرخ) (ابوداؤد۔ نسائی)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ رواه الترمذی و ابوداؤد.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے گھوڑوں کی برکت سرخ رنگ کے گھوڑوں میں ہوتی ہے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبدِالسَّلَمِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقُصُّوْا نَوَاصِيَ الْخَيْلِ وَلَا مَعَارِفَهَا وَلَا اَذْنَا بِهَا فَاِنَّ اَذْنَابَهَا مَذَابُّهَا وَ مَعَارِفَهَا دِفَاؤُهَا وَ نَوَاصِيُهَا مَعْقُوْدٌ فِيْهَا الْخَيْرُ رواه ابو داؤد.

حضرت عتبہ ابن عبدالسلمیؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے گھوڑوں کی پیشانی کے بال عیال اور دم نہ کاٹو اس لئے کہ دم ان کی چوری ہے جس سے وہ مکھیاں اڑاتے ہیں اور عیال ان کو گرم رکھنے کی چیز ہے اور پیشانی کے بالوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ اَبِيْ وَهْبِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوْا الْخَيْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِيْهَا وَاَعْجَازِهَا اَوْ قَالَ اَكْفَالِهَا وَ قَلِّدُوْهَا وَلَا تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ رواه ابو دائود والنسائی.

حضرت ابی وہب جشمیؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے گھوڑوں کو باندھ کر رکھو ان کی پیشانی پر اور پیٹھوں پر ہاتھ پھیرو اور ان کی گردن میں گنڈہ باندھو اور کمان کے چلوں کا گنڈہ نہ باندھو۔ (ابوداؤد)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَامُوْرًا مَا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلَّا بِثَلٰثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَ اَنْ لَا نَاكُلَ الصَّدَقَةَ وَ اَنْ لَا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلٰى فَرَسٍ رواہ الترمذی والنسائی.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مامور

انسان تھے (یعنی جس بات کا خدا کی جانب سے انکو حکم ہوتا تھا وہی کرتے تھے اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہتے تھے) ہم کو دوسرے آدمیوں کے سوا کسی بات کا خاص طور پر حکم نہیں دیا مگر تین باتوں کا ایک تو یہ کہ ہم وضو کو پورا کریں دوسرے یہ کہ ہم صدقہ وخیرات نہ کھائیں تیسرے یہ کہ ہم گھوڑی پر گدھے کو نہ چھوڑوائیں۔ (ترمذی۔ نسائی)

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةٌ فَرَكِبَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْحَمَلْنَا الْحَمِيْرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلَ هٰذِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ رواہ ابو دائود والنسائی.

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر ہدیہ میں دی گئی۔ آپ اس پر سوار ہوئے حضرت علیؓ نے عرض کیا اگر ہم گدھوں کو گھوڑیوں پر چھوڑیں تو ہمارے لئے اس خچر کی مانند بچے پیدا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا ایسا وہ شخص کرتے ہیں جو واقف نہیں ہیں (یعنی احکام شریعت سے ناواقف ہیں۔) (ابوداؤد۔ نسائی)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللهِ مِنْ فِضَّةٍ رواہ الترمذی و ابو دائود والنسائی والدارمی.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی)

وَعَنْ هُوْدِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهٖ مَزِيْدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ

رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب .

حضرت ہودؓ بن عبداللہ بن سعدؓ کہتے ہیں مزیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کی تلوار پر (یعنی تلوار کے قبضہ پر) سونا اور چاندی تھی۔ (ترمذی)

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا رواه ابو داود و ابن ماجه.

حضرت سائبؓ بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ احد کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے ہوئے تھے یعنی ایک زرہ کے اوپر دوسری زرہ پہن لی تھی۔ (ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَلِوَاءُهُ اَبْيَضُ رواه الترمذی و ابن ماجه.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا نشان سیاہ تھا اور چھوٹا نشان سفید۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

وَعَنْ مُوْسَى بْنِ عُبَيْدَةَ مَوْلٰى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ اِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ يَسْاَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِّنْ نَمِرَةٍ رواه احمد والترمذی و ابو دائود.

حضرت موسیٰ بن عبیدہؓ کہتے ہیں کہ مجھ کو محمد بن قاسم نے براء بن عازب کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان کا کیا رنگ تھا انہوں نے کہا سیاہ رنگ تھا اور اس کا کپڑا مربع

(یعنی چوکور) تھا نمرہ کی قسم سے۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد)

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاءُهُ اَبْيَضُ رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور آپ کا نشان سفید تھا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ النِّسَاءِ مِنَ الْخَيْلِ رواه النسائی.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ عورتوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ گھوڑے پسند تھے۔ (نسائی)

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بِيَدِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ عَرَبِيَّةٌ فَرَاٰى رَجُلًا بِيَدِهٖ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ قَالَ مَا هٰذِهٖ اَلْقِهَا وَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهٖ وَ اَشْبَاهِهَا وَ رِمَاحِ الْقَنَا فَاِنَّهَا يُؤَيِّدُ اللهُ لَكُمْ بِهَا فِي الدِّيْنِ وَمَكَّنَ لَكُمْ فِي الْبِلَادِ رواه ابن ماجه.

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عربی کمان تھی آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایرانی کمان دیکھی تو پوچھا یہ کیا ہے اس کو پھینک دے تجھ کو اس قسم کی کمان رکھنی چاہئے (یعنی عربی کمان) اور تیر نیزے کہ ان کے سبب خداوند تعالیٰ دین میں تمہاری مدد کرے گا اور شہروں میں تم کو متمکن کر دے گا۔ (ابن ماجہ)

دفعہ یازدہم کافروں کو صلح کی پیش کش نہ کرو

وَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللهُ مَعَكُمْ وَلَنْ

يَتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ. سورة محمد

پس تم سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال میں نقصان نہیں دے گا۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللهِ. اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. وَ اِنْ يُرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ.

اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اس کی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو اللہ کافی ہے اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا۔

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ.

یعنی اگر یہی احتمال واقع ہو جائے کہ صلح کرنے سے ان کی نیت خراب ہو آپ کو دھوکہ ہی دینا چاہیں تب بھی آپ کوئی پروانہ کریں کیونکہ اللہ تعالی آپ کے لئے کافی ہیں پہلے بھی اللہ تعالی ہی کی امداد و تائید سے آپ کا کام چلا ہے اللہ تعالی نے اپنی خاص مدد سے آپ کی تائید فرمائی جو آپ کی فتح و کامیابی کی اصل بنیاد اور حقیقت ہے اور ظاہری طور پر مسلمانوں کی جماعت آپ کی امداد کے لئے کھڑی کر دی جو اسباب ظاہری میں سے ہیں تو جس مالک حقیقی اور قادر مطلق نے تمام اسباب فتح و کامیابی کو وجود عطا فرمایا وہ آج بھی دشمنوں کے دھوکہ فریب کے معاملہ میں آپ کی مدد فرمائے گا اسی وعدہ خداوندی کے تحت اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر بھی کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ دشمنوں کے دھوکہ فریب سے کوئی گزند پہنچی ہو اسی لئے

علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا ہے جیسا کہ واللہ یعصمك من الناس کا وعدہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی کرنے والے صحابہ کرام کو مطمئن اور سبکدوش فرما دیا تھا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔ (بیان القرآن) دوسرے لوگوں کو ظاہری تدبیر اور گرد و پیش کے حالات کے تابع کام کرنا چاہئے۔ اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ سورۃ الفتح میں آئے گی

دفعہ دوازدہم جہاد کے لئے مجاہدین کی بھرتی اور دوران جہاد ترغیب کا سلسلہ جاری رہے

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی جو کچھ زمین میں ہے اگر سارا تو خرچ کر دیتا ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتا لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈال دی بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے اے نبی! تجھے اور مومنوں کو جو

تیرے تابعدار ہیں اللہ کافی ہے اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سو ہوں گے ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ تم میں کسی قدر کمزوری ہے پس اگر تم میں سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر:

سورہ انفال کی مذکورہ چار آیتوں میں سے پہلی آیت میں مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے اصلی سبب اور اس کے حصول کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطاب کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے اپنی خاص مدد سے اور مسلمانوں کی جماعت سے آپ کی تائید اور نصرت فرمائی ہے۔ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے کسی کی امداد و نصرت ظاہر ہے کہ صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ یہ جماعت باہم متفق اور متحد ہو اور بقدر اتفاق و اتحاد ہی اس کی قوت اور وزن ہوتا ہے باہمی اتحاد یگانگت کے رشتے قوی ہیں تو پوری جماعت قوی ہے اور اگر یہ رشتے ڈھیلے ہیں تو پوری جماعت ڈھیلی اور کمزور ہے۔ پس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے اس خاص انعام کا ذکر فرمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے لئے عام مسلمانوں پر ہوا کہ ان کے دلوں میں مکمل وحدت والفت پیدا کر دی گئی حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے ان کے دو قبیلوں اوس و خزرج کی آپس میں شدید جنگیں لڑی جا چکی تھیں اور

جھگڑے چلتے رہتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان جانی دشمنوں کو باہم شیر و شکر بھائی بھائی بنادیا۔ مدینہ میں قائم ہونے والی نئی اسلامی ریاست کے قیام وبقاء اور دشمنوں پر غالب آنے کا حقیقی اور معنوی سبب تو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد تھی اور ظاہری سبب مسلمانوں کی آپس میں مکمل الفت و محبت اور اتفاق و اتحاد تھا۔

اسی کے ساتھ اس آیت میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ مختلف لوگوں کے دلوں کو جوڑ کر ان میں الفت و محبت پیدا کرنا کسی انسان کے بس کا کام نہیں صرف اس ذات کا کام ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے اگر کوئی انسان ساری دنیا کی دولت بھی اس کام کے لئے خرچ کر ڈالے کہ باہم منافرت رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کردے تو وہ کبھی اس پر قابو نہیں پاسکتا۔

مسلمانوں کا آپس میں حقیقی اور پائیدار اتفاق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری پر موقوف ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے قلوب میں باہمی الفت و محبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ اس کے انعام کو حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ حصولِ انعام کے لئے اس کی اطاعت ورضاجوئی شرط ہے۔

جماعتوں اور افراد کے درمیان وحدت و اتفاق ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود اور مفید ہونے سے کسی مذہب وملت اور کسی فکر و نظر والے کو اختلاف نہیں ہوسکتا اور اسی لئے ہر شخص جو لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتا ہے وہ ان کو آپس میں متفق کرنے پر زور دیتا ہے لیکن عام دنیا اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ دلوں کا پورا اور پائدار اتفاق ظاہری تدبیروں سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ورضاجوئی

سے حاصل ہوتا ہے قرآن حکیم نے اس حقیقت کی طرف کئی آیتوں میں اشارے فرمائے ہیں ایک جگہ ارشاد ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا اس میں اختلاف و تفرقہ سے بچنے کی یہ تدبیر بتلائی گئی ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی یعنی قرآن یا شریعت اسلام کو مضبوط تھام لیں تو سب آپس میں خود بخود متفق ہو جائیں گے اور باہمی تفرقے ختم ہو جائیں گے۔ رائے کا اختلاف دوسری چیز ہے اور وہ جب تک اپنی حد کے اندر رہے تفرقہ اور جھگڑے کا سبب کبھی نہیں بنتا۔ جھگڑا فساد جبھی ہوتا ہے جب کہ حدود شریعت سے تجاوز کیا جائے۔ آج اتفاق اتفاق تو سب پکارتے ہیں مگر اتفاق کے معنی ہر شخص کے نزدیک یہ ہوتے ہیں کہ لوگ میری بات مان لیں تو اتفاق ہو جائے اور دوسرے بھی اتفاق کے لئے اسی فکر میں ہوتے ہیں کہ وہ ہماری بات مان لیں تو اتفاق ہو جائے حالانکہ اور جب کہ رایوں کا اختلاف اہل عقل و دیانت میں ناگزیر اور ضروری ہے تو یہ ظاہر ہے کہ اگر ہر شخص دوسرے کے ساتھ متفق ہونے کو اس پر موقوف رکھے کہ دوسرا اس کی بات مان لے تو قیامت تک آپس میں اتفاق نہیں ہو سکتا بلکہ اتفاق کی صحیح اور فطری صورت وہی ہے جو قرآن نے بتلائی کہ دونوں مل کر کسی تیسرے کی بات کو تسلیم کر لیں اور تیسرا وہی ہونا چاہئے جس کے فیصلے میں غلطی کا امکان نہ ہو وہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ ہی ہو سکتا ہے اس لئے آیت مذکورہ میں اس کی ہدایت فرمائی گئی کہ سب مل کر اللہ کی کتاب کو مضبوط تھام لو تو آپس کے جھگڑے ختم ہو کر اتفاق کامل پیدا ہو جائے گا۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں محبت و مؤدت پیدا فرما دیتے ہیں۔ اس آیت نے واضح کر دیا کہ دلوں میں

حقیقی محبت و مودت پیدا ہونے کا اصلی طریق ایمان اور عمل صالح کی پابندی ہے۔ اس کے بغیر اگر کہیں کوئی اتفاق واتحاد مصنوعی طور پر قائم کر بھی لیا جائے تو وہ محض بے بنیاد اور کمزور ہوگا ذراسی ٹھیس میں ختم ہو جائے گا جس کا مشاہدہ تمام اقوام دنیا کے حالات و تجربات سے ہوتا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالی کے اس انعام کی وضاحت کی گئی ہے جو مدینہ کے تمام قبائل کے دلوں میں الفت پیدا کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و نصرت کے لئے ان کو ایک آہنی دیوار کی طرح بنا کر کیا گیا ہے۔

دوسری آیت میں بھی یہی مضمون خلاصہ کے طور پر بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کے لئے حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالی اور ظاہر کے اعتبار سے مومنین کی جماعت کافی ہے آپ کسی بڑے سے بڑے دشمن کی تعداد یا سامان سے خوف زدہ نہ ہوں۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر کے میدان جنگ شروع ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی تا کہ قلیل التعداد، بے سامان مسلمان اپنے مقابل کی بھاری تعداد اور بھاری سامان سے مرعوب نہ ہو جائیں۔

تیسری اور چوتھی آیت میں مسلمانوں کے لئے ایک جنگی قانون کا ذکر ہے کہ انکو کس حد تک اپنے حریف کے مقابلہ پر جمنا فرض اور اس سے ہٹنا گناہ ہے۔ پچھلی آیات اور واقعات میں اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آچکا ہے کہ اللہ تعالی کی امداد غیبی مسلمانوں کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے ان کا معاملہ عام اقوام دنیا کا سا معاملہ نہیں یہ تھوڑے بھی بہت سوں پر غالب آسکتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً بِاِذْنِ اللهِ (یعنی بہت سی قلیل التعداد جماعتیں اللہ تعالی کے حکم سے کثرت والے مقابل پر غالب آجاتی ہیں)

كَثِيْرَةً

اس لئے اسلام کے سب سے پہلے جہاد غزوۂ بدر میں دس مسلمان کو سو آدمیوں کے برابر قرار دے کر یہ حکم دیا گیا کہ

اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو دشمنوں پر غالب آجائیں گے اور اگر تم سو ہو نگے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجاؤ گے۔

عنوان تعبیر اس میں ایک خبر کار کھا گیا ہے کہ سو مسلمان ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے مگر مقصد یہ حکم دینا ہے کہ سو مسلمانوں کو ایک ہزار کفار کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں۔ عنوان خبر کار رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل اس خوشخبری سے مضبوط ہو جائیں کہ اللہ کا وعدہ ہماری حفاظت اور غلبہ کا ہے اگر حکم کو بصیغہ امر قانون کی صورت میں پیش کیا جاتا تو فطری طور پر وہ بھاری معلوم ہوتا۔

غزوۂ بدر پہلے پہل کی جنگ ایسی حالت میں تھی جب کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد ہی بہت کم تھی اور وہ بھی سب کے سب محاذ جنگ پر گئے نہ تھے بلکہ فوری طور پر جو لوگ طیار ہو سکے وہی اس جنگ کی فوج بنے اس لئے اس جہاد میں سو مسلمانوں کو ایک ہزار کافروں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا اور ایسے انداز میں دیا کہ فتح و نصرت کا وعدہ ساتھ تھا۔

چوتھی آیت میں اس حکم کو آئندہ کے لئے منسوخ کر کے دوسرا حکم دیا گیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے۔

یہاں بھی مقصد یہ ہے کہ سو مسلمانوں کو دو سو کافروں کے مقابلہ سے گریز کرنا جائز نہیں۔ پہلی آیت میں ایک مسلمان کو دس کے مقابلہ سے گریز ممنوع قرار دیا تھا

اس آیت میں ایک کو دو کے مقابلہ سے گریز ممنوع رہ گیا اور یہی آخری حکم ہے جو ہمیشہ کے لئے جاری اور باقی ہے۔

یہاں بھی حکم کو حکم کے عنوان سے نہیں بلکہ خبر اور خوشخبری کے انداز سے بیان فرمایا گیا ہے جس میں اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو دو کافروں کے مقابلہ پر جمنے کا حکم معاذاللہ کوئی بے انصافی یا تشدد نہیں بلکہ اللہ تعالی نے مسلمان میں اس کے ایمان کی وجہ سے وہ قوت رکھ دی ہے کہ ان میں کا ایک دو کی برابر رہتا ہے۔

مگر دونوں جگہ اس فتح و نصرت کی خوشخبری کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ یہ مسلمان ثابت قدم رہنے والے ہوں اور ظاہر ہے کہ قتل و قتال کے میدان میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ثابت قدم رہنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جس کا ایمان کامل ہو، کیونکہ ایمان کامل انسان کو شوق شہادت کا جذبہ عطا کرتا ہے اور یہ جذبہ اس کی طاقت کو بہت کچھ بڑھا دیتا ہے۔

آخر آیت میں عام قانون کی صورت سے بتلا دیا ان اللہ مع الصابرین یعنی اللہ تعالی ثابت قدم رہنے والوں کا ساتھی ہے اس میں میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے والے بھی شامل ہیں اور عام احکام شرعیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنے والے حضرات بھی، ان سب کے لئے معیت الہیہ کا وعدہ ہے اور یہ معیت ہی ان کی فتح و ظفر کا اصلی راز ہے کیونکہ جس کو قادر مطلق کی معیت نصیب ہو گئی اس کو ساری دنیا مل کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی۔

کافروں کی قوت توڑنے تک انہیں قیدی نہ بنایا جائے بلکہ انہیں قتل کیا جائے

مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

نبی کو نہیں چاہئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کرلے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا، اور اللہ کے ہاں چاہئے آخرت، اور اللہ زور آور ہے حکمت والا اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا، اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

تفسیر:

آیات مذکورہ کا تعلق غزوہ بدر کے ایک خاص واقعہ سے ہے اس لئے ان کی تفسیر سے پہلے صحیح اور مستند روایات حدیث کے ذریعہ اس واقعہ کا بیان ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر اسلام میں سب سے پہلا جہاد ہے اور اچانک پیش آیا ہے اس وقت تک جہاد سے متعلقہ احکام کی تفصیل قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھی۔ جہاد میں اگر مال غنیمت ہاتھ آجائے تو اسے کیا کیا جائے دشمن کے سپاہی اپنے قبضہ میں آجائیں تو ان کو گرفتار کرنا جائز ہے یا نہیں اور گرفتار کرلیا جائے تو پھر ان کی ساتھ معاملہ کیا کرنا چاہئے۔

مال غنیمت کے متعلق پچھلے تمام انبیاء کی شریعتوں میں قانون یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس سے نفع اٹھانا اور استعمال کرنا حلال نہیں تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ پورا مال غنیمت جمع کر کے کسی میدان میں رکھ دیا جائے اور دستور الٰہی یہ تھا کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور اس سارے مال کو جلا کر خاک کر دیتی۔ یہی علامت اس جہاد کے مقبول

ہونے کی سمجھی جاتی تھی۔اگر مال غنیمت کو جلانے کے لئے آسمانی آگ نہ آئے تو یہ اس کی علامت ہوتی ہے کہ جہاد میں کوئی کوتاہی رہی ہے جس کے سبب وہ اللہ تعالی کے نزدیک مقبول نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار سے حاصل ہونے والا مال غنیمت کسی کے لئے حلال نہیں تھا مگر امت مرحومہ کے لئے حلال کر دیا گیا۔مال غنیمت کا اس امت کے لئے خصوصی طور پر حلال ہونا اللہ تعالی کے تو علم میں تھا مگر غزوہ بدر کے واقعہ تک اس کے متعلق کوئی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے حلال ہونے کے متعلق نازل نہیں ہوئی تھی اور غزوہ بدر میں صورت حال یہ پیش آئی کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بالکل خلاف قیاس غیر معمولی فتح عطا فرمائی دشمن نے مال بھی چھوڑا جو بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ان کے بڑے بڑے ستر سردار مسلمانوں نے گرفتار کر لئے مگر ان دونوں چیزوں کے جائز ہونے کی صراحت کسی وحی الہی کے ذریعہ ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

اس لئے صحابہ کرام کے اس عاجلانہ اقدام پر عتاب نازل ہوا۔اسی عتاب و ناراضی کا اظہار ایک وحی کے ذریعہ کیا گیا جس میں جنگی قیدیوں کے متعلق بظاہر تو مسلمانوں کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تھا مگر اسی اختیار دینے میں ایک اشارہ اس کی طرف بھی کر دیا گیا تھا کہ مسئلہ کے دونوں پہلوؤں میں سے اللہ تعالی کے نزدیک ایک پسندیدہ اور دوسرا ناپسندیدہ ہے جامع ترمذی۔ سنن نسائی۔ صحیح ابن حبان میں بروایت علی مرتضیٰ منقول ہے کہ اس موقع پر حضرت جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس آئے اور یہ حکم سنایا کہ آپ صحابہ کرام کو دو چیزوں میں اختیار دے دیجئے ایک یہ کہ ان قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں دوسرے یہ کہ ان کو فدیہ یعنی کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن اس دوسری صورت میں بامر الٰہی یہ طے شدہ ہے کہ اس کے بدلہ آئندہ سال مسلمانوں کو اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے جتنے قیدی آج مال لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہ صورت اگرچہ تخییر کی تھی اور صحابہ کرام کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا گیا تھا مگر دوسری صورت میں ستر مسلمانوں کی شہادت کا فیصلہ ذکر کرنے میں اس طرف ایک خفیف اشارہ ضرور موجود تھا کہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند نہیں کیونکہ اگر یہ پسند ہوتی تو ستر مسلمانوں کا خون اس کے نتیجہ میں لازم نہ ہوتا۔

صحابہ کرام کے سامنے جب یہ دونوں صورتیں بطور اختیار کے پیش ہوئی تو بعض صحابہ کرام کا خیال یہ ہوا کہ اگر ان لوگوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ یہ سب یا بعض کسی وقت مسلمان ہو جائیں جو اصلی فائدہ اور مقصد جہاد ہے دوسرا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمان اس وقت افلاس کی حالت میں ہیں اگر ستر آدمیوں کا مالی فدیہ ان کو مل گیا تو ان کی تکلیف بھی دور ہو گی اور آئندہ کے لئے جہاد کی طیاری میں بھی مدد مل جائے گی رہا ستر مسلمانوں کا شہید ہونا سو وہ مسلمانوں کے لئے خود ایک نعمت و سعادت ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ ان خیالات کے پیش نظر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہ کرام نے یہی رائے دی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے صرف حضرت عمر بن خطابؓ اور سعد بن معاذؓ وغیرہ چند حضرات نے اس رائے سے اختلاف کر کے ان سب کو قتل کر دینے کی رائے اس بنیاد پر دی کہ یہ حسن اتفاق ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قوت و طاقت فراہم کرنے والے سارے قریشی سردار اس

وقت قابو میں آگئے ہیں ان کا قبول اسلام تو موہوم خیال مگر یہ گمان غالب ہے کہ یہ لوگ واپس ہو کر پہلے سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف سرگرمی کا سبب بنیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہو کر تشریف لائے تھے اور رحمت مجسم تھے صحابہ کرام کی دو رائیں دیکھ کر آپ نے اس رائے کو قبول کر لیا جس میں قیدیوں کے معاملہ میں رحمت اور سہولت تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے آپ نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو خطاب کر کے فرمایا لو اتفقتما ما خالفتکما یعنی اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا۔ (مظہری) اختلاف رائے کے وقت آپ کی رحمت و شفقت علی الخلق کا تقاضا یہی ہوا کہ ان کے معاملے میں آسانی اختیار کی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے نتیجہ میں آئندہ سال غزوہ احد کے موقع پر ارشادات ربانی کے مطابق ستر مسلمانوں کے شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا۔

تریدون عرض الدنیا میں ان صحابہ کرام کو خطاب ہے جنہوں نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی تھی اس آیت میں بتلایا گیا کہ آپ حضرات نے ہمارے رسول کو نامناسب مشورہ دیا کیونکہ کسی نبی کے لئے یہ شایان شان نہیں ہے کہ اس کو دشمنوں پر قابو مل جائے تو ان کی قوت و شوکت کو نہ توڑے اور مفسد قسم کے دشمن کو باقی رکھ کر مسلمانوں کے لئے ہمیشہ کی مصیبت قائم کر دے۔

اس آیت میں حتی یثخن فی الارض کے الفاظ آئے ہیں لفظ اثخان کے معنی لغت میں کسی کی قوت و شوکت کو توڑنے میں مبالغہ سے کام لینے کے ہیں اسی معنی کی تاکید کے لئے لفظ فی الارض لایا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ دشمن کی شوکت کو خاک میں ملا دے۔

جن صحابہ کرام نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی تھی اگرچہ ان کی رائے میں ایک جز خالص دینی تھا یعنی آزادی کے بعد ان لوگوں کے مسلمان ہو جانے کی امید مگر ساتھ ہی دوسرا اجزا اپنی ذاتی منفعت کا بھی تھا کہ ان کو مال ہاتھ آجائے گا اور ابھی تک کسی نص صریح سے اس مال کا جائز ہونا بھی ثابت نہ تھا اس لئے انسانوں کا وہ معاشرہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت اس پیمانہ پر بنایا جا رہا تھا کہ ان کا مرتبہ فرشتوں سے بھی آگے ہو ان کے لئے یہ مال کی طرف دھیان بھی ایک قسم کی معصیت سمجھی گئی اور جو کام جائز و ناجائز کاموں سے مرکب ہو اس کا مجموعہ ناجائز ہی کہلاتا ہے اس لئے صحابہ کرام کا یہ عمل قابل عتاب قرار دے کر یہ ارشاد نازل ہوا۔

تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم یعنی تم لوگ دنیا کو چاہتے ہو حالانکہ اللہ تعالی تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو یہاں بطورِ عتاب کے ان کے صرف اس فعل کا ذکر کیا گیا جو وجہ ناراضی تھا دوسرا سبب یعنی قیدیوں کے مسلمان ہو جانے کی امید اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کرام جیسی پاکباز مخلص جماعت کے لئے ایسی مشترک نیت جس میں کچھ دین کا جز و کچھ اپنے دنیوی نفع کا یہ بھی قابل قبول نہیں یہاں کلیہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ اس آیت میں عتاب و تنبیہ کا خطاب صحابہ کرام کی طرف ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی رائے کو قبول فرما کر ایک گونہ شرکت ان کے ساتھ کر لی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل خالص آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مظہر تھا کہ صحابہ میں اختلاف رائے ہونے کی صورت میں اس صورت کو اختیار فرمالیا جو قیدیوں کے حق میں سہولت و شفقت کی تھی۔

آخر آیت میں **واللہ عزیز حکیم** فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالی

زبردست حکمت والے ہیں اگر آپ لوگ جلدبازی نہ کرتے تو وہ اپنے فضل سے آئندہ فتوحات میں تمہارے لئے مال ودولت کا بھی سامان کردیتے۔

دوسری آیت بھی اسی عتاب کا تتمہ ہے جس میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہوچکا ہوتا تو جو کام تم نے اختیار کیا کہ مال لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقعہ ہوجاتی۔

اس نوشتہ تقدیر سے کیا مراد ہے اس کے متعلق ترمذی میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال غنیمت تم سے پہلے کسی قوم کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا بدر کے موقع میں جب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے حالانکہ ابھی تک ان کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا یہ اقدام ایسا گناہ تھا کہ اس پر عذاب آجانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا جائے گا اس لئے مسلمانوں کی اس خطاء پر عذاب نازل نہیں کیا تھا۔ (مظہری)

بعض روایات حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذاب الٰہی بالکل سامنے آچکا تھا اللہ نے اپنے فضل سے روک دیا اور اگر عذاب آجاتا تو بجز عمر بن خطابؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی اس سے نہ بچتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبب عتاب قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا تھا اور ترمذی کی روایت سابقہ سے اس کا سبب مال غنیمت جمع کرنا معلوم ہوتا ہے مگر دونوں میں کوئی تضاد نہیں قیدیوں سے فدیہ لینا بھی مال غنیمت ہی کا جز ہے۔

مسئلہ۔ آیت مذکورہ میں قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کرنے یا مال غنیمت

جمع کرنے پر جو عتاب نازل ہوا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا پھر معافی دے دی گئی اس سے یہ بات نہ کھلی کہ آئندہ کے لئے ان معاملات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے اس لئے اگلی آیت میں مال غنیمت کا مسئلہ تو صاف کردیا گیا **فکلوا مما غنمتم** یعنی جو مال غنیمت تم کو ہاتھ آگیا ہے وہ اب کھا سکتے ہو وہ آئندہ کے لئے تمہارے واسطے حلال کردیا گیا مگر اس میں بھی ایک شبہ یہ رہ جاتا ہے کہ مال غنیمت حلال کرنے کا حکم تو اب ملا ہے اس حکم سے پہلے جو غلطی سے جمع کرلیا گیا تھا شاید اس میں کسی قسم کی کراہت ہو اس لئے اس کے بعد حللاً طیباً فرما کر یہ شبہ بھی دور کردیا گیا کہ اگرچہ نزول حکم سے پہلے جمع غنیمت کا اقدام درست نہ تھا مگر اب جب کہ مال غنیمت حلال ہونے کا حکم آگیا تو پہلا جمع کیا ہوا بھی بغیر کسی کراہت کے حلال ہے۔

مسئلہ۔ یہاں اصول فقہ کا ایک مسئلہ قابل نظر اور قابل یادداشت ہے کہ جب کسی ناجائز اقدام کے بعد مستقل آیت کے ذریعہ اس مال کو حلال کرنے کا حکم نازل ہو جائے تو سابقہ اقدام کا اس میں کوئی اثر نہیں رہتا یہ مال حلال طیب ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں ہوا لیکن اسی کی ایک دوسری نظیر یہ ہے کہ کسی معاملہ میں حکم تو پہلے سے نازل شدہ تھا مگر اس کا ظہور عمل کرنے والوں پر نہیں تھا اس بنا پر اس کی خلاف ورزی کر گزرے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عمل قرآن و سنت کے فلاں حکم کے خلاف تھا تو اس صورت میں ظہورِ حکم کے بعد وہ مال حلال نہیں رہتا اگرچہ سابقہ غلطی کو معاف بھی کردیا جائے (نور الانوار ملا جیون) آیت مذکورہ میں مال غنیمت کو حلال طیب تو قرار دے دیا گیا مگر آخر آیت میں یہ قید لگادی گئی **واتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم**. اس میں اشارہ کردیا کہ مال غنیمت اگرچہ حلال کردیا گیا ہے مگر وہ بھی ایک خاص قانون کے تحت حلال ہوا ہے اس قانون کے خلاف یا اپنے حق سے زائد لیا جائے گا تو وہ جائز نہیں۔

یہاں دو معاملے تھے ایک مال غنیمت دوسرے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا پہلے معاملہ کے متعلق تو اس آیت نے بات صاف کردی مگر دوسرا معاملہ ابھی تک صاف نہیں ہوا اس کے متعلق سورۃ محمد میں یہ آیت نازل ہوئی فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ (یعنی جب جنگ میں کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مار دو یہاں تک کہ جب تم خوں ریزی کے ذریعہ ان کی قوت شوکت توڑ چکو تو پھر ان کو قید کر کے مضبوط باندھو اس کے بعد یا تو ان پر احسان کر کے بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے پر عتاب نازل ہوا یہ اسلام کا پہلا جہاد تھا اس وقت تک کافروں کی قوت و شوکت ٹوٹ نہیں چکی تھی اتفاقاً ان پر ایک مصیبت پڑ گئی تھی پھر جب اسلام اور مسلمانوں کا مکمل غلبہ حاصل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ وہ حکم منسوخ کرنے کے لئے سورہ محمد کی آیت مذکورہ نازل فرمادی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدیوں کے بارے میں چار اختیار دے دیئے گئے وہ ہیں۔

ان شاء واقتلوهم و ان شاء وا استعبدوهم و ان شاء وافاد وهم و ان شاء واعتقوهم(مظهری)

چاہیں تو سب کو قتل کر دیں یا چاہیں تو غلام بنالیں یا چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں یا چاہیں تو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیں۔

مذکورہ چار اختیارات میں سے پہلے دو پر تو پوری امت کا اتفاق اور اجماع ہے

کہ امیر مسلمین کے لئے قیدیوں کو قتل کر دینے کا بھی اختیار ہے اور غلام بنا لینے کا بھی لیکن ان کو بلا معاوضہ چھوڑ دینے یا بلا معاوضہ لے کر چھوڑ دینے میں فقہاء امت کا اختلاف ہے۔

امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، ثوریؒ، اسحاقؒ اور تابعین میں سے حضرت حسن بصریؒ اور عطاء کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں صورتیں بھی امیر مسلمین کے لئے جائز نہیں کہ قیدیوں کو معاوضہ لے کر چھوڑ دے یا بلا معاوضہ آزاد کر دے یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرے۔

اور امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد، اوزاعی، اور قتادہ اور ضحاک اور سدی اور ابن جریج فرماتے ہیں کہ بلا معاوضہ چھوڑنا تو بالکل جائز نہیں فدیہ لے کر چھوڑنا بھی امام ابو حنیفہؒ کے مشہور مذہب میں جائز نہیں البتہ سیر کبیر کی روایت یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو فدیہ لے کر چھوڑ سکتے ہیں البتہ مسلمانوں قیدیوں کے تبادلہ میں ان کو چھوڑ دینا امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے (کما اظہر الروایتین عنہم مظہری)

جن حضرات نے فدیہ لے کر یا بلا فدیہ چھوڑ دینے کی اجازت دی ہے وہ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق سورہ محمد کی آیت کو انفال کی آیت کا ناسخ اور آیت انفال کو منسوخ قرار دیتے ہیں فقہاء حنفیہ نے آیت سورہ محمد کو منسوخ قرار دیا ہے اور سورہ انفال کی آیت فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ اور آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کو اس کا ناسخ قرار دیا ہے اس لئے قیدیوں کو آزاد کر دینا خواہ فدیہ لے کر ہو یا بلا فدیہ ان کے نزدیک جائز نہیں۔ (مظہری)

لیکن اگر سورہ انفال کی آیت کے الفاظ اور سورہ محمد کے الفاظ میں غور کیا

جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں بلکہ دو مختلف حالتوں کے دو حکم ہیں۔

سورہ انفال کی آیت میں بھی اصل حکم اثخان فی الارض یعنی قتل کے ذریعہ کافروں کی قوت توڑ دینا۔ اور سورہ محمد کی آیت میں بھی جو من و فداء (یعنی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لے کر) آزاد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس سے پہلے اثخان فی الارض کا بیان ہوچکا ہے یعنی خون ریزی کے ذریعہ کفر کی قوت ٹوٹ جانے کے بعد یہ بھی اختیار ہے کہ قیدیوں کو فدیہ پر یا بلا فدیہ آزاد کر دیا جائے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی روایت سیر کبیر کا بھی یہی منشاء ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے حالات اور ضرورت پر نظر کر کے دونوں قسم کے احکام دیئے جاسکتے ہیں واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ پوری تفصیل آنے والی احادیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَجَبَ اللهُ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ وَفِي رِوَايَةٍ يُقَادُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ رواه البخاری.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالی تعجب کرتا ہے اس قوم پر (یعنی اس سے خوش ہوتا ہے) جو زنجیروں میں بندھی ہوئی جنت میں دخل ہوتی ہے (یعنی ان کفار پر خدا نے تعجب کیا جو (زنجیروں میں باندھ کر دار الاسلام میں لائے گئے اور پھر مسلمان ہو کر جنت میں داخل ہوئے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تعجب کرتا ہے اللہ تعالی لوگوں پر جو زنجیروں میں باندھ کر جنت کی طرف لئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ فِيْ سَفَرٍ فَجَلَسَ عِنْدَ اَصْحَابِهٖ يَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْلُبُوْهُ وَاقْتُلُوْهُ فَقَتَلْتُهٗ فَنَفَّلَنِيْ سَلَبَهٗ متفق عليه.

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ مشرکوں کا ایک جاسوس آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور آپؐ کے صحابہؓ کے پاس بیٹھ کر اس نے باتیں کیں اور پھر چلا گیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب اس کی خبر ملی تو) آپ نے فرمایا اس کو مار ڈالو چنانچہ میں نے اس کو مار ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سارا سامان مجھ کو مرحمت فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ اَحْمَرَ فَاَنَاخَهٗ وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِيْنَا ضَعْفَةٌ وَرِقَّةٌ مِنَ الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ اِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ فَاَتٰى جَمَلَهٗ فَاَثَارَهٗ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَخَرَجْتُ اَشْتَدُّ حَتّٰى اَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَاَنَخْتُهٗ ثُمَّ اخْتَرَطْتُ سَيْفِيْ فَضَرَبْتُ رَاْسَ الرَّجُلِ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ اَقُوْدُهٗ عَلَيْهِ رَحْلُهٗ وَسِلَاحُهٗ فَاسْتَقْبَلَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوْا ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ لَهٗ سَلَبُهٗ اَجْمَعُ متفق عليه.

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ ہوازن سے ہم نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی ایک روز ہم دوپہر کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھا رہے تھے کہ ایک شخص سرخ اونٹ پر آیا اس نے اونٹ کو بٹھادیا اور چاروں طرف دیکھنا شروع کیا ہم میں بہت سے لوگ کمزور تھے اور ست سواری کی کمی کے سبب اور پیدل چلنے کے باعث پھر وہ شخص دوڑتا ہوا آیا اونٹ پر سوار ہوا اس کو کھڑا کیا اور پھر دوڑایا میں بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا یہاں تک کہ میں نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اس کو بٹھایا پھر اپنی تلوار کو نیام سے نکالا اور اس کا سر اڑا دیا اس کے بعد میں اس کے اونٹ کو جس پر اس کا سامان اور ہتھیار تھے کھینچتا ہوا لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ میرے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو کس نے مارا اصحابہ نے عرض کیا ابن اکوع نے فرمایا اس کا سارا سامان اسی کے لئے ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ فَجَاءَ فَجَلَسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوْا عَلٰی حُکْمِكَ قَالَ فَاِنِّیْ اَحْکُمُ اَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَ اَنْ تُسْبَی الذُّرِّیَّةُ قَالَ لَقَدْ حَکَمْتَ فِیْهِمْ بِحُکْمِ الْمَلِكِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ بِحُکْمِ اللّٰہِ متفق علیہ.

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب بنو قریظہ (یہود کی ایک جماعت) سعد بن معاذؓ کے حکم پر آمادہ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے سعد بن معاذؓ کو بلا بھیجا سعدؓ گدھے پر سوار ہو آئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ معاذؓ آپ کے پاس آکر بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یہ لوگ (یعنی بنو قریظہ) تمہارے حکم و فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ سعد بن معاذؓ نے عرض کیا میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں سے جو لوگ لڑنے کے قابل ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا جائے۔ آپ نے فرمایا تم نے ان کے متعلق بادشاہ کا سا حکم کیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم نے ان کے بارے میں خدا کے حکم کے ساتھ حکم کیا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْلاً قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ حَنِیْفَةَ یُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ سَیِّدُ اَهْلِ الْیَمَامَةِ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِیَةٍ مِّنْ سَوَارِیَ الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ یَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِیْ یَا مُحَمَّدُ خَیْرٌ اِنْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَ اِنْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاكِرٍ وَ اِنْ كُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی كَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَهٗ مَا عِنْدَكَ یَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِیْ مَا قُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاكِرٍ وَ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَ اِنْ كُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ لَهٗ مَا عِنْدَكَ یَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِیْ مَا قُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاكِرٍ وَ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَ اِنْ

كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْلِقُوا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلىٰ نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ يَا مُحَمَّدُ وَاللهِ مَا كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ اَصْبَحَ وَجْهُكَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا اِلَيَّ وَاللهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَاَصْبَحَ دِيْنُكَ اَحَبَّ الدِّيْنِ كُلِّهِ اِلَيَّ وَوَاللهِ مَاكَانَ مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَاَصْبَحَ بَلَدُكَ اَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا اِلَيَّ وَاِنَّ خَيْلَكَ اَخَذَتْنِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهُ اَنْ يَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ اَصَبَوْتَ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ اَسْلَمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَاوَاللهِ لَايَاْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَاْذَنَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رواه مسلم واختصره البخاری.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر نجد کی طرف روانہ فرمایا اس لشکر کے لوگ قبیلہ بن حنفیہ کے ایک شخص کو پکڑ لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور جو شہر یمامہ کے لوگوں کا سردار تھا لوگوں نے اس کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے تو پوچھا ثمامہ! تیرا کیا حال ہے یا تو کیا خیال رکھتا ہے کہ میں تیرے ساتھ کس قسم کا سلوک کروں گا۔ ثمامہ نے کہا! محمد میرے پاس مال و دولت ہے اگر تم مجھ کو قتل کرو گے تو ایک ایسے

شخص کو قتل کرو گے جو خون کرنے کے سبب قتل کا مستحق ہے یا تم مجھ کو قتل کرو گے تو ایسے شخص کو قتل کرو گے جس کا خون رایگاں نہیں جائے گا (بلکہ میری قوم میرے خون کا بدلہ لے گی) اور اگر بخشش کرو گے تو ایک ایسے شخص پر کرو گے جو شاکر و قدر دان ہے (یعنی اس کا بدلہ تم کو دیا جائے گا) اور اگر تم مال کے خواہش مند ہو تو جو مانگو گے دیا جائے گا (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا دوسرے روز اس سے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ثمامہ کیا حال ہے اس نے کہا میں پھر وہی کہتا ہوں جو کہہ چکا ہوں یعنی اگر انعام کرو گے (یعنی مجھ کو چھوڑ دو گے) تو انعام واحسان کرو گے قدر دان پر اور اگر قتل کرو گے تو قتل کرو گے خون والے کو اور اگر مال کے خواہش مند ہو تو جس قدر چاہو گے دیا جائے گا اس روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تیسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے پوچھا ثمامہ! کیا بات ہے اس نے کہا وہی بات ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں یعنی اگر بخشش کرو گے تو بخشش کرو گے قدر دان پر اور اگر قتل کرو گے تو قتل کرو گے خون والے کو اور اگر مال چاہتے ہو تو جس قدر مانگو گے دیا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ اس کو ستون سے کھول دیا گیا وہ مسجد سے نکلا اور کھجوروں کے ان درختوں میں چلا گیا تو مسجد کے قریب تھے اور وہاں سے غسل کر کے پھر مسجد میں آیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں (یعنی مجھے دل سے اقرار کرتا ہوں) کہ خدا کے سوا کوئی معبود عبادت کے قابل نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے

اور خدا کے رسول ہیں اے محمد خدا کی قسم روئے زمین پر تمہارے چہرے سے زیادہ نفرت انگیز میرے نزدیک کوئی چہرہ نہیں تھا لیکن اب آپ کا چہرہ ساری دنیا کے چہروں سے مجھ کو زیادہ محبوب ہے اور قسم ہے خدا کی میرے نزدیک تمہارے دین سے زیادہ نفرت انگیز کوئی دین نہ تھا لیکن اب آپ کا دین سارے دینوں سے زیادہ مجھ کو پسند ہے اور قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میرے خیال میں تمہارے شہر سے زیادہ نفرت انگیز کوئی شہر نہ تھا لیکن اب آپ کا شہر مجھے سارے چہروں سے زیادہ محبوب ہے (یارسول اللہ) میں عمرہ کا ارادہ رکھتا ہوں کہ آپ کے لشکر نے مجھ کو گرفتار کرلیا اب آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں آپ نے اس کو بشارت دی (کہ اسلام قبول کرنے کے سبب اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے) اور پھر حکم دیا کہ وہ عمرہ کرلے پھر جب ثمامہ مکہ میں آیا تو کسی شخص نے اس سے کہا کیا تو بے دین ہو گیا اس نے کہا نہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں بد دین نہیں ہوا ہوں قسم ہے خدا کی اب یمامہ سے تم کو گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں بھیجا جائے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں (مسلم) (بخاری نے اس روایت کو اختصار سے بیان کیا ہے۔

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِيْ فِيْ هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ رواه البخاری.

حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کی نسبت فرمایا اگر مطعم بن عدیؓ آج زندہ ہوتا اور مجھ

سے ان قیدیوں کے لئے سفارش کرتا تو میں اس کی سفارش سے ان کو چھوڑ دیتا۔ مطعمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان کیا تھا اور اس کا بیٹا جبیر اسلام قبول کر چکا تھا اس لئے آپ نے جبیرؓ کی تالیف قلب کے لئے یہ الفاظ فرمائے)(بخاری)

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلاً مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ مُتَسَلِّحِيْنَ يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَاَخَذَهُمْ سَلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَعْتَقَهُمْ فَاَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ رواه مسلم.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کفار مکہ میں سے اسی آدمی مسلح ہو کر جبل تنعیم سے اترے اس ارادہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو غافل پائیں تو نقصان پہنچائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذلیل خوار کر کے گرفتار کر لیا اور پھر زندہ چھوڑ دیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو آزاد کر دیا اور یہ آیت اس بارہ میں نازل ہوئی وهو الذى كف ايدهم عنكم و ايديكم عنهم ببطن مكة اور وہ اللہ ایسا ہے کہ ان کے ہاتھ کو تم سے اور تمہارے ہاتھ کو ان سے مکہ اور اس کے اطراف میں۔ (مسلم)

وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَلَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ اَبِىْ طَلْحَةَ اَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِاَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ رَجُلاً مِنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ فَقُذِفُوْا فِىْ طَوِىٍّ مِنْ اَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُخْبِثٍ وَ

كَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ اَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلٰثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ اَلْيَوْمُ الثَّالِثُ اَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰى وَ اتَّبَعَهٗ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى قَامَ عَلٰى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِاَسْمَائِهِمْ وَ اَسْمَاءِ آبَائِهِمْ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ وَ يَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ اَيَسُرُّكُمْ اَنَّكُمْ اَطَعْتُمُ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَا يُجِيْبُوْنَ متفق عليه و زاد البخاری قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَ تَصْغِيْرًا وَ نِقْمَةً وَ حَسْرَةً وَ نَدَمًا.

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا کہ ابو طلحہؓ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن کفار قریش کے چوبیس سرداروں کی نعشوں کی نسبت یہ حکم دیا کہ ان کو بدر کے ایک کنویں میں جو ناپاک اور ناپاک کرنے والا تھا ڈال دیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب آپ کسی قوم پر غالب آتے اور فتح حاصل کرتے تو میدان جنگ میں تین رات قیام فرماتے چنانچہ بدر میں تین رات ٹھہرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ آپ کی سواری پر کجاوہ باندھ دیا جائے چنانچہ کجاوہ باندھا گیا اور آپ اپنے صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے جب اس کنوئیں پر پہنچے جس میں سرداران قریش کو ڈالا گیا تھا تو آپ اس کے کنارے کھڑے ہو گئے اور ان سرداروں کو ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے

کر پکارنا شروع کیا یعنی اے فلاں فلاں کے بیٹے اور اے فلاں فلاں کے بیٹے کیا تم کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے البتہ ہم نے اس چیز کو پالیا جس کا ہم سے ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا (یعنی ہم کو تو فتح و کامیابی حاصل ہوگئی کیا تم کو بھی وہ عذاب ملا جس کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا) عمر نے (یہ سنکر) عرض کیا یارسول اللہﷺ! کیا آپ ان جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اس کو اچھی طرح سننے والے نہیں ہو اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ جواب نہیں دیتے (بخاری و مسلم) اور بخاری میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ قتادہ نے کہا کہ زندہ کیا (ان) سرداروں کو خدا نے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سن لیں ان کو سرزنش ہو اور وہ اپنی ذلت و خواری پشیمانی و افسوس اور عذاب کو محسوس کرلیں۔

وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْمِسْعَوِرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ فَسَاَلُوْهُ اَنْ يَّرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَ سَبْيَهُمْ فَقَالَ فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اِمَّا السَّبْيَ وَ اِمَّا الْمَالَ قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْ جَاؤُا تَائِبِيْنَ وَ اِنِّيْ قَدْ رَاَيْتُ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ

اَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ حَتّٰى نُعْطِيَهٗ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَا يُفِئُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَا نَدْرِيْ مَنْ اَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَاْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعَ اِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاءُ هُمْ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوْهُ وَاَذِنُوْا رواه البخاری۔

حضرت مروان اور سعد بن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قوم ہوازن کا وفد حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہمارے مال اور قیدیوں کو واپس کر دیا جائے (قوم ہوازن سے مسلمانوں کی جنگ ہو چکی تھی وہ غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے اس میں ان کا بہت سامال لوٹا گیا تھا اور ان میں سے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کو قیدی بنالیا گیا تھا اس واقعہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اپنا وفد بھیج کر مال اور قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا آپ نے وفد کے مطالبہ میں فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو یعنی یا تو قیدیوں کو لے لو یا مال واپس کر لو۔ وفد کے لوگوں نے عرض کیا ہم قیدیوں کو لینا پسند کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) کھڑے ہو گئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ فرمایا اول خدا کی حمد و ثنا ان الفاظ میں کی جس کا وہ مستحق ہے اور پھر فرمایا یہ تمہارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں (یعنی کفر و شرک سے توبہ کر کے اور مسلمان ہو کر) اور میں نے اس امر کو مناسب سمجھا کہ ان قیدیوں کو واپس کر دوں پس تم میں سے جو

شخص خوشی کے ساتھ ایسا کر سکے کرے اور جو شخص اس کو پسند کرے کہ اپنے حصہ پر قائم رہے یہاں تک کہ اس کو سب سے پہلے آنے والے مال فئے میں سے اس کا معاوضہ دے دیا جائے تو وہ ایسا ہی کرے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ ہم خوشی کے ساتھ واپسی پر آمادہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا مجھ کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی اور کس نے اجازت نہیں دی اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم گھر جا کر اپنے سرداروں کی طرف اس معاملہ میں رجوع کرو اور وہ ہم سے تمہارا فیصلہ آکر بیان کر دیں چنانچہ وہ چلے گئے اور پھر واپس آکر عرض کیا کہ ہم خوشی کے ساتھ واپسی پر آمادہ اور واپسی کی اجازت دیتے ہیں۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيفُ حَلِيفًا لِبَنِيْ عُقَيْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ عُقَيْلٍ فَاَوْثَقُوْا فَطَرَحُوْهُ فِي الْحَرَّةِ فَمَرَّبِه رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فِيْمَ اُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيْرَةِ حُلَفَائِكُمْ ثَقِيفٍ فَتَرَكَهُ وَمَضٰى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ فَقَالَ مَا شَانُكَ قَالَ اِنِّيْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذِيْنَ اَسَرَتْهُمَا ثَقِيفُ رواه مسلم.

حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کا حلیفہ تھا

ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنی عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر کے باندھا اور سنگستان میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو قیدی نے پکارا۔ اے محمدؐ! اے محمدؐ! مجھ کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے آپ نے فرمایا تیرے حلیف کے جرم کے سبب سے جو ثقیف ہیں یہ کہہ کر آپ نے کو اس حال پر چھوڑ دیا اور آگے تشریف لے چلے اس قیدی نے پھر پکارا اے محمدؐ! اے محمدؐ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رحم آ گیا اور واپس آئے اور فرمایا تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا میں مسلمان ہوں آپ نے فرمایا اگر تو اس کلمہ کو ایسی حالت میں کہتا کہ تو اپنے اوپر اختیار رکھتا ہوتا تو تجھ کو پوری پوری نجات مل جاتی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دو قیدیوں کے بدلہ میں جن کو ثقیف نے گرفتار کیا تھا چھوڑ دیا۔ (مسلم)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ اَهْلُ مَكَّةَ فِيْ فِدَاءِ اُسَرَائِهِمْ بَعَثَتْ زَيْنَبُ فِيْ فِدَاءِ اَبِى الْعَاصِ بِمَالٍ وَ بَعَثَتْ فِيْهِ بِقِلَادَةٍ لَهَا كَانَتْ عِنْدَ خَدِيْجَةَ اَدْخَلَتْهَا بِهَا عَلٰى اَبِى الْعَاصِ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقَّ لَهَا رِقَّةً شَدِيْدَةً وَ قَالَ اِنْ رَاَيْتُمْ اَنْ تُطْلِقُوْا لَهَا اَسِيْرَهَا وَ تَرُدُّوْا عَلَيْهَا الَّذِىْ لَهَا فَقَالُوْا نَعَمْ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ عَلَيْهِ اَنْ يُخَلِّىَ سَبِيْلَ زَيْنَبَ اِلَيْهِ وَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ وَ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ وَ قَالَ كُوْنَا بِبَطْنِ يَاْجِجَ حَتّٰى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتّٰى تَاْتِيَا بِهَا رواه

احمد و ابو دائود۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ بدر کی لڑائی کے بعد جب کفار مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کا معاوضہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو زینبؓ نے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے) اپنے شوہر ابی العاص کی رہائی کے لئے بھی مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہؓ کے پاس تھا اور اس کو انہوں نے زینبؓ کا نکاح کرتے وقت جہیز میں دے دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی (یعنی آپ کو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں جن کے گلے میں یہ ہار رہتا تھا) اور آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم پسند کرو تو زینب کے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑ دو اور زینبؓ نے جو مال بھیجا ہے اس کو واپس کرو صحابہ نے عرض کیا بہتر ہے چنانچہ ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا اور جب وہ مکہ کو جانے لگا تو اس سے عہد لیا کہ وہ زینب کو مدینہ بھیج دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ اور ایک انصاری شخص کو ابوالعاص کے ساتھ کر دیا اور ان کو یہ ہدایت کر دی کہ تم بطن یاجج میں (جو مکہ سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر ہے ٹھہرے رہنا جب زینبؓ وہاں پہنچ جائے تو تم اس کے ساتھ رہنا اور مدینہ تک لے آنا۔

(احمد۔ابوداؤد)

وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَسَرَ اَهْلَ بَدْرٍ قَتَلَ عُقْبَةَ بْنَ اَبِىْ مُعَيْطٍ وَالنَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَمَنَّ عَلٰى اَبِىْ عَزَّةَ الْجُمَحِىِّ رواه فى شرح السنة.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر

کے لوگوں کو قید کیا تو عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کرا دیا اور ابی غرہ جمی کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا۔ (شرح السنۃ)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ قَتْلَ عُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ قَالَ مَنْ لِلصِّبْيَةِ قَالَ النَّارُ رواه ابو داؤد.

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا ارادہ فرمایا تو اس نے کہا لڑکوں کو کون پالے گا آپ نے فرمایا "آگ" (یعنی تو آگ میں جانے کا فکر کر بچوں کو خدا پالتا ہے (ابو داؤد)

وَعَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ خَيِّرْهُمْ يَعْنِيْ اَصْحَابَكَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ اَلْقَتْلَ اَوِ الْفِدَاءَ عَلٰى اَنْ يُقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِثْلُهُمْ قَالُوْا الْفِدَاءَ وَ يُقْتَلُ مِنَّا رواه الترمذی و قال ھذا حدیث غریب.

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ (جنگ بدر کے بعد) جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اپنے صحابہ کو بدر کے قیدیوں کے بابت اختیار دے دیجئے وہ خواہ ان کو مار ڈالیں یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیں اگر وہ معاوضہ لیں گے تو آئندہ سال ان کے ستر آدمی مارے جائیں گے (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے) صحابہؓ نے اس اختیار کو سن کر عرض کیا ہم معاوضہ لینا اور ستر کا ہم میں سے جانا قبول کرتے ہیں۔ (ترمذی)

وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ كُنْتُ فِيْ سَبْيِ قُرَيْظَةَ عُرِضْنَا عَلٰى

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوْا يَنْظُرُوْنَ فَمَنْ اَنْبَتَ الشَّعْرَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ لَمْ يُقْتَلْ فَكَشَفُوْا عَانَتِيْ فَوَجَدُوْهَا لَمْ تُنْبِتْ فَجَعَلُوْنِيْ فِي السَّبْيِ رواه ابوداؤد و ابن ماجه والدارمي.

حضرت عطیہ قرظیؓ کہتے ہیں کہ میں بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھا ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا صحابہ کی عادت یہ تھی کہ قیدیوں کے زیر ناف کو کھول کر دیکھا کرتے تھے جس کے بال اگ آتے تھے اس کو مار ڈالتے تھے اور جس کے بال نہ ہوتے تھے اس کو چھوڑ دیتے تھے میرے زیر ناف بال نہ تھے اس لئے مجھ کو قیدی بنالیا۔ (ابوداود۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجَ عُبْدَانٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ اِلَيْهِ مَوَالِيْهِمْ قَالُوْا يَا مُحَمَّدُ وَاللهِ مَاخَرَجُوْا اِلَيْكَ رَغْبَةً فِيْ دِيْنِكَ وَ اِنَّمَا خَرَجُوْا هَرَبًا مِنَ الرِّقِّ فَقَالَ نَاسٌ صَدَقُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ رُدَّهُمْ اِلَيْهِمْ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَا اُرٰىكُمْ تَنْتَهُوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ حَتّٰى يَبْعَثَ اللهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلٰى هٰذَا وَ اَبٰى اَنْ يَرُدَّهُمْ وَ قَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللهِ رواه ابوداؤد.

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کی صلح سے پہلے چند غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (یعنی اپنے مالکوں کے پاس سے چلے آئے غلاموں کے مالکوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ اے محمدؐ! قسم ہے خدا کی یہ غلام تمہارے پاس اس لئے نہیں آئے کہ

تمہارے دین کی طرف رغبت رکھتے ہیں بلکہ یہ لوگ بھاگ کر آئے ہیں اور غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں صحابہؓ میں سے چند لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ان کے مالکوں نے ٹھیک لکھا ہے ان غلاموں کو واپس کر دیجئے (یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوگئے اور فرمایا قریش میں دیکھتا ہوں کہ تم باز نہ آؤ گے (یعنی اپنی سرکشی اور نافرمانی سے) جب تک کہ خداوند تعالی تمہارے پاس اس شخص کو نہ بھیجے جو تمہارے اس حکم پر تمہاری گردن کو اڑا دے اس کے بعد آپ نے (صاف الفاظ میں) غلاموں کو واپس دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ خداوند تعالی کے آزاد کئے ہوئے ہیں۔

(ابوداؤد)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى بَنِيْ جُذَيْمَةَ فَدَعَاهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا اَنْ[1] يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَ يَاسِرُ وَ وَقَعَ اِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِيْرَهٗ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِيْرَهٗ فَقُلْتُ وَاللهِ لَا اَقْتُلُ اَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِيْ اَسِيْرَهٗ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَبْرَاُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ رواه البخاری.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ خذیمہ کے پاس بھیجا خالد نے ان کو اسلام کی دعوت دی وہ اضطراب وسراسیمگی کے عالم میں ہم اسلام لائے کے جملہ کو اچھی طرح ادا نہ کرسکے اور پھر یہ کہنا شروع کیا کہ ہم اپنے دین سے نکل کر اسلام کی طرف

[1] يَقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا

چلے گئے خالد نے یہ سن کران کو قتل کرنااور گرفتار کرنا شروع کیااور ہمارے آدمیوں میں سے ہر ایک کو اس کا گرفتار کیا ہوا قیدی دے دیا پھر ایک روز خالد بن ولید نے یہ حکم جاری کیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو مار ڈالے میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قیدی کو قتل نہ کروں گا اور نہ ہم میں سے کوئی دوسرا شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا غرض ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھایا اور کہا اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے براءت کا خواستگار ہوں اس فعل سے جو خالد نے کیا ہے (یعنی خالد کی غلطی سے میں اظہار بیزاری کرتا ہو۔ (بخاری)

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْ أَيْدِيْكُمْ مِنَ الْأَسْرٰى إِنْ يَعْلَمِ اللهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَإِنْ يُرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھین لیا گیا ہے اور تم کو بخشے گا اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور اگر تجھ سے دغا کرنا چاہیں گے سو وہ دغا کر چکے اللہ سے اس سے پہلے پھر اس نے انکو پکڑوا دیا اور اللہ سب جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر:

غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے وہ

دشمن جنہوں نے ان کو ستانے، مارنے، قتل کرنے میں کسی وقت بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور جب موقع مل گیا انتہائی وحشیانہ مظالم ان پر کیئے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو جانے کے بعد ان کی جان بخشی کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی ان کے لئے بڑی غنیمت اور انتہائی لطف وکرم تھا۔ فدیہ میں جو رقم ان سے لی گئی وہ بھی نہایت معمولی تھی۔

اللہ تعالی کا لطف وکرم دیکھئے کہ اس معمولی رقم کے دینے سے جو ایک قسم کی تکلیف ان کو پیش آئی اس کو بھی کس طرح رفع فرمایا جاتا ہے آیت مذکورہ میں ارشاد ہے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی خیر پائیں گے جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے دیں گے اور اس پر مزید یہ کہ تمہارے پچھلے گناہ بخش دیں گے خیر سے مراد ایمان اور اخلاص ہے مطلب یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ان قیدیوں میں جو لوگ ایمان واسلام کو اخلاص کے ساتھ اختیار کرلیں گے تو جو کچھ فدیہ میں دیا ہے اس سے زیادہ اور بہتر ان کو مل جائے گا قیدیوں کو آزاد و خود مختار کر دینے کے ساتھ اس طرح دعوت دی گئی کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے نقصان پر غور کریں۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ ان لوگوں میں سے جو مسلمان ہوگئے اللہ تعالی نے ان کی مغفرت اور جنت کے درجات عالیہ کے علاوہ دنیا میں بھی ان کو اتنا مال و دولت دے دیا جو ان کے فدیہ سے بدرجہا زائد تھا۔

اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور ان سے بھی فدیہ لیا گیا تھا ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے اپنے ساتھ تقریبا سات سو گنی سونا لے کر چلے تھے تاکہ ولشکر کفار پر خرچ کیا جائے اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا کہ وہ مع اس سونے کے

گرفتار کر لئے گئے۔

جب فدیہ دینے کا وقت ایا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت بن گیا فدیہ اس کے علاوہ ہونا چاہئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی آپ ادا کریں عباسؓ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے۔ حضرت عباس نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا جب کہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلا دی حضرت عباس کے دل میں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا اس سے پہلے بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالی نے اس وقت رفع فرما دیئے اور وہ در حقیقت اسی وقت سے مسلمان ہو گئے مگر ان کا بہت سا روپیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو وہ روپیہ مارا جاتا اس لئے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

حضرت عباسؓ کی اس گفتگو پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلا دیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا اور اخلاص کے ساتھ مومن ہو گئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرما دیں گے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ اظہار اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ میں لیا گیا تھا اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگہوں میں تجارت کا کاروبار کر رہے ہیں اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم کا نہیں ہے اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے جو میرے نزدیک ایسا گراں قدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔

غزوہ بدر کے قیدیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر ان کے بار میں یہ کھٹک لوگوں کے دل میں تھی کہ شاید یہ لوگ مکہ پہنچ کر اسلام سے پھر جائیں اور پھر ہمیں کوئی نقصان پہنچائیں حق تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت میں اس خطرہ کو اس طرح دور فرما دیا۔ اِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ یعنی اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت ہی کا ارادہ کر لیں تو اس سے آ... کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہ تو وہی لوگ ہیں جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں یعنی میثاقِ ازل میں جو اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا اقرار کیا تھا اس کی مخالفت کرنے لگے تھے لیکن ان کی یہ خیانت خود انہیں کے لئے مضر ثابت ہوئی کہ انجام کار ذلیل و خوار اور گرفتار ہوئے اور اللہ تعالیٰ تو دلوں کے رازوں کو جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں اگر یہ لوگ اب بھی آپ کی مخالفت کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ سے باہر کہاں چلے جائیں گے وہ پھر ان کو اسی طرح پکڑ لے گا پچھلی آیت میں

آزاد ہونے والے قیدیوں کو اسلام کی طرف دعوت ترغیبی انداز میں دی گئی تھی اس آیت میں ترہیب کے ذریعہ ان کو آگاہ کردیا کہ تمہاری دنیاو آخرت کی بھلائی اسلام و ایمان میں منحصر ہے۔

یہاں تک کفار کے ساتھ قتل و قتال اور ان کے قید کرنے آزاد کرنے کے اور ان سے صلح و مصالحت کے احکام کا بیان ہورہا تھا اگلی آیات میں آخر سورت تک اسی سلسلہ کے ایک خاص باب کا ذکر اور اس کے احکام کی کچھ تفصیل مذکور ہے اور وہ احکام ہجرت ہیں کیونکہ کفار کے ساتھ مقابلہ میں کبھی ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں کہ نہ مسلمانوں کو ان کے مقابلہ پر قتل و قتال کی طاقت ہے اور نہ وہ صلح پر راضی ہیں ایسی کمزوری کی حالت میں اسلام اور مسلمانوں کی نجات کی راہ ہجرت ہے کہ اس شہر اور ملک کو چھوڑ کر کسی دوسری زمین میں جاکر قیام کریں جہاں اسلامی احکام پر آزادانہ عمل ہوسکے۔

دفعہ سیزدہم مقاصد سیاسیہ میں مسلمانوں میں سے فقط ان قوموں اور جماعتوں کا خیال رکھا جائے گا جو مرکز سے وابستہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا

وَنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌo
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ط وَ
اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌo

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے ان کی مدد کرنی مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم یوں نہ کروگے تو فتنہ پھیلے گا ملک میں اور بڑی خرابی ہوگی اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان ان کے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی اور جو ایمان لائے اس کے بعد اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہیں میں ہیں اور رشتہ دار آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

تفسیر:

یہ سورہ انفال کی آخری چار آیتیں ہیں ان میں اصل مقصود ہجرت کے وہ احکام ہیں جن کا تعلق مہاجر مسلمانوں کی وراثت سے ہے اس کے بالمقابل غیر مہاجر

مسلمان اور غیر مسلموں کی وراثت کا بھی ذکر آیا ہے۔

خلاصہ ان احکام کا یہ ہے کہ جن لوگوں پر شرعی احکام عائد ہوتے ہیں وہ اوّلا دو قسم پر ہیں مسلم، کافر۔ پھر مسلم اس وقت کے لحاظ سے دو قسم کے تھے ایک مہاجر جو مکہ سے ہجرت فرض ہونے پر مدینہ طیبہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ دوسرے غیر مہاجر جو کسی جائز عذر سے یا کسی دوسری وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔

باہمی رشتہ داری اور قرابت ان سب قسم کے افراد میں دائر تھی کیونکہ اوائل اسلام میں بکثرت ایسا تھا کہ بیٹا مسلمان ہے باپ کافر یا باپ مسلمان ہے بیٹا کافر۔ اسی طرح بھائی بھتیجوں اور نانے ماموں وغیرہ کا حال۔ اور مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر میں رشتہ داریاں ہونا تو ظاہر ہی ہے۔

اللہ تعالی نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کی وجہ سے مرنے والے انسان کے چھوڑے ہوئے مال کا مستحق اسی کے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں کو قرار دیا ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ جس کو جو کچھ دنیا میں ملا وہ سب کا سب اللہ تعالی کی ملک حقیقی تھا اسی کی طرف سے زندگی بھر استعمال کرنے نفع اٹھانے کے لئے انسان کو دے کر عارضی مالک بنا دیا گیا تھا اس لئے تقاضائے عقل وانصاف تو یہ تھا کہ ہر مرنے والے کا ترکہ اللہ تعالی کی ملک کی طرف لوٹ جاتا جس کی عملی صورت اسلامی بیت المال میں داخل کرنا تھا جس کے ذریعہ ساری خلق خدا تعالی کی پرورش اور تربیت ہوتی ہے مگر ایسا کرنے میں ایک تو ہر انسان کے طبعی جذبات کو ٹھیس لگتی جب کہ وہ جانتا کہ میرا مال میرے بعد نہ میری اولاد کو ملے گا نہ ماں باپ اور بیوی کو اور پھر اس کا یہ نتیجہ طبعی طور پر لازمی سا تھا کہ کوئی شخص اپنا مال بڑھانے اور اس کو محفوظ رکھنے کی فکر نہ کرتا صرف اپنی زندگی کی حد تک ضروریات جمع رکھنے سے زائد کوئی شخص محنت وجانفشانی نہ کرتا اور یہ

ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ پورے انسانوں اور شہروں کے لئے تباہی وبربادی کی صورت اختیار کرتا۔

اس لئے حق تعالی جل شانہ نے میراث کو انسان کے رشتہ داروں کا حق قرار دے دیا بالخصوص ایسے رشتہ داروں کا جن کے فائدہ ہی کے لئے وہ اپنی زندگی میں مال جمع کرتا اور طرح طرح کی محنت مشقت اٹھاتا تھا۔

اس کے ساتھ اسلام نے اس اہم مقصد کو بھی وراثت کی تقسیم میں سامنے رکھا جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی یعنی اللہ تعالی کی اطاعت وعبادت اور اس کے لحاظ سے پورے عالم انسان کو دو الگ الگ قومیں قرار دے دیا۔ مومن اور کافر۔ آیت قرآن خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن کا یہی مطلب ہے۔

اسی دو قومی نظریہ نے نسبی اور خاندانی رشتوں کو میراث کی حد تک قطع کرد نہ کسی مسلمان کو کسی رشتہ دار کافر کی میراث سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ کسی کافر کو کسی مسلمان رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حق ہوگا۔ پہلی دو آیتوں میں یہی مضمون بیان ہوا ہے اور یہ حکم دائمی اور غیر منسوخ حکم ہے کہ اول اسلام سے لے کر قیامت تک یہی اسلام کا اصول وراثت ہے۔

اس کے ساتھ ایک دوسرا حکم مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر دونوں کے آپس میں وراثت کا ہے جس کے متعلق پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ سے ہجرت نہ کرے اس وقت تک اس کا تعلق بھی ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے وراثت کے بارہ میں منقطع ہے۔ نہ مہاجر مسلمان اپنے غیر مہاجر مسلمان رشتہ دار کا وارث ہوگا اور نہ غیر مہاجر کسی مہاجر مسلمان کی وراثت سے کوئی حصہ پائے گا۔ یہ حکم ظاہر ہے کہ اس وقت تک تھا جب تک کہ مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تو

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا تھا **لاھجرة بعد الفتح**۔ یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم ختم ہو گیا اور جب ہجرت کا حکم ہی ختم ہو گیا تو ترک ہجرت کرنے والوں سے بے تعلقی کا سوال ختم ہو گیا۔

اسی لئے اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حکم فتح مکہ سے منسوخ ہو چکا ہے اور اہل تحقیق کے نزدیک یہ حکم بھی دائمی غیر منسوخ ہے مگر حالات کے تابع بدلا ہے جن حالات میں نزول قرآن کے وقت یہ حکم آیا تھا اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک میں پھر ویسے ہی حالات پیدا ہو جائیں تو پھر یہی حکم جاری ہو جائے گا۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان مرد و عورت پر مکہ سے ہجرت کو فرض عین قرار دیا گیا تھا اس حکم کی تعمیل میں بجز معدودے چند مسلمانوں کے سبھی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے تھے اور اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کرنا اس کی علامت بن گیا تھا کہ وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے اس وقت غیر مہاجر کا اسلام بھی مشتبہ اور مشکوک تھا اس لئے مہاجر اور غیر مہاجر کی باہمی وراثت کو قطع کر دیا گیا تھا۔

اب اگر کسی ملک میں پھر بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو جائیں کہ وہاں رہ کر اسلامی فرائض کی ادائیگی بالکل نہ ہو سکے تو اس ملک سے ہجرت کرنا پھر فرض ہو جائے گا اور ایسی حالت میں بلا عذر قوی ہجرت نہ کرنا اگر یقینی طور پر علامت کفر کی ہو جائے پھر بھی یہی حکم عائد ہو گا کہ مہاجر اور غیر مہاجر میں باہمی وراثت جاری نہ رہے گی اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مہاجر اور غیر مہاجر میں قطع وراثت کا حکم در حقیقت کوئی جداگانہ حکم نہیں بلکہ وہ پہلا ہی حکم ہے جو مسلم اور غیر مسلم میں قطع وراثت بیان کرتا ہے فرق اتنا ہے کہ اس علامت کفر کی وجہ سے وراثت سے تو محروم کر دیا مگر محض اتنی علامت کی وجہ سے اس کو کافر نہیں قرار دیا جب تک اس سے صریح

واضح طور پر کفر کا ثبوت نہ ہو جائے۔

اور غالباً اس مصلحت سے اس جگہ ایک اور حکم غیر مہاجر مسلمانوں کا ذکر کردیا گیا ہے کہ اگر وہ مہاجر مسلمانوں سے امداد و نصرت کے طالب ہوں تو مہاجر مسلمانوں کو ان کی امداد کرنا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ غیر مہاجر مسلمانوں کو بالکل کافروں کی صف میں نہیں رکھا بلکہ ان کا یہ اسلامی حق باقی رکھا گیا کہ ضرورت کے وقت ان کی امداد کی جائے۔

اور چونکہ اس آیت کا شان نزول ایک خاص ہجرت ہے مکہ سے مدینہ کی طرف اور غیر مہاجر مسلمان وہی تھے جو مکہ میں رہ گئے تھے اور کفار مکہ کے نرغہ میں تھے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کا امداد طلب کرنا انہیں کفار مکہ کے مقابلہ میں ہو سکتا تھا اور جب قرآن کریم نے مہاجر مسلمانوں کو ان کی امداد کا حکم دے دیا تو بظاہر اس سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ہر حال میں اور ہر قوم کے مقابلہ میں ان کی امداد کرنا مسلمانوں پر لازم کردیا گیا ہے اگرچہ وہ قوم جس کے مقابلہ پر ان کو امداد مطلوب ہے اس سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ التواء جنگ کا بھی ہو چکا ہے حالانکہ اصول اسلام میں عدل و انصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے اس لئے اسی آیت میں ایک استثنائی حکم یہ بھی ذکر فرمادیا گیا کہ اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمانوں سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد طلب کریں جس سے مسلمانوں نے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے بھائی مسلمانوں کی امداد بھی معاہد کفار کے مقابلہ میں جائز نہیں۔

یہ خلاصہ مضمون ہے پہلی دو آیتوں کا اب الفاظ سے اس کو ملا کر دیکھئے ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى
يُهَاجِرُوْا ۚ

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے وطن اور اعزاء واقرباء کو چھوڑا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا مال خرچ کر کے ہتھیار اور سامان جنگ خریدا اور میدان جنگ کے لئے اپنی جانوں کو پیش کر دیا اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی اس سے مراد انصار مدینہ ہیں ان دونوں فریق کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔

اس جگہ قرآن کریم نے لفظ "ولی" اور "ولایت" استعمال فرمایا ہے جس کے اصلی معنی دوستی اور گہرے تعلق کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ۔ حسنؒ۔ قتادہؒ۔ مجاہدؒ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس جگہ ولایت سے مراد وراثت اور ولی سے مراد وارث ہے اور بعض حضرات نے ولایت کے لغوی معنی یعنی دوستی اور امداد و اعانت ہی مراد لئے۔

پہلی تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ان کا تعلق وراثت نہ غیر مسلم کے ساتھ قائم رہے گا نہ ان مسلمانوں کے ساتھ جنہوں نے ہجرت نہیں کی پہلا حکم یعنی اختلاف دین کی بنا پر قطع وراثت تو دائمی اور باقی رہا مگر دوسرا حکم فتح مکہ کے بعد جب کہ ہجرت ہی کی

ضرورت نہ رہی تو مہاجر اور غیر مہاجر میں قطع وراثت کا حکم بھی باقی نہ رہا۔ اس سے بعض فقہاء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ جس طرح اختلافِ دین قطع وراثت کا سبب ہے اسی طرح اختلافِ دارین بھی قطع وراثت کا سبب ہے جس کی تفصیلی بحث کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ. یعنی یہ لوگ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ ان سے تعلق وراثت منقطع کر دیا گیا مگر وہ بہر حال مسلمان ہیں اگر وہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے مہاجر مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کے ذمہ ان کی امداد کرنا واجب ہے مگر اس کے ساتھ اصول عدل وانصاف اور پابندی معاہدہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اگر وہ کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر تم سے امداد طلب کریں جس قوم سے تمہارا معاہدہ ترکِ جنگ کا ہو چکا ہے تو ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کی امداد بھی جائز نہیں۔

صلح حدیبیہ کے وقت ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے صلح کرلی اور شرائط صلح میں یہ بھی داخل تھا کہ مکہ سے جو شخص اب مدینہ جائے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس کر دیں۔ عین اس معاملۂ صلح کے وقت ابو جندلؓ جن کو کفارِ مکہ نے قید کر کے طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈالا ہوا تھا کسی طرح حاضرِ خدمت ہو گئے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کے طالب ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمتِ عالم بن کر آئے تھے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سے کتنے متاثر ہوئے ہوں گے اس کا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں مگر اس تاثر کے باوجود آیت مذکورہ

کے حکم کے مطابق ان کی امداد کرنے سے عذر فرما کر واپس کر دیا۔

ان کی یہ واپسی سبھی مسلمانوں کے لئے انتہائی دل آزار تھی مگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاداتِ ربانی کے ماتحت گویا اس کا مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اب ان مظالم کی عمر زیادہ نہیں رہی اور چند روز کے صبر کا ثواب ابو جندلؓ کو اور ملنا ہے اس کے بعد بہت جلد فتح مکہ ہو کر یہ سارے قصے ختم ہونے والے ہیں۔ بہر حال اس وقت ارشاد قرآنی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پابندی کو ان کی شخصی مصیبت پر ترجیح دی۔ یہی شریعت اسلام کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس نے ان کو دنیا میں فتح و عزت اور آخرت کی فلاح کا مالک بنایا ہے ورنہ عام طور پر دنیا کی حکومتیں معاہدات کا ایک کھیل کھیلتی ہیں جس کے ذریعہ کمزور کو دبانا اور قوت والے کو فریب دینا مقصد ہوتا ہے۔ جس وقت اپنی ذرا سی مصلحت سامنے ہوتی ہے تو سو طرح کی تاویلیں کر کے معاہدہ کو ختم کر ڈالتے ہیں اور الزام دوسروں کے سر لگانے کی فکر کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ. یعنی کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں لفظ ولی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ایک عام مفہوم رکھتا ہے جس میں وراثت بھی داخل ہے اور معاملات کی ولایت و سرپرستی بھی۔ اس لئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث سمجھے جائیں گے اور تقسیم وراثت کا جو قانون ان کے اپنے مذہب میں رائج ہے ان کی وراثت کے معاملہ میں اسی قانون کو نافذ کیا جائے گا نیز ان کے یتیم بچوں کا ولی لڑکیوں کے نکاح کا ولی بھی انہیں میں سے ہوگا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عائلی مسائل میں غیر مسلموں کا اپنی مذہبی قانون اسلامی حکومت میں محفوظ رکھا جائے گا۔

آخر آیت میں ارشاد ہے اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ

یعنی اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پوری زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

اس جملہ کا تعلق ان تمام احکام کے ساتھ ہے جو اس سے پہلے ذکر کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہ مہاجرین وانصار کو آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہونا چاہئے جس میں باہمی امداد و اعانت بھی داخل ہیں اور وراثت بھی۔ دوسرے یہ کہ اس وقت کے مہاجر اور غیر مہاجر مسلمانوں کے آپس میں وراثت کا تعلق نہ رہنا چاہئے مگر امداد و نصرت کا تعلق اپنی شرائط کے ساتھ باقی رہنا چاہئے تیسرے یہ کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں ان کے قانون ولایت اور وراثت میں کوئی دخل اندازی مسلمانوں کو نہیں چاہئے۔

اگر ان احکام پر عمل نہ کیا گیا تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ یہ تنبیہ غالباً اس لئے کی گئی کہ جو احکام اس جگہ بیان ہوئے ہیں وہ عدل وانصاف اور امن عامہ کے لئے بنیادی اصولی کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان آیات نے یہ واضح کر دیا کہ باہمی امداد و اعانت اور وراثت کا تعلق جیسے رشتہ داری پر مبنی ہے ایسے ہی اس میں مذہبی اور دینی رشتہ بھی قابل لحاظ ہے بلکہ نسبی رشتہ پر دینی رشتہ کو ترجیح حاصل ہے۔ اسی وجہ سے کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ آپس میں نسبی رشتہ سے باپ اور بیٹے یا بھائی بھائی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی مذہبی تعصب اور عصبیت جاہلیت کی روک تھام کرنے کے لئے یہ ہدایت دے دی گئی ہے کہ مذہبی رشتہ اگرچہ اتنا قوی اور مضبوط ہے مگر معاہدہ کی پابندی اس سے بھی زیادہ مقدم اور قابل ترجیح ہے مذہبی تعصب کے جوش میں معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہدایت دے دی گئی کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے ولی اور وارث ہیں ان کی شخصی ولایت ووراثت میں مداخلت نہ کی جائے۔ دیکھنے کو تو یہ چند فروعی اور جزئی احکام ہیں مگر

در حقیقت امن عالم کے لئے عدل و انصاف کے بہترین اور جامع بنیادی اصول ہیں۔ اسی لئے اس جگہ ان احکام کو بیان فرمانے کے بعد ایسے الفاظ سے تنبیہ فرمائی گئی جو عام طور پر دوسرے احکام کے لئے نہیں کی گئی کہ اگر تم نے ان احکام پر عمل نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا ان الفاظ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ احکام فتنہ و فساد کو روکنے میں خاص دخل اور اثر رکھتے ہیں۔

تیسری آیت میں مکہ سے ہجرت کرنے والے صحابہ اور ان کی مدد کرنے والے انصار مدینہ کی تعریف و ثنا اور ان کے سچا مسلمان ہونے کی شہادت اور ان سے مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ مذکور ہے ارشاد فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا یعنی یہی لوگ سچے پکے مسلمان ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ہجرت نہ کرنے والے حضرات بھی اگرچہ مسلمان ہیں مگر ان کا اسلام کامل بھی نہیں اور یقینی بھی نہیں کیونکہ یہ احتمال بھی ہے کہ دراصل منافق ہوں بظاہر اسلام کا دعوی رکھتے ہوں اس کے بعد ارشاد فرمایا لَهُم مَّغْفِرَةٌ یعنی ان کے لئے مقرر ہے مغفرت۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے الإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ والهجرة تهدم ما كان قبلها. یعنی مسلمان ہو جانا پچھلے سب گناہوں کے انبار کو ڈھا دیتا ہے اسی طرح ہجرت کرنا پچھلے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

چوتھی آیت میں مہاجرین کے مختلف طبقات کا حکم بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ ان میں بعض لوگ مہاجرین اولین ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض دوسرے درجہ کے مہاجر ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی اور اس کی وجہ سے ان کے اخروی درجات میں فرق ہوگا مگر احکام دنیا میں ان کا حکم بھی وہی ہے جو مہاجرین اولین کا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں اسی لئے مہاجرین کو خطاب

کر کے ارشاد فرمایا فاولئك منکم یعنی یہ دوسرے درجہ کے مہاجرین بھی تمہارے ہی زمرہ میں شامل ہیں اس لئے وراثت کے احکام میں بھی ان کا حکم عام مہاجرین کی طرح ہے۔

یہ سورہ انفال کی بالکل آخری آیت ہے اس کے آخر میں قانون میراث کا ایک جامع ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے جس کے ذریعہ اس عارضی حکم کو منسوخ کردیا گیا ہے جو اوائل ہجرت میں مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کے ذریعہ ایک دوسرے کا وارث بننے کے متعلق جاری ہوا تھا وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔

لفظ اولو عربی زبان میں صاحب کے معنی میں آتا ہے جس کا ترجمہ اردو میں والے سے کیا جاتا ہے اوالو العقل عقل والے اولو الامر امر والے اس لئے اولو الارحام کے معنی ہوئے ارحام والے۔ ارحام رحم کی جمع ہے جو اصل میں اس عضو کا نام ہے جس کے اندر بچہ کی تخلیق عمل میں آتی ہے اور چونکہ رشتہ داری کا تعلق رحم کی شرکت سے قائم ہوتا ہے اس لئے اولو الارحام رشتہ داروں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

معنی آیت کے یہ ہیں کہ اگرچہ ایک ولایت عامہ سب مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حاصل ہے جس کے سبب بوقتِ ضرورت ایک دوسرے کی امداد و اعانت بھی واجب ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں لیکن جو مسلمان آپس میں قرابت اور رشتہ کا تعلق رکھتے ہوں وہ دوسرے مسلمانوں سے مقدم ہیں فی کتب اللہ کے معنی اس جگہ فی حکم اللہ کے ہیں یعنی اللہ تعالی نے اپنے حکم خاص سے یہ قانون بنادیا ہے۔

اس آیت نے یہ ضابطہ بتادیا کہ تقسیم وراثت رشتہ داری کے معیار پر ہونا

چاہئے اور لفظ اولوالاحرام مطلقاً اقرباء اور رشتہ داروں کے لئے بولا جاتا ہے ان میں سے خاص خاص رشتہ داروں کے حصے تو خود قرآن کریم نے سورہ نساء میں متعین فرمادیئے جن کو علم میراث کی اصطلاح میں اہل فرائض یاذوی الفروض کہاجاتا ہے ان کو دینے کے بعد جو مال بچے وہ اس آیت کی رو سے دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہونا چاہئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب رشتہ داروں میں کسی مال کا تقسیم کرنا کسی کی قدرت میں نہیں کیونکہ دور کی رشتہ داری تو ساری دنیا کے انسانوں کے درمیان بلاشبہ موجود ہے کہ سب کے سب ایک ہی باپ اور ماں آدم وحواء علیہما السلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کی عملی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ قریبی رشتہ داروں کو بعید پر مقدم رکھ کر قریب کے سامنے بعید کو محروم کیا جائے جس کا تفصیلی بیان احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح موجود ہے کہ ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ میت کے عصبات یعنی جدی رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ دیا جائے یعنی عصبہ قریب کو بعید پر مقدم رکھ کر قریب کے سامنے بعید کو محروم کیا جائے۔

اور اگر عصبات میں سے کوئی بھی زندہ موجود نہیں تو پھر باقی رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے۔

عصبات کے علاوہ جو دوسرے رشتہ دار ہوتے ہیں علم میراث و فرائض کی خاصی اصطلاح میں لفظ ذوی الارحام انہیں کے لئے مخصوص کر دیا گیا لیکن یہ اصطلاح بعد میں مقرر کی گئی ہے قرآن کریم میں اولوالارحام کا لفظ لغوی معنی کے مطابق تمام رشتہ داروں پر حاوی ہے جس میں ذوی الفروض اور عبارت اور ذوی الارحام سب اجمالی طور پر داخل ہیں۔

پھر اس کی کچھ تفصیل سورہ نساء کی آیات میں آگئی جن میں خاص خاص رشتہ داروں کے حصے حق تعالی نے خود مقرر فرمادیئے جن کو اصطلاح میراث میں ذوی الفروض کہتے ہیں اور باقی کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی رجل ذکر. (بخاری)

یعنی جن کے حصے قرآن نے مقرر کردیئے ہیں وہ پورے ان کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ ان لوگوں کو دیئے جائیں جو میت سے قریب تر مرد ہوں۔

ان کو اصطلاح میراث میں عصبات کہا جاتا ہے اگر کسی میت کے عصبات میں کوئی موجود نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پھر دوسرے رشتہ داروں کو دیا جاتا ہے جن کو اصطلاح میں ذوی الارحام کہتے ہیں جیسے ماموں خالہ وغیرہ۔

سورہ انفال کی اس آخری آیت کے آخری جملہ نے اسلامی وراثت کا وہ قانون منسوخ کردیا جو اس سے پہلی آیات میں مذکور ہے جن کی رو سے مہاجرین وانصار میں باہمیت وراثت جاری ہوتی تھی اگرچہ ان کے درمیان کوئی رشتہ داری نہ ہو کیونکہ یہ حکم ایک ہنگامی حکم اوائل ہجرت کے وقت دیا گیا تھا اس سورہ کی زیادہ تر تفسیر تو احادیث نبویہ سے منقول ہے اور بعض حصے معارف القرآن مؤلفہ محمد شفیع اور بعض حاشیہ قرآن عزیز مولانا احمد علی رحمہا اللہ سے منقول ہے۔

غزوہ احد کا بیان

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا

اللہ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥

اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر۔ اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا ان کا۔ اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں مسلمان اور اللہ بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو۔

شان نزول :

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالیہ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تھا اور انہوں نے آپ سے مختلف سوالات کئے تھے ان میں ایک یہ سوال بھی تھا کہ ہم نے پہلے کتابوں میں پڑھا ہے کہ آخر الزمان پیغمبر کو کسی میدان میں شکست نہیں ہوگی اور آپ کو غزوۂ احد میں شکست ہوگئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہ آخر الزمان پیغمبر نہیں ہیں اس لئے ہم آپ کو نبی نہیں مانتے اس کے جواب میں اللہ تعالی نے سورہ آل عمران کی آیت ایک سو اکیس سے لے کر آیت ایک سو اناسی تک اتاری ہیں ان کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ اس جنگ میں پہلی فتح مسلمانوں کو ہوئی تھی اور دوسرے حملے میں کفار کو عارضی سی فتح ہوگئی تھی اور تیسری معرکہ میں مسلمانوں کو اتنی عظیم فتح ہوئی کہ کفار خود اعلان کر کے میدان میں نہ آسکے اور مکہ کی طرف فرار ہوگئے تھے بس اصل فتح تو مسلمانوں کو ہوئی تھی کافروں کو نہیں ہوئی تھی۔ (جواہر القرآن مولانا غلام خان) اور کفار کو یہ عارضی سی فتح ہوگئی تھی اس کا باعث یہ تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں منافقین گھس آئے تھے اور غزوہ بدر میں چونکہ سارے مخلصین تھے اس لئے فتح ہوئی تھی۔

تفسیر :

غزوہ احد کا پس منظر :

آیت مذکورہ کی تفسیر سے قبل ضروری ہے کہ غزوہ احد کے واقعاتی پس منظر سمجھ لیا جائے۔

رمضان المبارک ۲ھ میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں جنگ ہوئی جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے جو حقیقتاً عذابِ الٰہی کی پہلی قسط تھی قریش کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا۔ جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم اس کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے اور اہلِ مکہ سے اپیل کی کہ ان کا تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے وہ سب اسی مہم پر خرچ کیا جائے تا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ سب نے منظور کیا اور ۳ھ میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتی کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ موقع آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ آپ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جو بظاہر مسلمانوں میں شامل تھا اس سے بھی رائے لی گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق تھی مگر بعض پر جوش مسلمان جنہیں بدر

کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوق شہادت بے چین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے تاکہ دشمن ہمارے بارے میں بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے۔ کثرت رائے اسی طرف ہو گئی۔

اس عرصہ میں آپؐ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے تو اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ کو آپؐ کی رائے سے خلاف مدینہ سے باہر کرنے پر مجبور کیا یہ غلط ہوا اس لئے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ اگر آپؐ کا منشا نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے، فرمایا "ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگالے پھر بدون قتال کئے ہوئے بدن سے اتارے۔" اس جملہ میں نبی اور غیر نبی کا فرق واضح ہو رہا ہے کہ نبی کی ذات سے کبھی کمزوری کا اظہار نہیں ہو سکتا اور اس میں امت کے لئے بھی ایک بڑا سبق ہے۔

جب آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپؐ کے ساتھ تھے مگر منافق عبداللہ بن ابی تقریباً سو آدمیوں کو ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں کیوں ہم خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں اس کے ساتھیوں میں زیادہ تر منافقین ہی تھے مگر بعض مسلمان بھی ان کے فریب میں آکر ساتھ لگ گئے تھے۔

آخر آپؐ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لے کر میدان جنگ میں پہنچ گئے آپ نے بہ نفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں۔ صف آرائی اس طرح کی کہ احد کو پشت کی جانب رکھا اور دوسرے انتظامات اس طرح کئے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو علم (جھنڈا) عنایت کیا حضرت زبیر بن عوامؓ کو رسالہ کا افسر مقرر کیا حضرت

حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئے اس لئے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین کیا اور حکم دیا کہ وہ پشت کی جانب ٹیلہ پر حفاظت کا کام سر انجام دیں۔ لڑنے والوں کی فتح و شکست سے تعلق نہ رکھیں اور اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ عبداللہ بن جبیرؓ ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے بھی ترتیب سے صف آرائی کی۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی جنگی ترتیب غیروں کی نظر میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صف آرائی اور فوجی قواعد کے لحاظ سے نظم و ضبط کو دیکھ کر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے رہبر کامل مقدس نبی ہونے کے ساتھ سپہ سالار اعظم کے لحاظ سے بھی بے نظیر ہیں۔ آپؐ نے جس انداز میں مورچے قائم کئے اور لڑائی کا نظم قائم کیا اس وقت کی دنیا اس سے نا آشنا تھی اور آج جبکہ فن حرب ایک مستقل سائنس کی حیثیت اختیار کر گیا ہے وہ بھی آپؐ کے فوجی قواعد اور نظم و ضبط کو سراہتا ہے اسی حقیقت کو دیکھ کر ایک مسیحی مورخ بول اٹھا:

"برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہنا چاہئے کہ فنِ حرب کی بھی نئی راہ نکالی مکہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دھند لڑائی کے مقابلہ میں خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و ضبط سے کام لیا۔"

یہ الفاظ بیسویں صدی کے ایک مورخ ٹام انڈر کے ہیں جو اس نے لائف آف محمدؐ میں بیان کئے۔

☆☆☆

جنگ کا آغاز:

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی ابتداءً مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ مسلمان سمجھے کہ فتح ہو گئی مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے ادھر جن تیر اندازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت کی جانب حفاظت کے لئے بٹھایا تھا تو انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن کی طرف آنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلا کر روکا مگر چند آدمیوں کے سوا دوسروں نے کہا کہ حضورؐ کے حکم کی تعمیل تو موقت تھی۔ اب ہمیں سب کے ساتھ مل جانا چاہیے۔ اس موقع سے خالد بن ولید جو ابھی تک مسلمان نہ تھے اور اس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے، نے بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر عقب کے درہ سے حملہ کر دیا عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے قلیل ساتھیوں نے اس حملہ کو ہمت و شجاعت سے روکنا چاہا مگر مدافعت نہ کر سکے اور یہ سیلاب یکایک مسلمان پر ٹوٹ پڑا۔ دوسری طرف جو دشمن بھاگ رہے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہو گئے اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا اور مسلمان اس غیر متوقع صورت حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا حصہ پراگندہ ہو کر میدان سے چلا گیا؛ تاہم کچھ صحابہؓ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ نبی کریم شہید ہو گئے اس خبر نے صحابہؓ کے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم کر دیئے اور باقی ماندہ لوگ بھی ہمت ہار بیٹھ گئے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش صرف دس بارہ جاں نثار رہ گئے تھے اور آپؐ خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔ شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی کہ عین وقت پر صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بسلامت تشریف رکھتے ہیں چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپؐ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کو بہ سلامت پہاڑی کی طرف لے گئے۔ اس شکست کے بعد مسلمان حد درجہ پریشان رہے اور یہ عارضی شکست چند اسباب کا نتیجہ تھی۔ قرآن مجید نے ہر سبب پر جچے تلے الفاظ میں تبصرہ کیا اور آئندہ کے لئے محتاط رہنے کی تلقین فرمائی۔

اس واقعہ کی تفصیل میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو اپنے اندر عظیم سبق لئے ہوئے ہیں اور اس میں تمام مسلمانوں کے لئے موعظت و نصیحت کے جواہر پارے مخفی ہیں۔

احد کے واقعہ سے چند سبق :

ش (۱) پہلی بات جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کفار قریش اس جنگ میں عورتوں کو بھی لائے تھے تاکہ وہ مردوں کو پسپائی سے روک سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عورتیں ہندہ زوجہ ابی سفیان کی سربراہی میں اشعار گا کر مردوں کو جوش دلا رہی ہیں۔

ان تقبلوا نعانق و نفرش النمارق

اوتدبروج نفارق فراق و امن

"مطلب یہ تھا کہ اگر مقابلہ پر ڈٹے رہے اور فتح پائی تو ہم تم کو گلے لگائیں گے اور تمہارے لئے نرم بستر بچھائیں گے لیکن اگر تم نے پیٹھ موڑی تو ہم تم کو بالکل چھوڑ دیں گے۔"

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ دعائیہ جاری تھے :

اللھم بك اصول و فيك اقاتل حسبى الله و نعم الوكيل

"اے اللہ میں تجھ ہی سے قوت حاصل کرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے حملہ کرتا ہوں اور تیرے ہی دین کے لئے قتال کرتا ہوں، اللہ ہی کافی ہے اور وہ بڑا اچھا

کارساز ہے۔"

(۲) دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ اس غزوہ میں بعض صحابہؓ نے بہادری و شجاعت و جاں نثاری اور فدائیت کے وہ نقوش چھوڑے کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ حضرت ابودجانہؓ نے اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنایا لیا تھا کہ ہر آنے والا تیر اپنے سینہ پر کھاتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے بھی اسی طرح اپنے بدن کو چھلنی کرالیا تھا لیکن حضورؐ کی رفاقت کو نہیں چھوڑا۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن النضرؓ جنگ بدر سے غیر حاضر تھے اس لئے ان کو اس کا افسوس تھا آرزو کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں اگر کوئی موقع ہاتھ آیا تو اپنے دل کی حسرت پوری کروں گا۔

جب کچھ دن کے بعد جنگ احد کا واقعہ پیش آیا تو انس بن النضرؓ شریک ہوئے۔ مسلمان جب منتشر ہوگئے تھے اور کفار قریش کا سیلاب امنڈ رہا تھا تو یہ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے اتفاقاً حضرت سعدؓ سے ملاقات ہوئی سعدؓ بھی منتشر ہونے والوں میں جارہے تھے پکار کر کہا: "سعد! کہاں چلے جارہے ہو؟ میں تو احد کے اس دامن میں جنت کی خوشبو محسوس کررہا ہوں۔" یہ کہہ کر آگے بڑھے اور شدید قتال کے بعد اپنی جان جہاں آفریں کے سپرد کردی۔ (ابن کثیر)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان منتشر ہوگئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف گیارہ حضرات رہ گئے تھے جن میں حضرت طلحہؓ بھی تھے کفارِ قریش کا سیلاب امنڈ رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ان کی خبر لے گا؟ حضرت طلحہؓ بول اٹھے "میں یارسول اللہؐ" ایک دوسرے انصاری صحابی نے کہا: "میں حاضر ہوں" انصاری کو آپؐ نے جانے کا حکم دیا وہ قتال کے بعد

شہید ہو گے۔ پھر ایک ریلہ آیا آپؐ نے پھر وہی سوال کیا حضرت طلحہؓ نے وہی جواب دیا اور بے تاب ہو رہے تھے کہ حضورؐ حکم دیں تو میں آگے بڑھوں۔ حضورؐ نے پھر کسی دوسرے انصاری صحابی کو بھیج دیا اور حضرت طلحہؓ کی تمنا پوری نہیں ہوئی اسی طرح سات بار حضور نے کہا اور ہر مرتبہ حضرت طلحہؓ کو اجازت نہیں دی گئی اور دوسرے صحابہ کو اجازت دی جاتی تھی وہ شہید ہو جاتے تھے۔

جنگ بدر میں باوجود قلتِ تعداد کے مسلمانوں کو فتح ہوئی غزوۂ احد میں بدر کی بہ نسبت کثرت تھی پھر بھی شکست ہوئی اس میں بھی مسلمانوں کے لئے عبرت ہے کہ مسلمان کو کبھی کثرت ساز و سامان پر نہیں جانا چاہئے بلکہ فتح کو ہمیشہ اللہ تعالی کی جانب سے سمجھے اور اسی سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھے۔

جنگ یرموک کے موقع سے جب محاذ جنگ سے حضرت عمرؓ کو مزید فوجی کمک پہنچنے کے لئے لکھا گیا اور قلت تعداد کی شکایت کی گئی تو تحریر فرمایا:

قد جاء نی کتابکم تتمد وننی و انی ادلکم علی من هو اعز نصرًا و احصن جندًا اللہ عزوجل فاستنصروه فان محمد صلی اللہ علیه وسلم قد نصر فی یوم بدر فی اقل من عدتکم فاذا جاء کم کتابی هذا فقاتلوهم ولا ترجعونی (بحوالہ مسند احمدؒ) (ابن کثیر)

"میرے پاس تمہارا خط آیا جس میں تم نے زیادہ فوجی مدد طلب کی ہے لیکن میں تم کو ایک ایسا ذات کا پتہ دیتا ہوں جو نصرت کے لحاظ سے سب سے زیادہ غالب اور فوج کے لحاظ سے زیادہ محفوظ ہے وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے لہذا تم اسی سے مدد طلب کرو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں باوجود قلت عدد کے مدد دی گئی جب میرا یہ خط تم کو پہنچے تو ان پر ٹوٹ پڑو اور مجھ

سے اس سلسلہ میں کوئی مراجعت نہ کرو۔"

اس واقعہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کو یہ خط ملا ہم نے اللہ کا نام لے کر کفار کے لشکر کثیر پر یکبارگی حملہ کیا جن میں ان کو شکست فاش ہوئی حضرت فاروق اعظمؓ کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کی فتح وشکست قلت وکثرت پر دائر نہیں ہوتی بلکہ اللہ پر توکل اور اس کی مدد پر موقوف ہے جیسا کہ قرآن کریم نے غزوہ حنین کے بارے میں اس حیقت جو وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا، ارشاد ہے :

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا.

"یعنی غزوہ حنین کو یاد کرو جب کہ تم کو اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا تو یہ کثرت تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکی۔"

اب آیات کی تفسیر پر غور فرمایئے :

اذ غدوت من اهلك الآیہ، یعنی جب کہ آپؐ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے، جنگ کے لئے مختلف مورچوں پر مسلمانوں کو بٹھا رہے تھے۔

قرآن مجید کا نقلِ واقعات میں ایک خاص معجزانہ اسلوب ہے کہ وہ عام طور پر کوئی واقعہ پوری تفصیل اور جزئیات کے ساتھ بیان نہیں کیا کرتا مگر جن واقعات اور جزئیات میں خاص ہدایات مضمر ہوتی ہیں وہ بیان کی جاتی ہیں۔ مذکورہ آیت میں جو خاص جزوی امور کی تصریح ہے مثلاً گھر سے نکلنے کے وقت کیا تھا اس کو لفظ غدوت سے بیان فرمادیا اور روایات حدیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ صبح ساتویں تاریخ شوال کی ۳ھ کی تھی۔

اس کے بعد یہ بھی بتلایا کہ اس سفر کی ابتدا کس جگہ سے ہوئی من اهلك کے لفظ سے اشارہ ہوا کہ آپؐ اس وقت اپنے اہل وعیال میں تھے ان کو وہیں چھوڑ کر نکل

کھڑے ہوئے حالانکہ یہ حملہ مدینے ہی پر ہونے والا تھا ان جزوی حالات میں یہ ہدایت مضمر ہے کہ جب اللہ کا حکم آجائے تو اس کی تعمیل میں اہل وعیال کی محبت سنگِ راہ نہیں ہونی چاہئے اس کے بعد گھر سے نکل کر محاذِ جنگ تک پہونچنے کے جزئی واقعات کو چھوڑ کر محاذ جنگ کا پہلا کام یہ بیان کیا گیا کہ :

تُبَوِّءُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ، یعنی آپ مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقامات پر جمارہے تھے۔

پھر اس آیت کو اس طرح ختم کیا گیا کہ واللہ سمیع علیم یعنی اللہ تعالیٰ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے سمیع علیم کی صفات کو یاد دلا کر اس طرف اشارہ کردیا کہ اس وقت مخالفین وموافقین دونوں جو کچھ اپنی اپنی جگہ پر کہہ سن رہے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکا اور اس موقعہ پر مخالفین وموافقین کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس میں سے کوئی شے اس سے مخفی نہیں رہی اور اسی طرح اس جنگ کا انجام بھی اس سے مخفی نہیں۔

اس کے بعد دوسری آیت ہے اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ اَنْ تَفْشَلَا یعنی جب تم میں سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھیں کہ ہمت ہار دیں درانحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا ان دونوں جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں ان دونوں جماعتوں نے عبداللہ بن ابی کی مثال دیکھ کر اپنے میں کمزوری اور کم ہمتی محسوس کی لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی اور اس وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے نہ بڑھنے دیا اور یہ خیال بھی جو انہیں پیدا ہوا اتنی قلت تعداد...... قلت سامان اور مادی کمزوری کی بناء پر تھا نہ کہ ضعفِ ایمان کی بنا پر۔ مغازی کے مشہور امام مورخ ابن ہشام نے اس کو واضح فرمادیا ہے اور واللہ ولیھما کا جملہ خود ان کے ایمان کامل کا شہادت

دے رہا ہے اس لئے ان دونوں قبیلوں کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ : "اگرچہ اس آیت میں ہم پر کچھ عتاب بھی ہے لیکن واللہ ولیھما کی بشارت بھی ہمارے لئے آئی ہے۔"

اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ ""مسلمانوں کو اللہ پر اعتماد رکھنا چاہیے۔ اس میں واضح کر دیا کہ کثرت عدد اور ساز و سامان پر مسلمان کو اعتماد نہیں کرنا چاہئے بلکہ بقدرِ استطاعت مادی سامان جمع کرنے کے بعد بھروسہ صرف اللہ تعالی کی ذات پاک پر ہونا چاہیے۔ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو کمزوری اور کم ہمتی کا جو وسوسہ پیدا ہوا تھا وہ اسی مادی ضعف کی بناء پر تھا اس لئے ان کے وسوسہ کا علاج توکل سے بتلایا گیا کہ توکل و اعتماد ان وساوس کے لئے نسخہ اکسیر ہے۔

توکل انسان کی اعلی صفات میں سے ہے۔ محققین صوفیا نے اس کی حقیقت پر مفصل بحثیں کی ہیں یہاں اس قدر سمجھئے کہ توکل کے معنی یہ نہیں کہ تمام اسباب ظاہری بالکل قطع تعلق کر کے اللہ پر اعتماد کیا جائے بلکہ توکل یہ ہے کہ تمام اسباب ظاہری کو اپنی قدرت کے مطابق جمع کرے اور اختیار کرے اور پھر نتائج اللہ کے سپرد کر دے اور ان ظاہری اسباب پر فخر و ناز نہ کرے بلکہ اعتماد صرف اللہ پر رہے نبی کریم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے خود اسی جہاد میں مسلمانوں کے لشکر کو جنگ کے لئے منظم کرنا اپنی قدرت کے موافق اسلحہ اور دیگر سامان حرب فراہم کرنا محاذ جنگ پر پہنچ کر مناسب حال و مقام نقشہ جنگ تیار کرنا، مختلف مورچے بنا کر صحابہ کرام کو ان پر بٹھانا وغیرہ یہ سب مادی انتظامات ہی تو تھے جن کو سید الانبیاء نے اپنی دست مبارک سے استعمال فرما کر بتلادیا کہ مادی اسباب بھی اللہ تعالی کی نعمت ہیں ان سے قطع نظر کرنے کا نام توکل نہیں۔ یہاں مومن اور غیر مومن میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مومن

سب سامان اور مادی طاقتیں حسب قدرت جمع کرنے کے بعد بھی بھروسہ توکل صرف اللہ پر کرتا ہے غیر مومن کو یہ روحانیت نصیب نہیں اس کو صرف اپنی مادی طاقت پر بھروسہ ہوتا ہے اور اسی فرق ظہور تمام اسلامی غزوات میں ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

اب اس کے بعد اس غزوہ کی طرف ذہن کو منتقل کیا جارہا ہے جس میں مسلمانوں نے کامل توکل کا مظاہرہ کیا تھا اور اللہ تعالی نے ان کو کامیابی و نصرت سے سرفراز کیا تھا ارشاد ہے و لقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ الخ یعنی اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالی نے بدر میں تمہاری امداد فرمائی جبکہ تم تعداد میں بھی صرف تین سو تیرہ تھے اور وہ بھی سب بے سروسامان۔

بدر کی اہمیت اور اس کا محل وقوع :

بدر مدینہ کے جنوب مغرب میں کوئی بیس میل کے فاصلہ پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔

اس وقت اس کو اس لئے اہمیت حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب کے ریگستانی میدانوں میں بڑی چیز تھی۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا معرکہ بروز جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا یہ غزوہ بظاہر تو ایک مقامی جنگ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب پیدا کردیا اسی لئے قرآن کی زبان میں اس کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔ فرنگی مورخوں نے بھی اس کی اہمیت کا اقرار کیا ہے۔

امریکی پروفیسر ہٹی اپنی کتاب ہسٹری آف دی عربین میں کہتا ہے :

"یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی۔"

و انتم اذلۃ یعنی تم اس وقت تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر تھے

مسلمان تعداد میں قوی روایات کے مطابق ۳۱۳ تھے اس فوج کے ہمراہ گھوڑے صرف دو تھے اور اونٹ ستر کی تعداد میں تھے انہیں پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔

آخر کے آیت میں فرمایا گیا فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون یعنی اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گذار رہو۔"

قرآن نے جگہ جگہ منافقین کے کید اور شدید مخالفین کے عناد و مخالفت کے نتائج بد سے محفوظ رہنے کے لئے تقویٰ اور صبر کو علاج بتلایا ہے انہی دو چیزوں کے اندر ساری تنظیمی جدوجہد اور فتح مبین کا راز مضمر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہاں صبر و تقویٰ کے بجائے صرف تقویٰ پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ در حقیقت تقویٰ ایسی صفت جامع ہے کہ صبر بھی اس میں شامل ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ o بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ o وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ o لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ o لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ o وَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o

جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے ہیں البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار

گھوڑوں پر اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دلوں کو اس سے اور مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے حکمت والا تاکہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا ان کو ذلیل تو پھر جاویں محروم ہو کر تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے خدائے تعالی یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ربطِ آیات : سابقہ آیات میں بضمنِ قصۂ احد غزوۂ بدر میں اللہ تعالی کی طرف سے امدادِ غیبی ہونے کا ذکر تھا۔ آگے اس امداد کی کچھ تفصیل اور فرشتوں کے بھیجنے کی حکمت کا بیان ہے۔

تفسیر :

فرشتوں کی امداد بھیجنے کی حکمت اور اصل مقصد اور تعداد ملائکہ میں مختلف عدد بیان کرنے کی حکمت ۔

یہاں طبعی طور پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے فرشتوں کو وہ طاقت بخشی ہے کہ ایک ہی فرشتہ پوری بستی کا تختہ الٹ سکتا ہے جیسا کہ قوم لوط کی زمین تنہا جبرئیل امینؑ نے الٹ دی تھی تو پھر فرشتوں کا لشکر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔

نیز یہ کہ جب فرشتے میدان میں آئے ہی تھے تو ایک کافر بھی بچنا نہیں چاہئے تھا اس کا جواب خود قرآن کریم نے آیت وما جعله الله الا بشرىٰ میں دے دیا ہے کہ فرشتوں کے بھیجنے میں در حقیقت ان سے کوئی میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہ تھا بلکہ

مجاہدین مسلمین کی تسلی اور تقویت قلب اور بشارتِ فتح دینا مقصود تھا جیسا کہ اس آیت کے الفاظ الا بشری اور لتطمئن قلوبکم سے واضح ہے اور اس سے زیادہ صریح سورہ انفال میں اسی واقعہ کے متعلق آئے ہوئے الفاظ ہیں فثبتوا الذین امنوا جس میں فرشتوں کو خطاب کر کے ان کے سپرد یہ خدمت کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو جمائے رکھیں پریشان نہ ہونے دیں۔ اس تثبیتِ قلوب کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اپنے تصرف کے ذریعہ ان کے قلوب کو مضبوط کر دیں جیسا کہ مشائخ صوفیہ اہل تصرف کا معمول ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے یہ واضح کر دیں کہ اللہ کے فرشتہ ان کی مدد پر کھڑے ہیں کبھی سامنے ظاہر ہو کر کبھی آواز سے کبھی کسی اور طریق سے جیسا کہ میدان بدر میں یہ سب طریقے استعمال کئے گئے آیت فاضربوا فوق الاعناق کی ایک تفسیر میں یہ خطاب فرشتوں کو ہے اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ فرشتے نے کسی مشرک پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا سر خود ہی بدن سے جدا ہو گیا (کما روی عن سہل بن حنیف بروایہ الحاکم و تصحیح البیہقی) اور بعض صحابہ کرام نے جبرئیل امین کی آواز بھی سنی کہ اقدم حیزوم فرما رہے ہیں اور بعض نے خود بھی بعض ملائکہ کو دیکھا بھی (رواہ مسلم) یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکہ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لئے کچھ کچھ کام ایسے بھی کئے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں اور دراصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہیں تھا اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کئے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں اگر اللہ تعالی کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر

سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر کا نام ہی نہ رہتا حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی۔ مگر اس کارخانہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں یہاں تو کفر و ایمان اور اطاعت و معصیت ملے جلے ہی چلتے رہیں گے ان کے نکھار کے لئے حشر کا دن ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ غزوہ بدر میں ملائکہ اللہ کو مدد کے لئے بھیجنے میں جو وعدہ آئے ہیں ان میں سورہ انفعال کی آیت میں ایک تو ایک ہزار کا وعدہ ہے اور آل عمران کی مذکورہ آیت میں پہلے تین ہزار کا پھر پانچ ہزار کا وعدہ ہے اس میں کیا حکمت ہے۔ بات یہ ہے کہ سورہ انفال میں مذکور یہ ہے کہ جب میدان بدر میں مسلمانوں نے مخالف کی تعداد ایک ہزار دیکھی اور ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی تو بارگاہ رب العزت میں استغاثہ کیا۔ اس پر یہ وعدہ ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا کیا گیا کہ جو عدد تمہارے دشمن کا ہے اتنا ہی عدد فرشتوں کا بھیج دیا جائے گا۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں: اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکة مردفین۔ اور اس آیت کے بعد بھی فرشتوں کی مدد بھیجنے کا یہی مقصد ظاہر فرمادیا کہ مسلمانوں کے قلوب جمے رہیں اور ان کو فتح کی بشارت ملے چنانچہ اس کے بعد کی آیت کے الفاظ یہ ہیں وما جعله الله الا بشری ولتطمئن به قلوبکم.

اور سورہ آل عمران کی آیت زیر نظر میں تین ہزار فرشتوں کا وعدہ شاید اس بناء پر کیا گیا کہ بدر کے میدان میں مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر محاربی اپنے قبیلہ کا لشکر لے کر مشرکین مکہ کی امداد کو آرہا ہے (کذافی الروح) یہاں دشمن کی تعداد مسلمانوں سے تین گناہ زیادہ پہلے ہی سے تھی۔ مسلمان اس خبر سے کچھ پریشان ہوئے تو تین ہزار فرشتوں کا وعدہ کیا گیا تاکہ معاملہ برعکس ہو کر مسلمانوں کی تعداد دشمن

سے تین گناہ ہو جائے گی۔

پھر اسی آیت کے آخر میں اس تعداد کو چند شرطوں کے ساتھ بڑھا کر پانچ ہزار کر دیا۔ وہ شرطیں دو تھیں ایک یہ کہ مسلمان صبر و تقوی کے مقام اعلی پر قائم رہیں دوسرے یہ کہ دشمن ان پر یکبارگی حملہ کر دے۔ مگر ان دو شرطوں میں سے دوسری شرط یکبارگی حملہ کی واقع نہیں ہوئی اس لئے پانچ ہزار کی تعداد کا وعدہ نہ رہا پھر اس میں ائمہ تفسیر و تاریخ کے اقوال مختلف ہیں کہ اگرچہ وعدہ کی یہ شرط متحقق نہیں ہوئی پھر بھی یہ وعدہ پانچ ہزار کی صورت میں پورا ہوا یا صرف تین ہزار کی صورت میں یہ اقوال مختلفہ روح المعانی میں مذکور ہیں۔

آیت لیس لك من الامر شي۔ یہاں سے پھر اصل قصہ احد کی طرف عود ہے۔ درمیان میں مجملاً قصہ بدر کا ذکر آگیا تھا اور سببِ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ اس غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک جو کہ سامنے کے دو اوپر کے دو نیچے کے دانتوں کی کروٹوں میں چار دانت ہوتے ہیں دو اوپر داہنے بائیں دو نیچے داہنے بائیں ان چاروں میں نیچے داہنی طرف کا دانت شہید ہو گیا اور چہرہ مبارک مجروح ہو گیا تو آپؐ کی زبان مبارک پر یہ کلمات آگئے کہ ایسی قوم کو کیسے فلاح ہو گی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا حالانکہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف بلا رہا ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے بعض کفار کے لئے بد دعا بھی فرمائی تھی اس پر یہ آیت نازل فرمائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی ہے (از بیان القرآن ملخصاً)۔

خلاصہ تفسیر:

لیس لك من الامر شی (الی قولہ) غفور رحیم (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو (کسی کے مسلمان ہونے یا کافر رہنے کے متعلق خود) کوئی دخل نہیں (خواہ علم کا دخل ہو یا قدرت کا بلکہ یہ سب خدا تعالی کے علم اور قبضہ میں ہے آپ کو صبر کرنا چاہئے) یہاں تک کہ خدا تعالی ان پر یا تو (رحمت سے) متوجہ ہو جاویں (یعنی ان کو اسلام کی توفیق دے دیں تو اس وقت صبر اور فرح اور سرور سے بدل جائے گا) اور یا ان کو (دنیا ہی میں) کوئی سزا دیں (تو اس وقت صبر تسکین قلبی میں بدل جائے گا اور سزائے دنیا کچھ بیجا بھی نہیں) کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں (مراد اس سے کفر و شرک ہے جیسا کہ فرمایا ان الشرك لظلم عظیم آگے اس مضمون کی تاکید ہے) اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے وہ جس کو چاہیں بخش دیں (یعنی اسلام نصیب کر دیں جس سے مغفرت ہوتی ہے) اور جس کو چاہیں عذاب دیں (یعنی اسلام نصیب نہ ہو اور اس وجہ سے عذاب دائمی ہو) اور جس کو چاہیں تو بڑے مغفرت کرنے والے (اور) بڑے رحمت کرنے والے ہیں (تو بخشنے کا تو ذرا بھی تعجب نہیں کیونکہ رحمت تو ان کی سابق ہی ہے اس لئے عذاب دینے کی وجہ اوپر بیان فرمائی فانهم ظلمون۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ o

اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے۔

☆☆☆

تفسیر :

اس آیت میں سود کھانے کی حرمت و ممانعت کے ساتھ **اضعافًا مضاعفةً** کاذکر حرمت کی قید نہیں بلکہ سود کی قباحت کوواضح کرنے کے لئے ہے کیونکہ دوسری آیات میں مطلقاً ربوٰ کی حرمت کا بیان نہایت تشدید و تاکید کے ساتھ آیا ہے جس کی تفصیل سورہ بقرہ میں آچکی ہے اور **اضعافا مضاعفة** کے ذکر میں اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جس کو سود کھانے کی عادت ہوجائے تو خواہ وہ اصطلاحی سود مرکب یعنی سود در سود کے معاملہ سے پرہیز بھی کرلے تو سود سے حاصل شدہ کمائی کو جب دوبارہ سود پر چلائے گا تو وہ لامحالہ اضعاف مضاعف ہوتا چلاجائے گا اگرچہ سود خوروں کی اصطلاح میں اس کو سود مرکب یعنی سود در سود نہ کہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر ایک سود انجام کار اضعاف مضاعف ہی ہوتا ہے اس آیت سے پہلے غزوہ احد کے متعلق آیات ہیں اور اس کے بعد والی آیات بھی غزوہ احد ہی کے متعلق ہیں اور درمیان میں سود کی آیت لانے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں تمہیں جو عارضی سی شکست ہوئی تھی اس کا باعث تمہارا سودی کاروبار ہے لہذا اس کو چھوڑو اور آج دنیا میں مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں شکستیں ہوئی ہیں اس کی وجہ بھی سودی کاروبار ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین تیار ہوئی واسطے پرہیزگاروں کے

☆☆☆

تفسیر :

آیت مذکورہ میں دو مسئلے زیادہ اہم ہیں اول پہلی آیت کا مضمون جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر رسول کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب "قرآن" کی اطاعت کا نام ہے تو پھر اس کے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو کیا ہے ؟

دوسری بات جو ہمیشہ یاد رکھنے اور اپنی عملی زندگی کا قبلہ بنانے کے قابل ہے وہ وہ صفات اور علامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول اور پرہیز گار بندوں کے لئے ان آیات میں بتلا کر یہ واضح فرمادیا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت محض ربانی جمع خرچ سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت گزاروں کے کچھ صفات اور حالات ہوتے ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔

رسولؐ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ سے الگ کر کے بیان کرنے کی حکمت

پہلا مسئلہ : پہلی مختصر آیت میں اس طرح بیان فرمایا :

اطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون یعنی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" اس میں رحمتِ خداوندی کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضروری اور لازم قرار دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی اسی طرح لازم اور ضروری قرار دیا ہے اور یہ بھی صرف اسی آیت میں نہیں پورے قرآن میں بار بار اس کا تکرار اسی طرح ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے وہیں اطاعتِ رسولؐ کا بھی ذکر مستقلاً ہے قرآن حکیم کے یہ متواتر اور مسلسل ارشادات ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ ایمان کا

پہلا جز خدائے تعالیٰ کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے تو دوسرا جز "رسول" کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے۔

اب یہاں غورِ طلب یہ ہے کہ قرآن کریم ہی کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ "رسولِ کریم" صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب باذنِ خداوندی ہوتا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحی۔" یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بولتے ہیں وہ کسی اپنی خواہش سے نہیں کہتے بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے "وحی" ہوتی ہے۔ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ "رسول" کی اطاعت بعینہ خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اس سے الگ کوئی چیز نہیں۔ سورہ نساء آیت ۷۹ میں خود قرآن نے بھی ان الفاظ میں اس کو واضح فرمادیا:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

"یعنی جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے اطاعت کی اللہ کی۔

تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں اطاعتوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ خصوصاً اس التزام اور اہتمام کے ساتھ کہ پورے قرآن کریم میں یہی عادت مستمرہ ہے کہ دونوں اطاعتوں کا ساتھ ساتھ حکم دیا جاتا ہے۔

راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک کتاب بھیجی اور ایک رسولؐ۔ رسول کے ذمہ یہ کام لگائے گئے۔ اول یہ کہ وہ قرآن کریم کی آیات ٹھیک اسی صورت اور لب ولہجہ کے ساتھ لوگوں کو پہنچادیں جس صورت سے وہ نازل ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کریں۔

تیسرے یہ کہ وہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں اور اس کے

مقاصد کو بیان فرمائیں نیز یہ کہ وہ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دیں۔ یہ مضمون قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں تقریباً ایک ہی عنوان سے آیا ہے یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ

معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچادیں بلکہ اس کی تعلیم اور تبیین بھی رسول کے ذمہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب عرب کے فصحاء وبلغاء تھے۔ ان کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ محض الفاظ قرآنی کے لغوی معنی ان کو سمجھائے جائیں کیونکہ وہ سب خودبخود ان کو بخوبی سمجھتے تھے بلکہ اس تعلیم و تبیین کا مقصد صرف یہی تھا اور یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان فرمایا اس کی تشریح اور تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے ذریعہ سے لوگوں تک پہونچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلوب مبارک میں ڈالی جس کی طرف آیت قرآن ان ھو الا وحی یوحی میں اشارہ کیا گیا ہے مثلاً قرآن نے بے شمار مواقع میں صرف اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فرمانے پر اکتفاء کیا ہے کہیں نماز کے معاملے میں قیام، رکوع اور سجدہ کا ذکر بھی آیا تو وہ بھی بالکل مبہم ہے۔ ان کی کیفیات کا ذکر نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امین نے خود آکر اللہ کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیلی صورت عمل کر کے بتلائی اور آپؐ نے اسی طرح قول و عمل کے ذریعہ امت کو پہنچادیا۔

زکوۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوۃ کی مقدار کا تعین پھر یہ بات کہ کسی مال پر زکوۃ ہے اور کس مال پر نہیں اور مقادیرِ نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے یہ سب تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں اور ان کے فرامین لکھوا

کر متعدد صحابہ کرام کے سپرد فرمائے۔

یا مثلاً قرآن حکیم نے حکم دیا کہ :

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل.

"یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر ناحق نہ کھاؤ۔"

اب اس کی یہ تفصیل کہ رائج الوقت معاملات بیع و شراء اور اجارہ میں کیا کیا صورتیں ناحق اور بے انصافی یا ضرر عوام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہیں یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن خداوندی امت کو بتلائی اسی طرح تمام شرعی احکام کا بھی یہی حال ہے۔

تو یہ تمام تفصیلات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے بہ وحی الٰہی امت کو پہنچائیں چونکہ یہ تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو یہ دھوکا ہو کہ یہ تفصیلی احکام خداتعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام نہیں اس لئے خداتعالیٰ کی اطاعت میں ان کی تعمیل ضروری نہیں اس لئے حق تعالیٰ نے سارے قرآن میں باربار اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے جو حقیقت میں تو خداتعالیٰ ہی کی اطاعت ہے مگر ظاہری صورت اور تفصیل بیان کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے اس لئے باربار تاکیدات کے ساتھ بتلادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو کچھ حکم دیں اس کو بھی خداتعالیٰ ہی کی اطاعت سمجھ کر مانو خواہ وہ قرآن میں صراحتہ موجود ہو یا نہ ہو۔

یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کو دھوکہ لگ جانے کے علاوہ دشمنانِ اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ سے بھٹکانے کا بھی ایک موقع تھا اس لئے قرآن کریم نے اس مضمون کو صرف لفظ اطاعت رسولؐ

کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو بتلایا ہے مثلاً آپؐ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ علاوہ کتاب کے کچھ اور بھی آپ کی تعلیمات میں داخل ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہے جس کو لفظ حکمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے کہیں ارشاد فرمایا کہ لتبین للناس ما نزل الیھم یعنی رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپؐ پر نازل شدہ آیات کے مطالب و مقاصد اور تشریحات کو بیان فرمائیں۔

اور کہیں یہ ارشاد ہے کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنه فانتھو "یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز آجاؤ" یہ سب انتظام اس کا کیا گیا کہ کل کو کوئی شخص یہ نہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف ان احکام کے مکلّف ہیں جو قرآن میں آئے ہیں۔ جو احکام ہمیں قرآن میں نہ ملیں ان کے ہم مکلّف نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالباً یہ منکشف ہو گیا تھا کہ کسی زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسولؐ کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعوی کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے اس لئے ایک حدیث میں صراحۃً بھی اس کا ذکر فرمایا جس کو ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

۱ لا الفین احدکم متکئا علے اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به او نھیت عنه فیقول لا ادری ماوجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ.

"یعنی ایسا نہ ہو کہ میں تم سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ

لگائے ہوئے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہدے کہ ہم اس کو نہیں جانتے ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔"

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جگہ جگہ رسولؐ کی اطاعت کا بار بار ارشاد اور پھر مختلف عنوانات سے رسول کے دیئے ہوئے احکام کو ماننے کی ہدایات یہ سب اسی خطرہ کے پیش نظر ہیں کہ کوئی شخص ذخیرہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی ہوئی تفصیلات احکام کو قرآن سے الگ اور اطاعت خدا تعالیٰ سے جدا سمجھ کر انکار نہ کر بیٹھے کہ وہ در حقیقت الگ نہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

دوسری آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا گیا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے بعد یہ دوسرا حکم دیا گیا یہاں مغفرت سے مراد اسباب مغفرت ہیں یعنی وہ اعمال صالحہ جو باعث مغفرت الٰہی ہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیریں مختلف عنوانات سے منقول ہیں مگر معنون اور مضمون سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تفسیر "ادائیگی فرائض" سے فرمائی حضرت ابن عباسؓ نے "اسلام" سے ابو العالیہ نے "ہجرت" سے انس بن مالک نے "تکبیر اولیٰ" سے سعید بن جبیرؓ نے "اداءِ طاعت" سے ضحاکؓ نے "جہاد" سے عکرمہؓ نے "توبہ" سے کی ہے ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرت الٰہی کا باعث اور سبب ہوتے ہیں۔

اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے اس آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ دوسری آیت میں

لا تتمنوا ما فضل الله به بعضکم علٰی بعض فرما کر دوسرے فضائل حاصل کرنے کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں۔ ایک فضائل تو وہ ہیں جن کا حاصل کرنا انسان کے اختیار اور بس سے باہر جن کو فضائل غیر اختیاریہ کہتے ہیں جیسے کسی کا سفید رنگ یا حسین ہونا یا کسی بزرگ خاندان سے ہونا وغیرہ۔ دوسرے وہ فضائل جن کو انسان اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے، انکو فضائل اختیاریہ کہتے ہیں۔ فضائل غیر اختیاریہ میں دوسرے کی فضیلت حاصل کرنے کی کوشش بلکہ اس کی تمنا کرنے سے بھی اس لئے رد کا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالی نے اپنی حکمت کے مطابق مخلوق میں تقسیم کیے ہیں۔ کسی کی کوشش کا اس میں دخل نہیں اس لئے وہ فضائل جو کوشش اور تمنا سے حاصل تو ہونگے نہیں اب سوائے اس کے کہ اس کے دل میں حسد اور بغض کی آگ بھڑکتی رہے اور کوئی فائدہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص کالا ہے وہ گورا ہونے کی تمنا کرتا رہے تو اس سے کیا نتیجہ نکلے گا البتہ جو فضائل اختیاریہ ہیں ان میں مسابقت اور مقابلہ کا حکم دیا گیا، صرف ایک آیت میں نہیں بلکہ متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ **فاستبقوا الخیرات** دوسری جگہ ارشاد ہے: **و فی ذلک فلیتنا فس المتنافسون.**

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر کسی انسان میں کوئی فطری اور طبعی کوتاہی ہو جس کا دور کرنا اس کے بس سے باہر ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی اس کوتاہی پر قانع رہ کر دوسروں کے کمال کو دیکھے بغیر اپنا کام کرتا رہے کیونکہ اگر وہ اپنی کوتاہی پر تاسف اور دوسروں کے کمال پر حسد کرتا رہا تو جتنا کام کر سکتا ہے اس قدر بھی نہیں کر سکے گا اور بالکل ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔

دوسری چیز جو اس جگہ قابلِ غور ہے وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مغفرت کو جنت سے مقدم کیا۔ اس میں ممکن ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ جنت حاصل کر لینا مغفرت الٰہی کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ انسان اگر تمام عمر بھی نیکیاں کرتا ہے اور معصیت سے کنارہ کش رہے تب بھی اس کے تمام اعمال جنت کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ جنت میں لے جانے والے صرف ایک چیز ہے اور وہ مغفرت باری تعالیٰ ہے اور اسکا فضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اَبْشِرُوْا فَاِنَّه لَنْ یُّدْخِلَ اَحَدً الْجَنَّةَ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ. (ترغیب و ترہیب بحوالہ بخاری و مسلم)

"راستی اور حق کو اختیار کرو درمیانی راہ اختیار کرو اور (اللہ کے فضل) کی بشارت حاصل کرو کسی شخص کا عمل اس کو جنت میں نہیں پہنچائے گا۔ لوگوں نے کہا نہ آپ کا یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا نہ میرا عمل جنت میں پہونچائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔"

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اعمال جنت کی قیمت نہیں ہیں لیکن عادت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسی بندے کو نوازتا ہے جو اعمال صالحہ کرتا ہے بلکہ جس کو اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی وہی علامت ہے کہ اللہ اس سے راضی ہیں لہذا اعمال کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ دخول جنت کا اصلی باعث اور سبب مغفرت الٰہی ہے۔ اسی لئے مغفرت کی اہمت کے پیش نظر مطلق مغفرت نہیں فرمایا گیا بلکہ مغفرة من ربکم فرمایا گیا صفت ربوبیت کے بیان کرنے میں مزید لطف اور امتنان کا اظہار مقصود ہے۔

دوسری چیز جس کی طرف دوڑنے کا حکم دیا جارہا ہے وہ جنت ہے اور جنت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی وسعت اس قدر ہے جتنا سارا آسمان اور زمین ہے انسان کے دماغ میں آسمان وزمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت آہی نہیں سکتی اس لئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اس سے تشبیہ دی گویا بتلادیا کہ جنت بہت وسیع ہے۔ اس کے عرض میں سارے زمین و آسمان سما سکتے ہیں پھر جب اس کے عرض کا یہ حال ہے تو طول کا حال خدا جانے کیا ہوگا۔ یہ معنی تو اس وقت ہیں جب عرض کو طول کے مقابل لیا جائے لیکن اگر عرض کو ثمن یعنی قیمت کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنت کوئی معمولی شے نہیں ہے اس کی قیمت سارا آسمان و زمین ہیں لہذا ایسی قیمتی اور عظیم الشان چیز کے لئے مسابقت اور مسارعت کرو۔

تفسیر کبیر میں ہے

قال ابو مسلم ان العرض هنا یعرض من الثمن فی مقابلة البیع ای ثمنها لو بیعت کثمن السموت والارض و المراد بذلك عظم مقدارها و جلالة خطرها وانه لا یساویها شی و ان عظم.

"ابو مسلم کہتے ہیں کہ عرض سے مراد آیت میں وہ چیز ہے جو مبیع کے مقابلہ میں بطور قیمت پیش کی جائے مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض جنت کی قیمت لگائی جائے تو سارا آسمان و زمین اور ان کی کائنات اس کی قیمت ہوگی مقصود اس سے جنت کی عظمت اور جلالت قدر کا بیان کرنا ہے۔"

جنت کا دوسرا وصف بتلایا اعدت للمتقین یعنی جنت پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت پیدا کی جاچکی ہے قرآن و حدیث کے واضح اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے اس طرح کہ

ساتواں آسمان اس کی زمین ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّاءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۚ o وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ o اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ o قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سُنَنٌ فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ o ہٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ ہُدًی وَّ مَوۡعِظَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ o

جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے گناہ بخشنے والا سو اللہ کے اور اڑتے نہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں انہی کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی اور باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کو۔

تفسیر :

ان آیات میں حق تعالی نے مومنین متقین کی خاص صفات اور علامات بتلائی

ہیں جن سے بہت سے فوائد متعلق ہیں مثلا یہ کہ قرآن حکیم نے جگہ جگہ نیک بندوں کی صحبت اور ان کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی تاکید فرمائی ہے کہیں صراط الذین انعمت علیھم فرما کر دین کی سیدھی اور صحیح راہ انہی مقبول بندوں سے سیکھنے کی طرف اشارہ فرمایا کہیں کونوا مع الصادقین فرما کر ان کی صحبت اور معیت کی خاص افادیت کی تلقین فرمائی اور دنیا میں ہر گروہ کے اندر اچھے برے لوگ ہوا کرتے ہیں اچھوں کے لباس میں برے بھی ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مقبول بندوں کی خاص علامات و صفات بتلا کر یہ سمجھا دیا جائے کہ لوگ غلط رہنماؤں اور مقتداؤں سے پرہیز کریں اور صادقین کی علامتیں پہچان کر ان کا اتباع کریں۔ مومنین متقین کی صفات و علامات بیان فرمانے کے بعد ان کی دائمی کامیابی اور جنت کے اعلی مقامات بتلا کر نیک بندوں کو خوشخبری اور بری راہوں پر چلنے والوں کے لئے نصیحت و ترغیب کا راستہ کھولا گیا ہے۔ ان آیات کے اخیر میں ھذا بیان للناس و ھدی و موعظة للمتقین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مقبولین کی جو صفات و علامات یہاں ذکر کی گئی ہیں اس میں ابتدائی آیات میں ان صفات کا بیان ہے جن کا تعلق انسانی حقوق اور باہمی معاشرت سے ہے اور بعد کی آیات میں وہ صفات ہیں جن کا تعلق حق تعالی کی عبادت و طاعت سے ہے جن کو دوسرے لفظوں میں حقوق العباد اور حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

متذکرہ بالا آیات میں حقوق انسانی سے متعلقہ صفات کو پہلے اور حقوق اللہ سے متعلقہ صفات کو بعد میں بیان فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ اگرچہ اصل کے اعتبار سے حقوق اللہ سارے حقوق پر مقدم ہیں لیکن دونوں میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو اپنے حقوق بندوں پر لازم کئے ہیں ان سے نہ خدا تعالی کا اپنا کوئی فائدہ متعلق

ہے نہ خدائے تعالیٰ کو ان کی حاجت ہے اور نہ ان کے ادا نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے۔ اس کی ذات سب سے بے نیاز ہے اس کی عبادت سے فائدہ خود عبادت کرنے والے کا ہے پھر وہ رحیم الرحماء اور کریم الکرما بھی ہے اس کے حقوق میں بڑی سے بڑی کوتاہی اور غلطی کرنے والا انسان جس وقت بھی اپنے کئے ہوئے پر نادم ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور توبہ کر لے تو بارگاہ رحم و کرم سے اس کے سارے گناہ ایک دم میں معاف ہو سکتے ہیں بخلاف حقوق العباد کے کہ انسان ان کا محتاج ہے اور جس شخص کے حقوق کسی کے ذمہ لازم ہیں اگر وہ ادا نہ کرے تو اس کا نقصان بھی ہے اور اپنے نقصان کو معاف کرنا بھی انسان کے لئے آسان نہیں اس لئے حقوق العباد کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ نظام عالم کی درستی اور انسانی معاشرے کی اصلاح کا سب سے بڑا دارو مدار باہمی حقوق کی ادائیگی پر ہے۔ اس میں ذرا سی کوتاہی جنگ و جدال اور فساد کی راہیں کھول دیتی ہے اور اخلاق فاضلہ اگر پیدا کر لئے جائیں تو دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں۔ صدیوں کی لڑائیاں صلح و آشتی میں تبدیل ہو جاتی ہیں اس لئے بھی ان صفات علامات کو مقدم کیا گیا جن کا تعلق انسانی حقوق سے ہے۔ ان صفات میں سب سے پہلی صفت یہ بتلائی گئی ہے:

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے ایسے عادی اور خوگر ہیں کہ ان پر فراخی ہو یا تنگی ہر حال میں مقدور بھر خرچ کرتے رہتے ہیں زیادہ میں سے زیادہ اور کم میں سے کم اس میں...... ایک طرف تو یہ ہدایت ہے کہ غریب فقیر آدمی بھی اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالکل فارغ نہ سمجھیں اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کی سعادت سے محروم نہ ہوں کیونکہ ہزار

روپے میں سے ایک روپیہ خرچ کرنے کا جو درجہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ہزار پیسے میں سے ایک پیسہ خرچ کرنے کا بھی ہے اور عملی طور پر جس طرح ہزار روپے کے مالک کو ایک روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا کچھ مشکل نہیں اسی طرح ہزار پیسوں کے مالک کو ایک پیسہ خرچ کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔

دوسری طرف یہ ہدایت بھی ہے کہ تنگی کی حالت میں بھی بقدر حیثیت خرچ کرتے رہنے سے خرچ کرنے کی مبارک خصلت و عادت فنا نہیں ہو گی اور شاید اللہ تعالیٰ اسی کی برکت سے فراغت اور فراخی بھی عطا فرما دیں۔

تیسری اہم چیز اس میں یہ ہے کہ جو شخص اس کا خوگر ہو کہ دوسرے انسانوں پر اپنا مال خرچ کر کے ان کو فائدہ پہنچا سکے غریبوں فقیروں کی امداد کرے ظاہر ہے کہ وہ کبھی دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور ان کی مرضی کے خلاف ہضم کرنے کے پاس بھی نہ ہو جائے گا اس لئے اس پہلی صفت کا حاصل یہ ہوا کہ مومنین متقین اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے دوسرے انسانوں کو نفع پہنچانے کی فکر میں رہا کرتے ہیں خواہ ان پر فراخی ہو یا تنگی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک وقت صرف ایک انگور کا دانہ خیرات میں دیا کیونکہ اس وقت ان کے پاس اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ کسی وقت انہوں نے صرف ایک پیاز کا صدقہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَو بِشِقِّ تَمرَۃٍ وَ رُدُّوا السَّائِلَ وَلَو بِظِلْفِ شَاۃٍ.

"یعنی تم جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ میں دے کر ہی ہو اور سائل کو خالی واپس نہ کرو اور کچھ نہ ہو تو بکری کے پاؤں کی کھری ہی دے دو۔"

تفسیر کبیر میں امام رازی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی تو جن کے پاس سونا چاندی تھا انہوں نے وہ صدقہ میں دے دیا ایک شخص کھجور کے چھلکے لایا کہ میرے پاس اور کچھ نہیں وہ ہی صدقہ کر دیئے گئے ایک اور شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کوئی چیز صدقہ کرنے کے لئے نہیں ہے البتہ میں اپنی قوم میں عزت دار سمجھا جاتا ہوں میں اپنی عزت کی خیرات کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی آدمی مجھے کتنا ہی برا بھلا کہے میں اس سے ناراض نہیں ہوں گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صحابہ کرام کے تعامل سے یہ بات بھی واضح ہو گی کہ انفاق فی سبیل اللہ صرف مالداروں اور اغنیاء ہی کا حصہ نہیں ہے غریب، فقیر بھی اس صفت کے حامل ہو سکتے ہیں کہ اپنی اپنی مقدرت کے موافق اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کر کے اس عظیم صفت کو حاصل کر لیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ضروری نہیں کہ مال ہی خرچ کیا جائے

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ ینفقون کا تو ذکر فرمایا کہ وہ لوگ تنگی اور فراخی ہر حال میں فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں یہ متعین نہیں فرمایا کہ کیا خرچ کرتے ہیں۔ اس کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ ہر خرچ کرنے کی چیز داخل ہے مثلاً جو شخص اپنا وقت اپنی محنت اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ بھی اس انفاق کی صفت سے موصوف کیا جائے گا جو حدیث بحوالہ تفسیر کبیر اوپر گزری ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

تنگی اور فراخی کے ذکر میں ایک اور حکمت :

یہ بھی ہے کہ یہی وہ حالتیں ہیں جن میں عادۃً انسان خدا کو بھولتا ہے جب مال و دولت کی فراوانی ہو تو عیش میں خدا کو بھول جاتا ہے اور جب تنگی اور مصیبت ہو تو بسا اوقات اسی کی فکر میں رہ کر خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو نہ عیش میں خدا کو بھولتے ہیں نہ مصیبت و تکلیف میں۔ ظفر شاہ دہلوی کا کلام اسی معنی میں خوب ہے ۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اس کے بعد ان کی ایک خاص صفت اور علامت یہ بتلائی گئی کہ اگر انکو کسی ایسے شخص سے سابقہ پڑے جو ان کو اذیت اور تکلیف پہونچائے تو وہ غصہ میں مشتعل اور مغلوب نہیں ہو جاتے اور غصہ کے مقتضی پر عمل کر کے انتقام نہیں لیتے پھر صرف یہی نہیں کہ انتقام نہ لیں بلکہ دل سے بھی معاف کر دیتے ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ تکلیف دینے والے کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتے ہیں۔ اسی ایک صفت میں گویا تین صفتیں شامل ہیں اپنے غصہ پر قابو پانا، تکلیف دینے والے کو معاف کرنا، پھر اس کے ساتھ احسان کا سلوک کرنا، ان تینوں چیزوں کو اس آیت میں بیان فرمایا :

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ط

یعنی وہ لوگ جو اپنے غصہ کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کا قصور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

امام بیہقیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت سیدنا ابن حسین رضی اللہ عنہما کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک

پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی ابن حسینؓ کے اوپر گرا۔ تمام کپڑے بھیگ گئے غصہ آنا طبعی امر تھا کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ یہ سنتے ہی خاندانِ نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ بالکل خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ پڑھ دیا تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے بھی معاف کر دیا۔ کنیز بھی ہوشیار تھی اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا وَاللہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے حضرت علی بن حسینؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کر دیا (روح المعانی بحوالہ بیہقی)

لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کر دینا انسانی اخلاق میں ایک بڑا درجہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب آخرت نہایت اعلیٰ ہے۔ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "قیامت کے روز حق تعالیٰ کی طرف سے منادی ہو گی کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے وہ کھڑا ہو جائے تو اس وقت وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کے ظلم و جور کو دنیا میں معاف کیا ہو گا۔"

ایک حدیث میں ارشاد ہے :

من سرة ان یشرف له البنیان و ترفع له الدرجت فلیعف عن من ظلمه و یعط من حرمه و یصل من قطعه .

"جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنت میں اونچے ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں اس کو چاہئے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس کو معاف کردے اور جس نے اس کو کبھی کچھ نہ دیا ہو اس کو بخشش و ہدیہ دیا کرے اور جس نے اس سے ترک تعلقات کیا ہو یہ اس سے ملنے میں پرہیز نہ کرے۔"

قرآن کریم نے دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت سے برائی کرنے والوں کے ساتھ احسان کرنے کا خلق عظیم سکھلایا اور یہ بتلایا ہے کہ اس کے ذریعہ دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں ارشاد فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

"یعنی برائی کی مدافعت بھلائی اور احسان کے ساتھ کرو تو جس کے ساتھ دشمنی ہے وہ تمہارا گہرا دوست بن جائے گا۔"

حق تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تربیت بھی اسی اعلیٰ پیمانہ پر فرمائی ہے کہ آپ کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَنْ مَنْ ظَلَمَكَ وَ اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْكَ.

"یعنی جو شخص آپؐ سے قطع تعلق کرے آپؐ ان سے ملیں جو آپؐ پر ظلم کرے آپؐ اس کو معاف کریں اور جو آپؐ کے ساتھ برائی کرے آپ اس پر احسان کریں۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے آپؐ کی تعلیمات کی برکت سے یہی اخلاق و اوصاف آپؐ کے خدام میں بھی حق تعالیٰ نے پیدا فرما دیئے تھے جو اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز ہے۔ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور اسلافِ امت کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے بھرے بازار میں امام اعظمؒ کی شان میں گستاخی کی اور گالیاں دیں۔ حضرت امام اعظمؒ نے غصہ کو ضبط فرمایا اور

اس کو کچھ نہیں کہا اور گھر پر واپس آنے کے بعد ایک خوان میں کافی درہم ودینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر دستک دی یہ شخص باہر آیا تو اشرفیوں کا یہ خوان اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا اپنی نیکیاں مجھے دے دیں۔ میں اس احسان کا بدلہ کرنے کے لئے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ امامؒ کے اس معاملہ کا اسؓ کے قلب پر اثر ہونا ہی تھا۔ آئندہ کو اس بری خصلت سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔ حضرت امامؒ سے معافی مانگی اور آپ کی خدمت اور صحبت میں علم حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کر لی۔

یہاں تک کہ ان اوصاف کا بیان تھا جو انسانی حقوق سے متعلق ہیں اس کے بعد حقوق اللہ سے متعلقہ صفات کا بیان اس طرح فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کرتے اور کبھی بمقتضائے بشریت ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو فورا اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو کر استغفار کرتے ہیں اور آئندہ اس گناہ سے باز آنے کا ارادہ پختہ کر لیتے ہیں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. جس میں ایک تو یہ ہدایت کی گئی کہ جب کوئی گناہ سرزد ہو اللہ تعالی کی یاد کو فورا تازہ کرنا چاہئے اور ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہئے۔

دوسری آیت ہے کہ گناہوں کی معافی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک پچھلے گناہوں پر ندامت اور اس سے معافی مانگنا اور مغفرت کی دعا کرنا دوسرے آئندہ کے لئے اس کے پاس نہ جانے کا عزم مکمل کرنا۔

اللہ تعالی ہم سب کو قرآن کریم کے بتلائے ہوئے اخلاق فاضلہ نصیب فرمادے اللھم آمین۔

وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ o وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ o اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ o وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ.

اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاء اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت نہیں ظلم کرنے والوں سے اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹادیوے کافروں کو کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں ثابت رہنے والوں کو اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے۔

ربطِ آیات

ان آیات میں پھر قصہء احد کے متعلق مسلمانوں کو تسلی دینے کا مضمون ہے

کہ ہمیشہ سے یہی طریقِ الٰہی چلا آیا کہ انجام کار کفار ہی خائب و خاسر ہوتے ہیں اگرچہ تم اس وقت اپنی بے عنوانی سے مغلوب ہو گئے لیکن اگر اپنے مقتضیات ایمان یعنی ثبات و تقوی پر قائم رہے تو اخیر میں کفار ہی مغلوب ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت ایک سو تیس سے لے کر ایک سو تینتالیس تک غزوہ احد میں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شریک تھے ان کی اصلاح کی گئی ہے جن کے باعث عارضی شکست ہوئی تھی انہیں توبہ استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور دوسروں کو جنہیں ان کے باعث زخم اٹھانے پڑے تھے اور جن کے عزیز شہید ہو گئے انہیں عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا ہے اور آئندہ کے لئے اس غلطی سے بچنے کی تعلیم دی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس سے مقصد تمہارا امتحان لینا تھا اور تم میں سے بعض نے موت شہادت کی تمنا کی تھی جو پوری ہو گئی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا شکست خوردہ کو فتح اور فاتح کو شکست دینا اس میں بھی اللہ تعالی کی حکمت ہوتی ہے لہذا اس پر افسوس نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی حکمتوں پر نظر رکھنا چاہئے واللہ حکیم۔

تفسیر :

غزوہ احد کا واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان کیا جا چکا ہے جس میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اس جہاد میں مسلمانوں کی بعض کوتاہیوں کے سبب ابتدائی فتح کے بعد پھر مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ستر صحابہ کرام شہید ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آئے مگر ان سب امور کے بعد پھر اللہ تعالی نے جنگ کا پانسہ پلٹا اور دشمن پسپا ہو گئے۔

اس عارضی شکست کے تین سبب تھے۔ پہلا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم تیر اندازوں کو دیا تھا وہ بعض اسباب سے ان پر قائم نہ رہے کیونکہ اس بارے

میں اختلاف رائے ہو گیا کوئی کہتا تھا کہ ہم کو یہیں جمے رہنا چاہئے۔ اکثر نے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی چل کر سب کے ساتھ غنیمت حاصل کرنے میں لگنا چاہئے۔ تو پہلا سبب آپس کا جھگڑا تھا دوسرا سبب یہ ہوا کہ جب حضورؐ کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی تو مسلمانوں کے قلوب میں کمزوری پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ بزدلی اور کم ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تیسرا سبب جو ان دونوں سببوں سے زیادہ اہم تھا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں اختلاف پیش آیا۔ یہ تین لغزشیں مسلمانوں سے ہو گئی تھیں جن کی بناء پر ان کو عارضی شکست ہوئی۔ یہ عارضی شکست اگرچہ انجام کار فتح میں تبدیل ہو چکی تھی لیکن مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور تھے ان کے بڑے بڑے بہادروں کا لاشیں آنکھوں کے سامنے پڑی تھیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اشقیاء نے مجروح کر دیا تھا۔ شدائد ویاس کا ہجوم تھا اور اپنی لغزشوں کا بھی شدید صدمہ تھا اب یہاں دو چیزیں پیدا ہو چکی تھیں ایک تو گذشتہ باتوں کا رنج و غم، دوسری چیز جس کا خطرہ تھا وہ یہ کہ مسلمان آئندہ کے لئے کہیں کمزور نہ ہو جائیں اور اقوام عالم کی امامت کا جو فریضہ ان پر عائد ہے اس میں ضعف نہ پید ہو جائے اس لئے ان دونوں رخنوں کو بند کرنے کے لئے قرآن کریم کا یہ ارشاد آیا:

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی تم آئندہ کے لئے کمزوری اور سستی اپنے پاس نہ آنے دو اور گذشتہ پر رنج وملال نہ کرو اور انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے بشرطیکہ ایمان وایقان کے راستہ پر مستقیم رہو اور حق تعالی کے وعدوں پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعت رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔

مطلب یہ تھا کہ گذشتہ باتیں اور لغزشیں جو ہو چکی ہیں ان پر رنج و غم میں اپنا وقت اور توانائی صرف کرنے کے بجائے مستقبل میں اپنے کام کی درستی کی فکر کرو اور اسے کامیاب بناؤ۔ ایمان و ایقان اطاعت رسولؐ درخشاں مستقبل کا ضامن ہے ان کو ہاتھ سے نہ جانے دو انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔

اس قرآنی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں تازہ روح پھونک دی۔ غور فرمایئے کہ اللہ تعالی نے ان حضرات کی کس طرح تربیت و اصلاح فرمائی اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ایک ضابطہ اور اصول دے دیا گذشتہ فوت شدہ امور پر رنج و ملال میں وقت صرف کرنے کے بجائے آئندہ کے لئے قوت و شوکت کے اسباب بہم پہنچانے چاہیئے پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا کہ غلبہ اور بلندی حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ہی چیز اصل ہے یعنی ایمان اور اس کے تقاضے پورے کرنا۔ ایمان کے تقاضہ میں وہ تیاریاں بھی داخل ہیں جو جنگ کے سلسلہ میں کی جاتی ہیں یعنی اپنی فوجی قوت کا استحکام سامان جنگ کی بہم رسانی اور ظاہری اسباب سے بقدر وسعت آراستہ و مسلح ہونا۔ غزوہ احد کے واقعات اول سے آکر تک ان تمام امور کے مشاہد ہیں۔

اس آیت کے بعد ایک دوسرے انداز میں مسلمانوں کی تسلی کے لئے ارشاد ہے کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا تکلیف اٹھانی پڑی تو اسی طرح کے حوادث فریق مقابل کو بھی تو پیش آچکے ہیں اگر احد میں تمہارے ستر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے تو ایک سال پہلے ان کے ستر آدمی جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداءً ان کے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے لہذا فرمایا:

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ

الناس۔ یعنی اگر تم کو زخم پہنچا تو ان کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام کو باری باری بدلتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

اس آیت میں ایک اہم ضابطہ اور اصول کی طرف رہنمائی فرمائی وہ یہ کہ اللہ تعالی کی عادت اس عالم میں یہی ہے کہ وہ سختی، نرمی، دکھ، سکھ، تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے ہیں اگر کسی وجہ سے کسی باطل قوت کو عارضی فتح و کامرانی حاصل ہو جائے تو جماعت حقہ کو اس سے بددل نہیں ہونا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم کو اب ہمیشہ شکست ہی ہوا کرے گی بلکہ اس شکست کے اسباب کا پتہ لگا کر ان اسباب کا تدارک کرنا چاہئے انجام کار فتح جماعت حقہ ہی کو نصیب ہو گی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝

اور محمدؐ تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہر گز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گذاروں کو اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیویں گے ہم اس کو دنیا ہی سے اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت میں اس میں سے دیویں گے ہم اس کو اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو۔

تفسیر:

یہ آیات بھی غزوۂ احد کے واقعات سے متعلق ہیں کیونکہ ان واقعات کو کئی وجوہ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے سورہ آل عمران کے چار پانچ رکوع تک غزوہ احُد میں پیش آنے والی فتح و شکست اور ان دونوں میں جو قدرت ہدایات پوشیدہ تھی ان کا بیان مسلسل فرمایا ہے۔

مذکورہ آیتوں میں سے پہلی آیت میں بعض صحابہ کرام کی ایک لغزش پر تہدید آمیز تنبیہ کر کے ایک ایسے اصولی مسئلہ کی طرف ہدایت کی گئی ہے کہ سوچنے والوں کو اس سے یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ اس عارضی شکست اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے اور حضورؐ کی وفات کی خبر پھیل جانے کی اور اس پر بعض صحابہ کی ہمت پست ہو جانے میں یہ راز بھی تھا کہ مسلمان اس اصولی مسئلہ پر عملی طور پر پختہ ہو جائیں۔ وہ مسئلہ یہ تھا کہ جہاں اصول اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو جزوِ ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اس میں ادنیٰ کمزوری کو کفر کے مرادف بتلایا گیا ہے۔ وہیں یہ بات بھی اتنا ہی اہم تھی کہ کہیں مسلمان اس مرض کا شکار نہ ہو جائیں جس میں نصاریٰ اور عیسائی مبتلا ہو گئے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و محبت کو پرستش اور عبادت کی حد تک پہنچا دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک خدائی ٹھیرا لیا۔

غزوہ احد کی عارضی شکست کے وقت جب کسی نے یہ مشہور کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو صحابہ کرام پر جو کچھ گذری اور گذرنی چاہئے تھی اس کا ادنیٰ سا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتا ہے جس کو صحابہ کرام کی جاں نثاری اور عشق رسولؐ کا کچھ اندازہ ہو۔ جس کو

یہ پوری طرح معلوم ہو کہ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مال اولاد اور اپنی جانیں اور سب کچھ گنوا دینے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھی اور عمل سے اس کا ثبوت دیا ہے۔

ان عشاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں جب یہ خبر پڑی ہو گی ان کے ہوش وحواس کا کیا عالم ہو گا خصوصاً جب کہ میدان جنگ گرم ہے اور فتح کے بعد شکست کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں اس عالم میں وہ ہستی جو ساری کوششوں کا محور اور ساری امیدوں کا مظہر تھی وہ بھی ان سے رخصت ہوتی ہے اس کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کی ایک بھاری جماعت سراسیمہ ہو کر میدان جنگ سے ہٹنے لگی۔ یہ میدان جہاد سے ہٹ جانا اگرچہ ہنگامی اور سرسری اور وقتی سراسیمگی کا نتیجہ تھا خدانخواستہ اسلام سے پھر جانے کا کوئی شبہ یا وسوسہ بھی نہ تھا لیکن حق تعالیٰ تو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ایک ایسی پاکباز فرشتہ خصلت کی جماعت بنانا چاہتا ہے جو دنیا کے لئے نمونہ عمل بنے اس لئے ان کی ادنیٰ لغزش بھی سخت قرار دی گئی۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

ان کے لئے میدان جنگ چھوڑنے پر ایسا خطاب کیا گیا جیسے اسلام چھوڑنے پر کیا جاتا ہے اور سخت عتاب کے ساتھ اس بنیادی مسئلہ پر تنبیہ کی گئی کہ دین وعبادت اللہ کے لئے اور جہاد اسی کے لئے ہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے اگر بالفرض یہ خبر صحیح بھی ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو بہر حال یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے، اس پر ہمت ہار بیٹھنا اور دین کا کام چھوڑ دینا ان حضرات کے شایان شان نہیں اس لئے ارشاد فرمایا:

وما محمد الا رسول الایہ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں) آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں اگر آپؐ کی وفات ہو جائے یا آپ کو شہید کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ ثواب دے گا شکر گذاروں کو۔

اس میں تنبیہ فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ آپؐ کے بعد بھی مسلمانوں کو دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس عارضی شکست کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجروح ہونے اور وفات کی خبر مشہور ہونے میں یہ قدرتی راز تھا کہ آپؐ کے بعد جو حالات صحابہ کرام پر پیش آسکتے تھے وہ آپؐ کی دنیوی حیات ہی میں ظاہر کر دیئے گئے تاکہ ان میں جو لغزش ہو اس کی اصلاح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہو جائے اور آئندہ جب یہ واقعہ وفات سچ مچ پیش آئے تو یہ عشاق رسولؐ از جار فتہ نہ ہو جائیں چنانچہ یہی ہوا آپؐ کی وفات کے وقت جب بڑے بڑے صحابہ کرام کے ہوش و حواس بجانہ تھے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی قسم کی آیات قرآنیہ کی سند لے کر ان کو سمجھایا اور وہ سب سنبھل گئے۔

اس کے بعد دوسری آیت میں بھی حوادث اور مصائب کے وقت ثابت قدم رہنے کی تعلیم دینے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کی موت اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکھی ہوئی ہے اس کی تاریخ دن اور وقت معین ہے نہ اس سے پہلے کسی کو موت آسکتی ہے نہ اس کے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے پھر کسی کی موت سے ایسے سراسیمہ ہو جانے کے کوئی معنی نہیں۔

آخر میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ اس حادثہ کے ظاہری اسباب میں ایک سبب

یہ بھی تھا کہ جن حضرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی جانب پہاڑی پر نگراں بنا کر بٹھایا تھا ابتدائی فتح کے وقت عام مسلمانوں کو مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول دیکھ کر ان میں بھی چند حضرات کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اب تو فتح ہو گئی اس جگہ ٹھیرنے کی ضرورت نہ رہی پھر ہم بھی مال غنیمت جمع کرنے میں کیوں حصہ نہ لیں؟ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اس لئے فرمایا:

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَ سَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ یعنی جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا بدلہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا میں کچھ حصہ دے دیتے ہیں اور جو آخرت کا ثواب چاہتا ہے تو اس کو آخرت کا ثواب ملتا ہے اور ہم عنقریب شکر گذاروں کو بدلہ دیں گے۔

اس میں اشارہ فرمایا کہ مال غنیمت جمع کرنے کی فکر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ کام کو چھوڑ بیٹھنے میں ان سے غلطی ہوئی۔ یاد رہے کہ حقیقت کے اعتبار سے مال غنیمت جمع کرنا بھی نری دنیا طلبی نہیں جو شرعاً مذموم ہے بلکہ مال غنیمت جمع کر کے محفوظ کرنا اور پھر اس کو اس کے مصرف میں صرف کرنا یہ بھی ایک جزو جہاد ہے اور عبادت ہی ہے ان حضرات صحابہ کا اس میں شریک ہونا صرف طمع دنیوی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ شرعی ضابطہ سے اگر وہ اس مال کے جمع کرنے میں شریک نہ ہوتے جب بھی ان کو مال غنیمت میں وہ حصہ ملتا جو اب ملا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان حضرات نے طمع دنیا کے لئے اپنے مقام کو چھوڑا لیکن جیسا کہ پہلی آیت کی تفسیر میں بتلایا گیا ہے کہ بڑوں کی تھوڑی لغزش بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے معمولی جرم کو بڑی سخت جرم قرار دے کر عتاب و خطاب کیا جاتا ہے وہی یہاں بھی ہے کہ مال غنیمت جمع کرنے میں کچھ نہ کچھ دنیوی منفعت کا تعلق ضرور تھا اور اس تعلق کا طبعی اثر قلوب

میں ہونا بھی مستبعد نہ تھا صحابہ کرام کے معیار اخلاق کو بلند سے بلند کرنے کے لئے ان کے اس عمل کو بھی ارادہ دنیا سے تعبیر کر دیا کہ طمع دنیا کا ادنی سا غبار بھی ان کے قلوب تک نہ جاسکے۔ پس آیت ایک سو چوالیس سے لے کر ایک سو اڑ تالیس تک کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا کام صرف اللہ تعالی کے بھروسہ پر کرنا چاہئے نہ کہ کسی مقتدا کے اعتماد پر جیسا کہ ایام ماضی میں ایمان والوں کا یہی اصول رہا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ تعالی محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو مقام کفار پر پھر دیا اللہ نے ان کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

ربطِ آیات

سابقہ آیات میں غزوہ احد میں پیش آنے والی بعض کوتاہیوں پر مسلمانوں کو تنبیہ اور ملامت تھی۔ ان آیات میں بھی اس کا تکملہ پچھلی امتوں کے بعض حالات و

واقعات کی طرف اشارہ کر کے کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح میدان جنگ میں ثابت قدم استقلال کے ساتھ رہے تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

بعض لغات کی تشریح

رِبِّيُّوْنَ بکسر راء و تشدید با مکسورہ و ضم یاء رب کی طرف منسوب ہے جیسے ربانی معنی ہیں رب والے اس حرف راء مفتوح کی بجائے مکسور خلاف قیاس استعمال ہوا ہے (روح) بعض حضرات نے ربیون کے معنی بہت سی جماعتوں کے کئے ہیں ان کے نزدیک یہ ربہ بکسر راء بمعنی الجماعۃ کی کی طرف منسوب ہے ربیون (اللہ والے) سے مراد یہاں کون لوگ ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اس سے مراد علماء و فقہاء ہیں۔ (روح المعانی)

اَسْتَكَانُوْا، استکانہ سے مشتق ہے جس کے معنی دب جانے اور عاجز ہو کر رک جانے کے ہیں۔ (بیضاوی)

وَهَنُوْا ،وھن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ضعف و کمزوری۔

تفسیر :

آیات مذکورہ میں سابق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جہاد میں شریک اللہ والوں کی جنگ میں ثابت قدمی اور مصائب و شدائد سے نہ گھبرانا کمزور ہونا بیان فرمانے کے بعد ان کی ایک اور عظیم الشان صفت کا بیان بھی اس طرح فرمایا ہے کہ وہ اپنی اس بے مثال قربانی کے ساتھ بھی اللہ تعالی کی بارگاہ میں چند دعائیں کرتے رہتے تھے :

اول یہ کہ ہمارے پچھلے گناہ معاف فرمادے۔

دوسرے یہ کہ حالیہ عمل جہاد میں ہم سے جو کوتاہی ہو گئی ہو اس کو معاف فرمادے۔

تیسرے یہ کہ ہمیں ثابت قدمی پر قائم رکھے۔

چوتھے یہ کہ ہمیں دشمنوں پر غالب کرے۔

ان دعاؤں کے ضمن میں مسلمانوں کے لئے چند اہم ہدایات ہیں:

اپنے کسی نیک عمل پر ناز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہر حال میں اللہ سے مغفرت اور عمل پر قائم رہنے کی دعاء کرتے رہنا چاہیئے

اول یہ کہ حقیقت شناس مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کتنا ہی بڑا نیک کام اور کتنی ہی جد و جہد اللہ کی راہ میں کر رہا ہوں اس کو یہ حق نہیں کہ اپنے عمل پر ناز و فخر کرے کیونکہ در حقیقت اس کا عمل بھی اللہ تعالی ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے اس کے بغیر کوئی نیک عمل ہو ہی نہیں سکتا حدیث میں مذکور ہے:

فواللہ لو لا اللہ مااھتدینا و لا تصدقنا و لا صلینا.

"یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو ہمیں نہ سیدھے راستہ کی ہدایت ملتی اور نہ ہم سے زکوۃ و نماز ادا ہو سکتی۔"

اس کے علاوہ جب نیک عمل کوئی انسان کرتا ہے وہ کتنا ہی درست کر کے کرے لیکن مالک الملک والملکوت کی شان خدا جلالی کے مطابق کر لینا اس کے بس میں نہیں اس لئے اس کے ادائے حق میں کوتاہی ناگزیر ہے اسے حالت عمل میں بھی استغفار کی ضرورت ہے۔

نیز یہ بھی کسی کو اطمینان نہیں ہو سکتا کہ جو نیک عمل وہ اس وقت کر رہا ہے آگے بھی اسے اس کی توفیق ہو گی اس لئے موجودہ عمل میں کوتاہی پر ندامت اور آئندہ کے لئے اس پر قائم رہنے کی دعاء مومن کا وظیفہ ہونا چاہیئے۔

مذکورہ دعاؤں میں سب سے پہلے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی کی

درخواست کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان کو جو رنج و غم یا کوئی تکلیف یا دشمن کے مقابلہ میں شکست پیش آتی ہے وہ اکثر اس کے سابقہ گناہوں کا اثر ہوتا ہے اس کا علاج استغفار و توبہ ہے مولانا رومیؒ نے فرمایا۔

غم چو بینی زود استغفار کن

غم بامر خالق آمد کار کن

آخری آیت میں اللہ والوں کو دنیا و آخرت دونوں میں اچھا بدلہ دینے کا ذکر ہے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انجام کار دشمنوں پر اور غالب اور اپنے مقصد میں کامیاب فرماتے ہیں پھر آخرت کا بدلہ تو اصل بدلہ اور دائمی راحت ہے جس کو کبھی فنا نہیں اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ثواب آخرت کے ساتھ لفظ حسن بڑھا دیا گیا و حسن ثواب الاخرۃ فرمایا۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ٥ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ج وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ٥

اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تمکو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم نقصان میں بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے۔

ربطِ آیات :

غزوہ احد میں مسلمانوں کی عارضی شکست اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی افواہ گرم ہونے پر منافقین نے جنگ کا پانسہ پلٹتے ہوئے دیکھا تو شرارت کا موقع مل گیا مسلمانوں سے کہنے لگے کہ جب آپؐ ہی نہ رہے تو ہم اپنا ہی دین کیوں نہ اختیار کرلیں جس سے سارے جھگڑے مٹ جائیں۔ اس سے منافقین کی خباثت اور

مسلمانوں کابد خواہ دشمن ہونا ظاہر ہے اس لئے آیت مذکورہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان دشمنوں کی بات پر کان نہ لگائیں ان کو اپنے کسی مشورہ میں شریک نہ کریں نہ ان کے کسی مشورہ کا اتباع کریں تو جیسے پچھلی آیات میں اللہ والوں کا اتباع کرنے کی ہدایت تھی اس میں منافقین اور مخالفین اسلام کے مشورہ پر عمل نہ کرنے اور ان سے بچتے رہنے کی ہدایت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں اس کی مدد پر بھروسہ کریں مخالفین اگر تمہاری نصرت وامداد کی کچھ تدبیریں بھی بتلائیں تو اللہ و رسولؐ کے احکام کے خلاف ان پر عمل نہ کرو۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھیرایا اللہ کا جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کا اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا

آخرت پھر تم کو الٹ دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزماوے اور وہ تو تم کو معاف کر چکا اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر۔

ربطِ آیات :

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا ناصر و مددگار ہونا مذکور تھا ان آیات میں نصرتِ الٰہی کے کچھ واقعات کا ذکر ہے۔

خلاصہ :

مذکورہ آیات کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ غزوہ احد کی شکست صحابہ کی فشل تنازع اور عصیان الرسول کا نتیجہ ہے یعنی سورہ انفال میں جہاد کی تیرہ دفعات میں سے دفعہ دوم اور سوم کی خلاف ورزی ہوئی ہے کیونکہ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ میدان جہاد میں اللہ اور رسول کے مطیع رہو اور اس اطاعت کو زندگی سمجھو اور یہاں اس کی خلاف ورزی ہو گئی تھی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کی ہائی کمان کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو مجاہدین میں اگر کم ہمتی تنازعات اور اتباع سنت کی خلاف ورزی ہو گی تو مجاہدین کو شکست ہو گی اور اگر ہائی کمان بھی فاسق و فاجر یا غیر مسلم ہوں گے تو ایسے مجاہدین کو فتح کیسے ہو گی؟ یقیناً نہیں ہو گی جیسا کہ آج مسلمانوں کی یہی زبوں حالی ہے۔

تفسیر :

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا مقام بلند اور اس کی رعایتیں

یہ ظاہر ہے کہ غزوہ احد میں بعض صحابہ کرام کی رائے کی غلطی ہوئی تھی جس پر سابقہ متعدد آیات میں تنبیہ اور آئندہ کے لئے اصلاحِ حال کی ہدایات کا سلسلہ چلا آتا ہے مگر اس عتاب اور تنبیہات کے اندر بھی صحابہ کرام کے ساتھ حق جل شانہ

کی عنایات قابل دید ہیں اول تولیبتلیکم فرماکر یہ ظاہر فرمادیا کہ عارضی شکست کی جو صورت پیش آئی یہ بطور سزا کے نہیں بلکہ آزمائش کے لئے ہے پھر صاف لفظوں میں خطا کی معافی کا اعلان فرمادیا ولقد عفاعنکم۔

بعض صحابہ کرامؓ کے ارادہ دنیا کا مطلب

آیات مذکورہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اس وقت صحابہ کرام کے دو گروہ ہوگئے تھے بعض دنیا چاہتے تھے بعض صرف آخرت کے طلب گار تھے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جن حضرات کے متعلق طالب دنیا ہونے کا ذکر ہے یہ ان کے کس عمل کی بناء پر ہے۔ ظاہر ہے کہ مال غنیمت جمع کرنے کے ارادے کو طلب دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر یہ حضرات اپنے مورچے پر جمع رہتے اور مال غنیمت جمع کرنے میں شریک نہ ہوتے تو کیا ان کے حصہ غنیمت میں کوئی کمی آجاتی اور شریک ہوگئے تو کوئی زیادہ حصہ مل گیا قرآن وحدیث سے ثابت شدہ قانون غنیمت کو جو شخص جانتا ہے اس کو اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ مال غنیمت سے جو حصہ ان کو ملے گا اس میں کسی حال کوئی فرق یا کمی بیشی کا نہ تھا مال غنیمت جمع کرنے کی صورت میں بھی ان کا حصہ وہی رہے گا جو اپنی جگہ مورچے پر جمے رہنے کے وقت ملتا۔

تو اب یہ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ عمل خالص طلب دنیا تو ہو نہیں سکتا بلکہ مجاہدین کے کام کی شرکت ہے ہاں طبعی طور پر اس وقت مال غنیمت کا خیال دل میں آجانا مستبعد نہیں مگر حق تعالیٰ اپنے رسولؐ کے ساتھیوں کے قلوب کو اس سے بہت پاک وصاف دیکھنا چاہتے ہیں کہ مال کا تصور ہی کیوں آوے اس لئے اس تصور کو طلب دنیا سے تعبیر کر کے ناپسندیدگی کا اظہار فرمادیا، واللہ اعلم

اِذْ تُصْعِدُوْنَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰىٓ اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ
فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى
طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ
الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ
يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ
شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ج وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا
فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ
الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ج وَلَقَدْ عَفَا
اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

تم چڑھے چلے جاتے ہو اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے پھر پہنچا تم کو غم عوض میں غم کے تاکہ غم نہ کیا کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر کہ جو کچھ پیش آجاوے اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جھوٹے خیال جاہلوں جیسے کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ بھی کام ہوتا ہمارے ہاتھ میں تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ تو کہہ اگر تم ہوتے

اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور صاف کرنا تھا اس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ جانتا ہے دلوں کے بھید جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سو ان کو بھکا دیا شیطان نے ان کے گناہ کی شامت سے سے اور ان کو بخش چکا اللہ اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا۔

ربطِ آیات :

یہ آیات بھی غزوہ احد کے واقعہ مذکورہ سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت میں اس واقعہ پر صحابہ کرام کے حزن و غم کا ذکر ہے اور دوسری طویل آیت میں اس غم کے ازالہ کا بیان ہے۔ تیسری آیت میں مکرر اس کا اظہار ہے کہ اس میں جو صورت شکست پیش آئی وہ بھی کوئی سزا نہیں بلکہ مومنین مخلصین اور منافقین میں تفرقہ کرنے کے لئے ایک آزمائش تھی اور پھر مکرر صحابہ کرام کی لغزش کی معافی کا اعلان ہے۔

تفسیر :

مذکورہ الصدر پہلی آیت میں کچھ صحابہ کرام کا میدان جنگ چھوڑ کر چلا جانا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آواز دینے پر بھی ان کا نہ آنا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہونا اور اس غم کے بدلے میں انجام کار صحابہ کو غم ہونا مذکور ہے اور روایات حدیث میں ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ نے پکارا تو مسلمان جمع ہو گئے۔

اس کی توجیہ و تطبیق صاحب روح المعانی نے اس طرح کی ہے کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا جو صحابہ کرام نے سنا نہیں اور دور نکلے چلے گئے اس وقت حضرت کعب بن مالک نے پکارا وہ سب نے سن لیا تو جمع ہو گئے۔

بیان القرآن میں حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اصل وجہ گھبراہٹ کی یہ

خبر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے آپؐ کے پکارنے میں اس خبر کی کوئی تردید تو تھی نہیں اور آواز اگر پہونچی بھی ہو تو پہچانی نہیں گئی پھر جب حضرت کعب بن مالکؓ نے پکارا تو اس میں اس خبر کی تردید اور رسول اللہ کا حیات ہونا مذکور تھا۔ یہ سن کر سب کی تسلی ہوئی اور سب جمع ہوگئے۔ باقی رہا یہ کہ پھر اس پر حق تعالی کی طرف سے عتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم کیوں ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر مستقل مزاج رہتے تو آواز کو پہچان سکتے تھے۔

احد کے مصائب سزا نہیں بلکہ آزمائش تھے اور جو لغزش بعض صحابہ کرام سے ہوئی وہ معاف کردی گئی۔

ولیبتلی اللہ مافی صدورکم الایہ سے معلوم ہوا کہ غزوہ احد میں جو مصائب اور تکالیف صحابہ کرام کو پیش آئیں وہ بطور سزا نہیں بلکہ بطور آزمائش تھی اس امتحان کے ذریعہ مؤمنین مخلصین اور منافقین میں فرق کا اظہار کرنا تھا اور اثابکم غما کے الفاظ سے جو اس کا سزا ہونا معلوم ہوتا ہے اس کی تطبیق یہ ہے کہ صورت تو سزا ہی کی تھی مگر یہ سزا مربیانہ اصلاح کے لئے تھی جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو، استاذ اپنے شاگرد کو کچھ سزا دیتا ہے تو عرف میں اس کو سزا بھی کہہ سکتے ہیں مگر در حقیقت یہ تربیت اور اصلاح کی ایک صورت ہوتی ہے حاکمانہ سزا سے مختلف ہے۔

واقعہ احد میں مسلمانوں پر مصائب کے اسباب کیا تھے

جملہ مذکور لیبتلیکم سے آخر آیت تک جو ارشاد ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقوع مصائب کا سبب یہ ربانی حکمتیں تھیں لیکن اگلی آیت میں انما استزلھم الشیطن ببعض ما کسبوا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی کوئی

سابقہ لغزش اس شیطانی اثر کا سبب ہے۔

جواب یہ ہے کہ ظاہری سبب تو وہ لغزش ہی ہوئی کہ اس کی وجہ سے شیطان کو ان سے اور معصیت کرادینے کی بھی طمع ہو گئی اور اتفاق سے اس کی وہ طمع پوری بھی ہو گئی مگر اس لغزش اور اس کے پیچھے آنے والے نتائج میں یہ تکوینی حکمتیں مستور تھیں جن کو لیبتلیکم میں بیان فرمایا ہے روح المعانی میں زجاج سے نقل کیا ہے کہ شیطان نے ان کو بعضے وہ گناہ یاد دلائے جن کو لے کر حق تعالیٰ سے ملنا ان کو اچھا نہ معلوم ہوا اس لئے جہاد سے ہٹ گئے تاکہ وہ اپنی حالت کو درست کر کے پھر پسندیدہ حالت پر جہاد کریں اور شہید ہو کر اللہ سے ملیں۔

ایک گناہ دوسرے گناہ کا بھی سبب ہو جاتا ہے

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے جیسے ایک نیکی دوسری کو کھینچتی ہے یعنی اعمال حسنہ اور سئیہ میں تجاذب ہے جب انسان کوئی ایک نیک کام کر لیتا ہے تو تجربہ شاہد ہے کہ اس کے لئے دوسری نیکیاں بھی آسان ہو جاتی ہیں اس کے دل میں نیک اعمال کی رغبت بڑھ جاتی ہے اسی طرح انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس کے دوسرے گناہوں کا راستہ ہموار کر دیتا ہے دل میں گناہ کی رغبت بڑھ جاتی ہے اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا:

ان من جزاء الحسنة الحسنة بعدها وان من جزاء السئية السئية بعدها.

"یعنی نیک کام کی ایک نقد جزاء وہ دوسری نیکی ہے جس کی توفیق اس کو ہو جاتی ہے اور برے عمل کی ایک سزا وہ دوسرا گناہ ہے جس کے لئے پہلے گناہ نے راستہ ہموار کر دیا ہے۔"

حضرت حکیم الامت نے مسائل السلوک میں فرمایا کہ حدیث کی تصریح

کے مطابق گناہ سے قلب میں ایک ظلمت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے اور جب قلب میں ظلمت آجاتی ہے تو شیطان قابو پالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحابہ کرام کا مقام بلند اور ان کی خطاؤں پر عفوو درگذر کا بے مثال معاملہ

واقعہ احد میں جو لغزشیں اور خطائیں بعض اصحاب کرام سے صادر ہوئیں وہ اپنی ذات میں بڑی شدید اور سخت تھیں۔ جس مورچہ پر پچاس صحابہ کو یہ حکم دے کر بٹھایا تھا کہ ہم پر کچھ بھی حال گذرے تم یہاں سے نہ ہٹنا ان کی بڑی تعداد یہاں سے ہٹ گئی۔ اگرچہ ہٹنے کا سبب ان کی یہ اجتہادی غلطی سہی کہ اب فتح ہو چکی ہے اس حکم کی تعمیل پوری ہو چکی ہے یہاں سے نیچے آکر سب مسلمانوں کے ساتھ مل جانا چاہئے مگر درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات کے خلاف تھا اسی خطاء و قصور کے نتیجہ میں میدانِ جنگ سے بھاگنے کی غلطی سرزد ہوئی چاہے اس میں بھی کسی تاویل ہی کا سہارا لیا گیا ہو جیسا کہ زجاج سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے پھر یہ میدان جنگ سے بھاگنا ایسی حالت میں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہیں اور پیچھے سے ان کو آواز دے رہے ہیں۔ یہ چیزیں اگر شخصیات اور گردو پیش کے حالات سے الگ کر کے دیکھی جائیں تو بلاشبہ سخت ترین اور ایسے سنگین جرم تھے کہ مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں مختلف صحابہ پر جتنے الزامات مخالفین کی طرف سے لگائے جاتے ہیں یہ ان سب سے زیادہ شدید جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مگر غور کیجئے کہ حق تعالیٰ نے ان تمام خطاؤں اور لغزشوں کے بعد بھی ان حضرات کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا وہ مذکورہ آیات میں بڑی وضاحت سے آگیا کہ اول ظاہری انعام اونگھ کا بھیج کر ان کی تکلیف اور تکان و پریشانی دور کی گئی پھر یہ بتلایا گیا کہ جو

مصائب اور غم مسلمانوں کو اس وقت پہنچا ہے وہ نری سزا و عقوبت نہیں بلکہ اس میں کچھ مربیانہ حکمتیں مستور ہیں پھر صاف لفظوں میں معافی کا اعلان فرمایا یہ سب چیزیں ایک مرتبہ اس سے پہلے آچکی ہیں اس جگہ پھر ان کا اعادہ فرمایا۔ اس تکرار کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پہلی مرتبہ تو خود صحابہ کرام کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا اور اس جگہ منافقین کے اس قول کا رد بھی مقصود ہے جو وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم نے ہماری رائے پر عمل نہ کیا اس لئے مصائب و تکالیف کا سامنا ہوا۔

بہر حال ان تمام آیات میں یہ بات بڑی وضاحت سے سامنے آگئی کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہے کہ اتنی بڑی عظیم خطاؤں اور لغزشوں کے باوجود ان کے ساتھ معاملہ صرف عفوودرگذر کا ہی نہیں بلکہ لطف و کرم کا فرمایا گیا۔ یہ معاملہ تو خود حق تعالیٰ کا اور نصوص قرآنی کا بیان کیا ہوا ہے اسی طرح کا ایک معاملہ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کا حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے حالات کے متعلق ایک خط لکھ دیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی اس کی حقیقت کھلی اور خط پکڑا گیا تو صحابہ کرام میں حاطبؓ ابن ابی بلتعہ کے خلاف سخت غیظ و غضب تھا۔ فاروق اعظمؓ نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن ماردوں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ وہ منافق نہیں مومن مخلص ہے مگر یہ غلطی ان سے سرزد ہوگئی اس لئے اس کو معاف فرمایا اور فرمایا یہ اہل بدر میں سے ہیں اور شاید اللہ تعالیٰ نے تمام حاضرین بدر کے متعلق مغفرت اور معافی کا حکم نافذ کر دیا ہے۔"

(یہ روایت حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے)

☆☆☆

والدہ

والدہ شفقت کی دیوی، والدہ الفت کی جاں
بہر طفلاں جنت فردوس زیر آسماں
بستیٔ انسان کی شام و سحر وہ پاسباں
جذبہ ایثار و قربانی کی رنگیں داستاں

بے زباں بچے کے حق میں آیۂ رحمت ہے یہ
پوچھئے معصوم سے اک بے بدل نعمت ہے یہ
والدہؑ از آفرینش تا قیامت باوفا
کشتیٔ معصوم کی سمجھو اسے تم ناخدا

اس کی شفقت کے پیاسے اولیاء واتقیا
محسنہ انبیاء، مخدومۂ اہل ۔ صفا
سورۂ یوسفؑ اگر اک نالۂ یعقوبؑ ہے
چاہ زمزم۔ والدہ کے عشق سے منسوب ہے

کون چھاتی سے لگاتا تھا مجھے شام و سحر؟
کس کی آٹھوں پہر رہتی تھی فقط مجھ پر نظر؟
زندگی میری ہے یہ کس کی دعاؤں کا اثر؟
کون کہتی تھی مجھے لخت جگر نوربصر؟

والدہ! تیری عنایت، کا یہ دل ممنون ہے
بلکہ میرے جسم کا ہر رونگٹا مرہون ہے

عشق کی دنیا تیرے اخلاص سے آباد ہے
تیرا دل حرص و ہوا سے کلیۃً آزاد ہے

کیا ترا ننھا ہی تیری گود میں دل شاد ہے؟
تیری شفقت تو بڑھاپے میں بھی مجھ کو یاد ہے

جنت فردوس تھا، پہلو تیرا میرے لئے
میں بھی تھا خواہ کچھ بھی ہوں رشک قمر تیرے لئے

پوچھئے آکر یتیموں سے کہ کیا دولت تھی تو
اپنے بچوں کے لئے تو سر تا پا رحمت تھی تو

گرچہ کٹیا میں تھی۔ پر ان کے لئے جنت تھی تو
فاقہ مستی میں بھی ان کے واسطے نعمت تھی تو

بن ترے ان کا جہاں برباد ہے بر باد ہے
ترا یکسالہ بھی فرقت میں تیری ناشاد ہے

والدہ ننھے کے حق میں رحمت پروردگار | دیکھ کر بیمار اس کو ہو رہی ہے سوگوار
کوئی بلبل ہے؟ کہ لیتی ہے بلائیں بار بار | کوئی دیوانی ہے رہتی ہے جو ہر دم اشکبار

اس کے سر کے درد کی خاطر اپنے سر کو جدا کر دے ابھی
اس کے بس میں ہو، تو جاں تک بھی فدا کرے دے ابھی